سیّد خورشید احمد گیلانی

رُوحِ تصوّف

اسلام کے مثالی نظامِ حیات کی ایک جھلک

فرید بک سٹال اردو بازار لاہور

منشوراتِ علمیہ

فرید بک سٹال لاہور کی یک سالہ اشاعتی خدمات ایک نظر میں

تصانیف مولانا ابو النور محمد بشیر کوٹلوی

...بات اول	مجلد فوم پلاسٹک	۲۴/-
" دوم	"	۲۴/-
...یب	"	۲۷/-
...نظ اول	"	۲۴/-
دوم	"	۲۴/-
سوئم	"	۲۴/-
چہارم	"	۲۴/-
...ید العالمین	"	۲۴/-
...انا نور کا	"	۲۲/۵۰
...توں کی حکایات	"	۲۷/-
...حکایات اول	مجلد ڈسٹ کور	۱۶/۵۰
" دوم	"	۱۸/-
" سوئم	"	۱۸/-
" چہارم	"	۱۵/-
" پنجم	"	۱۵/-
...ی کی حکایات	"	۱۶/۵۰
...ان کی حکایات	"	۱۲/-
...ب الحیوانات (جانوروں کی دنیا)	"	۱۵/-
...غنی مدلل (فقیہ اعظم کوٹلوی)	مجلد پارچہ	۱۶/۵۰
...روق	مجلد ڈسٹ کور	۲۱/-
...بہشتی زیور (مفتی محمد خلیل خاں برکاتی)	مجلد فوم پلاسٹک	۲۷/-
...اسلام	مجلد پارچہ	۱۵/-

طب روحانی		۶/۶۰
ترمذی شریف مترجم مکمل دو جلد		۱۵۰/-
فتاوی عالمگیری		۶۵۰/-
منتخب حدیثیں	مجلد فوم پلاسٹک	۱۸/-
حجۃ اللہ البالغہ		۶۰/-
زلف و زنجیر اول		۲۴/-
ذکر بالجہر		۱۳/۵۰
کوثر الخیرات	(الشیخ المحدث علامہ محمد اشرف سیالوی)	۳۰/-
نسیم رحمت		۵/-
اشعۃ اللمعات اول	(ترجمہ از مولانا محمد سعید نقشبندی)	۶۵/-
مسند امام اعظم		۴۲/-
تذکرۃ الاولیاء		۱۸/-
دلائل المسائل	(فقیہ اعظم کوٹلوی)	۲۷/-
فقہ الفقیہ	"	۲۷/-
شمع شبستان رضا	مجلد فوم پلاسٹک (مکمل چار حصے)	۳۶/-
"	مجلد ڈسٹ کور "	۳۱/۵۰
روح تصوف	(از سید خورشید احمد گیلانی)	۱۸/-

سال رواں کے اشاعتی منصوبے اپنے تکمیلی مراحل میں

- اشعۃ اللمعات جلد دوم، سوم
- بخاری شریف مکمل مترجم تین جلدوں میں
- ریاض الصالحین مترجم مکمل دو جلدوں میں
- مقالات سعیدی از مولانا غلام رسول سعیدی
- فیوض یزدانی
- ابوداؤد شریف تین جلدوں میں
- علمائے اہل سنت کی حکایات (ابوالنور کوٹلوی)
- جامع المعجزات (صاحبزادہ مولانا محمد عطاء المصطفیٰ کوٹلوی)

علاوہ ازیں دیگر اداروں کی اسلامی مطبوعات بھی تھوک و پرچون نرخوں پر ہمارے ہاں دستیاب ہیں، رابطہ کے لئے تحریر کیجئے:

فرید بک سٹال ـ ۴۰ ـ اردو بازار، لاہور

marfat.com

سیّد خورشید احمد گیلانی

روحِ تصوّف

اسلام کے مثالی نظامِ حیات کی ایک جھلک

فرید بُک سٹال ○ اردو بازار ○ لاہور

marfat.com

نام کتاب ——— رُوحِ تصوّف

مصنّف ——— سیّد خُورشید احمد گیلانی

مطبع ——— عالمین پبلیکیشنز پریس
۱۰/ ۲۲ ریٹیگن روڈ لاہو

کتابت ——— فضل الٰہی کیلیانوالہ

تعداد ——— ایک ہزار

بار اوّل ——— ۱۹۸۱ء

قیمت ———

marfat.com

ترتیب

۱	پیش لفظ : سید محمد فاروق القادری	۴
۲	پیش گفتار : سید ارشاد احمد عارف	۲۷
۳	رُوحِ تصوّف	۳۴
۴	شریعت و طریقت	۵۵
۵	کشف و کرامات	۶۴
۶	اُمہاتِ کُتب	۷۱
۷	اشاعت اسلام اور صوفیا کرام	۹۵
۸	آئینِ جواں مردی حق گوئی و بے باکی	۱۰۸
۹	فقرِ غیور	۱۲۷
۱۰	تاج شہی فقر کے قدموں پہ	۱۴۲
۱۱	تعلیماتِ تصوّف	۱۵۲
۱۲	توکل	۱۵۶
۱۳	فقر	۱۶۴
۱۴	توبہ	۱۷۱
۱۵	تقویٰ	۱۷۶
۱۶	اخلاص	۱۸۵
۱۷	صبر	۱۹۰
۱۸	فتوت	۱۹۴
۱۹	اُن کی باتوں میں گلوں کی خوشبو	۱۹۹
۲۰	اشاریہ ۲۰۶ — کتابیات ۲۲۸	۲۰۶

marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیشِ لفظ

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دُنیا میں ہر تحریک بہ تمام و کمال وقت کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ کچھ تحریکوں اور افکار کو تو زمانے کی تیز رفتاری پوری قوت سے روند کر اس طرح ملیامیٹ کر دیتی ہے کہ اس کے آثار بھی نہیں ملتے، البتہ جو تحریکیں زیادہ سخت جان ہوتی ہیں وہ دیر تک وقت کے گرداب کا مقابلہ کرتی رہتی ہیں، دنیا میں کچھ تحریکیں ایسی بھی اُٹھی ہیں کہ زمانہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے باوجود انہیں کچلا نہیں سکا، اور وہ ہر دور میں ایک نئی تازگی اور زندگی کے ساتھ اُبھرتی رہی ہیں۔ جو تحریکیں اس سے کم تر درجے کی ہوتی ہیں وہ تاریخ کے رُخ پر موجود تو رہتی ہیں مگر اپنی اصلی حالت پر نہیں بلکہ رد و بدل، حک و اضافے اور ترمیم و تغیّر کے ساتھ۔

اسلامی تصوف ایک تحریک کے طور پر تیسری صدی ہجری کے اوائل میں اپنا کام شروع کرتا ہے، اگرچہ اس کی بنیادیں ہمیں عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں نظر آتی ہیں، حضرت سلمان فارسی، ابو ذر غفاری، مقداد اور عمار رضی اللہ عنہم دورِ اوّل کے وہ نمایاں افراد ہیں جن کی پوری زندگی زہد و عبادت اور تزکیۂ نفس کے لیے وقف ہو کر رہ گئی تھی۔ تیسری صدی ہجری کے اوائل میں اہلِ بصیرت نے محسوس کیا کہ تمام ذرائع دولت اور وسائلِ عزت پر اہلِ حرص و ہوا نے پوری طرح قبضہ کر لیا ہے۔ مناصبِ حکومت کی لالچ اور روپے پیسے کی ہوس نے لوگوں کو اس قدر پست ہمت کر دیا ہے کہ وہ اس کے علاوہ

marfat.com

کچھ سوچ بھی نہیں سکتے اور نہ ہی ان میں اتنا جذبہ باقی رہا ہے کہ وہ کسی اعلیٰ نصب العین کی خاطر جان و مال کی قربانی دے سکیں یا اپنے عیش و آرام کو چھوڑ سکیں، ان ارباب عزیمت نے محسوس کیا کہ اگر بر وقت اس خطرے کا نوٹس نہ لیا گیا تو یہ سیلاب اپنی روانی میں سب کچھ بہالے جائے گا۔ چنانچہ حالات کا بغور جائزہ لینے کے بعد ان میں سے ایک گروہ کسی کا حلیف حریف بنے بغیر الگ ہو گیا اور اس نے اسلام کی انقلابی تعلیمات کی حفاظت کے لیے مختلف انداز میں کمر باندھ لی۔ ملوکیت کے دور نا ہنجار میں اس طرز عمل کی افادیت کھل کر سامنے آنے لگی تو یہ فکر ایک تحریک کی حیثیت اختیار کرتا چلا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تیسری صدی کے اوائل سے ساتویں صدی ہجری تک اسلامی تصوف ایک ہمہ گیر تحریک کی حیثیت سے آگے بڑھتا رہا اور اس نے زندگی کے ہر شعبۂ حیات کو متاثر کیا۔ ساتویں صدی ہجری کے بعد اس تحریک میں وہ جان باقی نہ رہی جو ابتدائی قوت اور شدت کی طرح وقت کا مقابلہ کرتی رہتی، دوسری طرف یہ تحریک اتنی پھیل چکی تھی کہ اب یہ ممکن ہی نہ رہا تھا کہ دور دراز کے ممالک میں بسنے والی اقوام کے افکار اور ان کے مخصوص سماجی اثرات سے یہ پوری طرح اپنا دامن بچا سکے۔

تصوف ایک علیحدہ تحریک کے طور پر کبھی وجود میں نہ آتا اگر مسلمانوں میں خلافتِ راشدہ کے بعد دین و دنیا کی تفریق کا سانحہ پیش نہ آتا۔ اس نازک موڑ پر مسلمانوں کی اجتماعی زندگی پارہ پارہ ہو کر رہ گئی، خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی، خلافت میں نیابتِ رسالت کا تصور ختم ہو گیا، بیت المال ذاتی ملکیت سمجھے جانے لگے۔ دروازوں پر دربان مقرر ہو گئے اور خلافت "دین و دنیا کی اصلاح کا ادارہ" نہیں بلکہ صرف دنیا داری کی ایک بگڑی ہوئی شکل اختیار کر گیا، مسلمانوں کا دین دار طبقہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ اب حکومت کی ملازمت یا اس کے ساتھ تعاون دین کی خدمت نہیں رہی۔ ایسے لوگوں کے لیے حکومت سے سوائے قطع تعلق کے اور کوئی چارۂ کار نہ رہا۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کا

marfat.com

نظام حکومت بہترین قسم کے متقی اور جامع صفات شخصیتوں سے محروم ہو گیا۔

ان مایوس کن حالات میں ردِ عمل کے طور پر یہ تحریک شروع ہوئی مگر خیال رہے کہ یہ تحریک صرف اور صرف اسلامی نظام اخلاق و عبادات کے تحفظ کے لیے اُٹھی۔ یہ نہ تو کسی عجمی سازش کا نتیجہ تھی اور نہ ہی دوسری اقوام کے افکار سے تاثر کا حاصل، اسلامی تصوف کی ساری اصطلاحات قرآن و سُنّت سے ماخوذ ہیں، مثلاً توبہ، صبر، توکل، رجا، خوف، تقویٰ، فقر، محاسبہ، تزکیہ، اخلاص، امانت، خشیت۔ ہمیں دارا شکوہ کی اس بات سے اتفاق ہے کہ تصوّف اسلام سے بہت پہلے انسانی فکر میں آچکا تھا اور اپنشدوں میں اس کی مستند تصریحات ملتی ہیں، لیکن اسے اُس تصوّف سے کیا واسطہ ہے جس کے داعی اپنے تمام معتقدات و معمولات کی بنیاد صرف قرآن کو ٹھہراتے ہیں۔

گروہِ صوفیاء کے سید الطائفہ جنید بغدادی فرماتے ہیں:

"ایں راہ کسے یابد کہ کتاب بردست راست گرفتہ باشد و سنّتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بردستِ چپ و در روشنائی ایں دو شمع مے رود، تانہ در مغاک شبہت افتد نہ در ظلمت بدعت۔"[۱]

یہ راہ تو صرف وہی پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں سنّت رسول ہو اور وہ ان دو چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے تاکہ نہ شبہے کے گڑھوں میں گرے نہ بدعت کی تاریکی میں پھنسے۔

شیخ ابوبکر طمستانی فرماتے ہیں:

الطریق واضح والکتاب والسنۃ قائم بین اظہرنا[۲]

۱؎ تذکرۃ الاولیاء: ۸،

۲؎ رسالہ قشیریہ: ۲۴،

marfat.com

راستہ واضح ہے اور کتاب و سنت ہمارے سامنے ہے۔

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی فرماتے ہیں :

(مشرب پیر) ... حجت نمی شود دلیل از کتاب و حدیث مے باید[۱]

(پیر کا مسلک) حجت نہیں ہے دلیل کتاب و سنت سے ہونی چاہیئے،

حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

رکن اول از شریعت کتاب است چنانکہ گفت عزمن قال فیہ آیات محکمات ھن ام الکتاب، ودیگر سُنّت است چنانچہ گفت وما اتاکم الرسول فخذوہ ومانھٰکم عنہ فانتھوا وسیوم اجماع امت چنانکہ رسول علیہ السلام گفت لا تجتمع اُمتی علی الضلالۃ علیکم بالسواد الاعظم،

شریعت کا پہلا رکن کتاب اللہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، قرآن میں آیات محکمات ہیں، جو اصل کتاب ہیں۔ دُوسرا رکن سُنّت ہے جیسا کہ فرمایا، جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں اس پر عمل کرو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔ اور تیسرا رکن اجماعِ امّت ہے۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امّت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی، بڑے گروہ کا ساتھ پکڑو۔

حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی فرماتے ہیں :

اے برادر تفاوت مراتب فقرا اگر امروز خواہی کہ دریابی بجانب شریعت او نگاہ کن کہ شریعت معیار است[۲]

---

[۱] اخبار الاخیار : ۸۹ ،

[۲] مکتوبات کلیمی مکتوب نمبر : ۹۵ ،

marfat.com

اے بھائی اگر تم فقرا کے مدارج دیکھنا چاہتے ہو تو شریعت پر ان کے عمل سے ان کا اندازہ لگاؤ۔ کیونکہ اس بارے میں معیار شریعت ہی ہے۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"پیر چناں باید کہ در احکام شریعت و طریقت و حقیقت عالم باشد و چوں ایں چنیں باشد او خود ہیچ نامشروع نہ فرماید"[1]

پیر ایسا ہونا چاہیے جو شریعت، طریقت اور حقیقت کے احکام کا عالم ہو اگر وہ ایسا ہو گا تو خود کسی ناجائز امر کے بارے میں نہیں کہے گا۔

ابوالحسین نوری تصوّف کی تعریف میں فرماتے ہیں:

التصوف ترك كل حظ للنفس[2]	تصوف حظ نفس چھوڑنے کا نام ہے۔

ابو علی قزوینی فرماتے ہیں:

التصوف هو الاخلاق المرضية[3]	تصوّف پسندیدہ اخلاق کا نام ہے۔

ابو سہل الصعلوی فرماتے ہیں:

الاعراض عن الاعتراض[4]	تصوف اعتراض سے بچنے کا نام ہے۔

ابو محمد الجریری فرماتے ہیں:

التصوف الدخول فی كل خلق سني و الخروج من كل خلق دني[5]	تصوّف ہر نیک خصلت سے مزین ہونا اور تمام بُری عادتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا نام ہے۔

---

[1] فوائد الفواد : ۱۴۷
[2] کشف المحجوب باب سوم فی التصوف
[3] " " " "
[4] رسالہ قشیریہ : ۱۳۸
[5] رسالہ قشیریہ : ۱۲۷

marfat.com

عمر بن عثمان المکی سے تصوف کے متعلق پوچھا گیا آپ نے فرمایا :

ان یکون العبد فی کل   صوفی ہر وقت جس کا ہوتا ہے اس
وقت بما ھو اولی بہ فی   کا ہو کر رہتا ہے۔
الوقت ؎

ان اکابرین صوفیا کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف تزکیۂ نفس اور تصفیہ اخلاق ہی کا نام ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی بعثت کا مقصد یہی بیان فرمایا ہے :

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

قرآنِ مجید میں منصبِ رسالت کے فرائض کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ :

ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ

جس طرح ہم نے شروع میں عرض کیا ہے کوئی تحریک کتنی اچھی کیوں نہ ہو بہ تمام و کمال وقت کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ بلاشبہ یہی حال تصوف کا بھی ہوا۔ شریعت و طریقت کی تفریق دنیا سے فرار اور گریز اور مجاز پرستی کے ذریعے کئی خرافات اس میں گھس آئیں، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خود مسلمانوں میں سے بعض حضرات نے انتہائی دیدہ دلیری کے ساتھ تصوف کو اسلام کے خلاف ایک سازش کا عنوان دے دیا۔ بعض دوسروں نے تقسیم شروع کر دی کہ تصوف کی اتنی قسمیں ہیں، ایک یہ ہے، ایک یہ ہے اور ایک یہ، یہ اس طرح ہے جیسے کوئی شخص بدعمل مسلمانوں کو دیکھ کر یا مسلمانوں کی تیسرے درجے کی غیر ثقہ کتابیں پڑھ کر اسلام کی تقسیم شروع کر دے۔ اگر یہ تقسیم درست مان لی جائے تو پھر یہ صرف تصوف ہی تک کیوں محدود ہے۔ دورِ ملوکیت میں مدون ہونے والے بعض فقہی فتاویٰ اور یونانی

؎ رسالہ قشیریہ ، ۱۲۷

marfat.com

علوم کی مدافعت میں مرتب شدہ علم کلام کیوں اس کی ذیل میں نہیں آتے، سیدھی بات ہے کہ تصوف اسلامی میں جہاں جہاں خرافات گھس آئی ہیں انہیں کسی بھی صورت میں تصوف کا نام نہیں دیا جاسکتا، ایسی باتوں کا تصوف سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ خود اکابر صوفیا نے اپنے اپنے دور میں ان برائیوں کے خلاف ہمیشہ ہمیشہ آواز بلند کی ہے۔ آخری دور میں حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہم اللہ کی مساعی اسی نوعیت کی ہیں۔

اسی وقت یہ نظریہ اتنی عمومیت اختیار کر گیا ہے کہ اس پر سچ کا گمان ہونے لگا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اسلامی تصوف ایرانیوں سے ماخوذ ہے یا پھر یونانیوں سے۔ دراصل یہ براؤن اور نکلسن کا نظریہ ہے، جو انہوں نے اسلامی تصوف کے اصل مآخذ سے لاعلمی کی بنا پر قائم کیا اور آگے فیشن کے طور پر چل نکلا، حالانکہ مستشرقین میں سے بعض حضرات کو اس امر کا اعتراف کرنا پڑا ہے کہ تصوف نے ہر آڑے وقت میں اسلام کی سپر کا کام دیا ہے۔ مشہور ہے مستشرق پروفیسر ایچ اے آر گب (H·A·R·GiBB) نے ایک دفعہ اپنی تقریر میں کہا تھا:

> تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا ہے لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیا کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا، اور اس کو اتنی قوت و توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔[1]

عبادت الٰہی ایک فریضے کے طور پر ادا کرنا متفق علیہ مسئلہ ہے لیکن اس میں دل کشی جاذبیت، محبت اور ایک خاص کیفیت پیدا کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک

---

[1] بحوالہ تاریخ مشائخ چشت: ۱۰

marfat.com

بندے کو اپنے خالق کے ساتھ تعلق اور اس کی کیفیات سے پورے طور پر آگاہی نہ ہو، اسی کیفیت کو ہم محبت خداوندی یا قرب ذاتی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ قرآنِ مجید کی ان آیات پر غور کیجئے:

وھو معکم اینما کنتم [۱] — اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

ولا تستخفون من اللہ وھو معھم [۲] — اور نہیں شرماتے اللہ سے اور وہ اُن کے ساتھ ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

واذا سالك عبادی عنی فانی قریب [۳] — اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں۔

ایک اور موقع پر ارشاد ہے:

نحن اقرب الیہ من حبل الورید [۴] — ہم انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

فاینما تولوا فثم وجہ اللہ [۵] — سو جس طرف تم منہ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ۔

---

۱ الحدید : ۴
۲ النساء : ۱۰۸
۳ البقرہ : ۱۸۶
۴ ق : ۱۶
۵ البقرہ : ۱۱۵

marfat.com

یہ چند آیات ہم نے بطور نمونہ پیش کی ہیں ۔ ورنہ قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر خدا اور بندے کے تعلق، اس کی لطیف کیفیات، اس کے آداب اور تقاضوں کو صراحت سے بیان کیا گیا ہے ۔ ہمارے نزدیک تصوّف کا اصل موضوع ہی خدا اور بندے کا تعلق ہے ۔ اگر بندہ اپنے مالک حقیقی کے ساتھ اپنے تعلق کی کیفیات کا صحیح ادراک حاصل کر لیتا ہے تو زندگی کے باقی سارے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں ۔ اس تعلق کے ادراک کے نتیجے میں بندے کو ہر وقت مالک کی خوشنودی اور رضا مندی کا سودا سر میں سمایا رہتا ہے اسے قدم قدم پر اس نازک تعلق کی باریکی کا احساس دامن گیر رہتا ہے۔ اس کا جینا ، مرنا ، اٹھنا ، بیٹھنا ، کھانا ، پینا ، بولنا ، خاموش رہنا ، سب کچھ اسی ایک ذات کے لیے ہو جاتا ہے ۔ غور فرمایئے کہ کس قدر آفاقی اور عظیم نظریہ ہے اور اس کے دامن میں کائنات اپنی وسعتوں کے باوجود کتنی حقیر نظر آتی ہے ۔ اسی مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے :

قل ان صلاتی و نسکی	کہہ دو میری نماز ، میری قربانی ، میری
ومحیای ومماتی لله	زندگی اور میری موت سب اسی
رب العلمین [1]	پروردگار عالم کے لیے ہے ۔

اور اسی نظریے کو شیخ فرید الدین عطار نے اس طرح ادا فرمایا ہے :

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم — خاکے شوم و بہ زیر پائے تو زیم
مقصود من بندہ ز کونین توئی — از بہر تو میرم و برائے تو زیم

صوفیا نے محبت الٰہی کو بنیاد اور قرب و معیت ذاتی کو منزل قرار دے کر فکر و عمل میں جو انقلاب پیدا کیا، تاریخ عالم میں پہلے اس کی نظیر نہیں ملتی ۔ اس طرح وہ دکھ

---

[1] الانعام : ۱۶۲

marfat.com

کو عطیۂ محبوب، ابتلاء و آزمائش کو امتحان، بھوک کو طعامِ دوست اور رنج و کلفت کو راہ عشق کے کانٹے سمجھ کر زندگی کی تلخیوں، ناکامیوں اور ناہمواریوں کو خوشگواری، مسرت اور زیادہ بہتر اور قابلِ عمل طریقے میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ کہہ دینا تو آسان ہے کہ تصوف فرار اور گریز ہے مگر بغور جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ تصوف کا سارا رُخ ہی انسان کی طرف ہے وہ مظلوم کی حمایت، ظالم کو ہدایت، سرکش اور مغرور لوگوں کو خادمِ انسانیت بنانے کی دعوت، خدا ترسی، ہمدردی، غم گساری اور رضا کارانہ خدمت کو عبادت کا درجہ دینے کا دعویٰ کرتا ہے۔ تصوّف نے عبادات میں جو لذّت، حلاوت اور چاشنی پیدا کی ہے اس نے خود زندگی میں مقصدیت اور حسن پیدا کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان حکومتوں کے عروج و زوال کی حیرت ناک داستانیں اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں۔ ایک صوفی خدا سے لو لگائے، من کی دنیا آباد کیے اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔ اگر صوفیاء کا حسنِ عمل اور اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی کا نصب العین مسلمانوں کی تاریخ کا حصہ نہ ہوتا تو مسلمان برصغیر ایسے دور دراز ممالک میں سے اقتدار کے خاتمے کے بعد اسپین کی طرح کب کا اپنا بستر بوریا لپیٹ چکے ہوتے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو ایک آفاقی پیغام کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ اس پیغام کا سارا پروگرام عدل، انصاف، مساوات اور دنیائے انسانیت کے لیے ایک فلاحی معاشرے کے قیام پر مبنی تھا، خلافت راشدہ کے بعد اس پروگرام کی قیادت و سیادت ہمیں صوفیاء کے طرزِ عمل میں ملتی ہے۔ انہوں نے انسانیت کو الخلق عیال اللہ قرار دے کر بلا تفریق رنگ و نسل، مذہب و ملت، خدمت کو اپنا شعار قرار دیا، دُور دراز ممالک میں تبلیغ اسلام کے سلسلے میں انہوں نے جس حکیمانہ ژرف نگاہی اور دُور اندیشی سے کام لیا وہ انہی کا حصہ ہے انہوں نے ہر ملک و قوم کی مخصوص سماجی و ثقافتی روایات سے براہ راست تصادم اور ٹکر کی بجائے خود ان سے تبلیغ کا کام لیا۔ یہی وجہ ہے کہ

marfat.com

انہیں اس سلسلے میں بعض اوقات مجبوراً بعض نسبتاً غیر اولیٰ طریقے بھی اختیار کرنا پڑے۔ چونکہ ان کی پشت پر کوئی سیاسی قوت موجود نہیں تھی۔ اس لیے وہ ایسا کرنے میں حق بجانب تھے۔ اسی طرح برصغیر ایسے ممالک میں ہم آج ایک زندہ سیاسی قوت کے طور پر فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں موجود ہیں کہ ہمارا آئندہ لائحہ عمل اور سیاسی دملی پروگرام کس طرح تشکیل پائے۔ ہمیں حیرت ہے کہ ہمارے وہ زعما جو صوفیا کے طرز تبلیغ پر مبینہ نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں، یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اگر بقول آپ کے صوفیا کی یہ اپاہج تبلیغ بھی نہ ہوتی تو برصغیر میں آپ کی پوزیشن کیا ہوتی؟ اور کیا کسی فیصلہ کن گفتگو کے آپ اہل ہوتے؟ ہمیں یہ بات تسلیم ہے کہ تصوف کے راستے سے کچھ خرابیاں در آئیں مگر یہ بات نہ بھولنی چاہیئے کہ اتنی پرانی اور عظیم تحریک کے لیے ایسی باتیں کچھ حقیقت نہیں رکھتیں بالخصوص اس وقت جبکہ ہمارے پاس اس تحریک کے اصول و فروع پر مشتمل اساطین صوفیا کی مدون کردہ امہات کتب موجود ہیں۔ میں کہتا ہوں اسلامی تصوف کے برس ہا برس بعد شیخ محمد بن الوہاب نجدی کی زیر قیادت بظاہر جو اصلاحی تحریک اٹھی چند ہی برسوں میں اس کا نتیجہ کیا نکلا، یہی نا کہ اس کے داعیوں نے اس مہذب دور میں دنیا کے نقشے پر ایک جدید ملوکیت نما شہنشاہیت کی بنیاد رکھ دی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تصوف کے دستور العمل یا نصاب کے بارے میں مختصراً اشارہ کر دیا جائے۔

تصوف میں بیعت کو بنیادی حیثیت دی جاتی ہے اور یہ کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

ان الذین یبایعونک — تحقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے
انما یبایعون اللہ [1] — وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے۔

---

[1] الفتح ۱۰:

دوسری جگہ فرمایا :

لقد رضی اللہ عن	تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے
المومنین اذیبایعونك	جب بیعت کرنے لگے آپ سے اُس
تحت الشجرة [1]	درخت کے نیچے ۔

تصوف میں دوسری اہم بات مرشد کی صحبت ہے ۔ ظاہر ہے کہ اگر تزکیۂ نفس نفوس کے لیے صرف کتابیں کافی ہوتیں تو انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری نہ کیا جاتا جس طرح آج بعض علوم صرف پڑھنے سے نہیں آتے بلکہ لازماً ان کی پریکٹیکل کرنا پڑتی ہے اسی طرح تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب ایسا آسان کھیل نہیں کہ آپ جب اور جس وقت چاہیں کسی کو محض کتابوں سے متقی ، خداترس ، دیانت دار اور خدمت گزار بنا دیں ، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر دور میں ایسے خاصانِ خدا رہیں جو فکر و عمل کی پاکیزگی سے لوگوں کی تقدیریں بدلتے رہیں ۔

تصوف میں تیسری بات خلوت گزینی ہے اس کی بنیاد غارِ حرا میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ گوشہ گیری ہے جس میں آپ نے آثارِ قدرت پر غور و خوض اور عرفانِ ذات کا مجاہدہ فرمایا ، جس وقت طبیعت میں حقائق کا ادراک جاگزیں ہو جائے پھر لوگوں سے اختلاط نقصان نہیں دیتا لیکن عرفانِ نفس اور دل کو مجلّیٰ و مصفا کیے بغیر لوگوں سے میل جول کئی بیماریوں کو جنم دے سکتا ہے ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری تعلیم کی خاطر ایسا عمل فرمایا ۔

تصوف کی ایک بنیادی تعلیم محبّت خداوندی ہے ، یعنی اس کوچہ میں قدم رکھنے والے ہر راہی کی منزل اور مقصود وصالِ خداوندی ہے ، وہ اسی دھن اور تڑپ میں ہر

---

[1] الفتح : ۱۰

تکلیف کو راحت ہر خار کو پھول اور ہر مصیبت کو رحمت سمجھ کر آگے بڑھتا رہتا ہے، اس کے تمام مجاہدات، ریاضتیں، عبادات راستے کی وہ ضروری منزلیں ہیں جنھیں دیدارِ یار کی خاطر ہنس ہنس کر طے کرنا پڑتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

والذین امنوا اشد حبا للّٰہ [۱]	اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں، وہ اللہ کی محبت میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔

اس راہ میں مجاہدے کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مجاہدہ کے معنی یہ ہیں کہ اپنے محبوبِ حقیقی کی آرزو میں جہدِ مسلسل کی جائے اور اس باب میں کسی بات کی پرواہ نہ کی جائے، ارشاد ہوتا ہے:

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبلنا [۲]	اور جنہوں نے محنت (مجاہدہ) کی ہمارے واسطے ہم سُجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں۔

تصوّف کا ایک مُہتم بالشان فریضہ عبادات اور ذکر و فکر میں مشغول و مصروف رہنا ہے اس سے بے چین دلوں کو سکون اور غافل روحوں کو آگہی نصیب ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

واذکروا اللّٰہ کثیرًا لعلکم تفلحون [۳]	اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم مراد پا جاؤ۔

---

[۱] البقرہ : ۱۶۵

[۲] العنکبوت : ۶۹

[۳] الانفال : ۴۵

marfat.com

دوسری جگہ ارشاد ہے:

الذین یذکرون اللہ	وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے
قیٰمًا وقعودًا وعلیٰ جنوبہم	اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور
ویتفکرون فی خلق	فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی
السمٰوات والارض ؎	پیدائش میں۔

آپ غور فرمائیے ان میں وہ کونسی ایسی بات ہے جو خود قرآن اور حامل قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت یا عمل نہیں ہے، اس وقت ہمارے نامور صوفیاء کی گراں قدر تصانیف موجود ہیں۔ دعوے سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تصوّف کی ان مایۂ ناز بنیادی کتابوں میں کوئی ایک ایسی بات دکھائی جائے جو قرآن و سُنّت کے خلاف یا اس سے متصادم ہو۔ اسلامی تصوّف کی بنیادی کتابیں یہ ہیں:

اللمع فی التصوّف از ابونصر سراج م ۳۸۷ھ، التعرف لمذہب اہل التصوّف ازابوبکر کلاباذی م ۳۸۰ھ، قوت القلوب از ابوطالب المکی م ۳۸۶ھ، طبقات الصوفیہ ازابوعبدالرحمٰن السلمی م ۴۱۲ھ، حلیۃ الاولیاء ازابونعیم م ۴۳۰ھ، الرسالۃ القشیریہ از امام قشیری م ۴۶۵ھ کشف المحجوب از علی بن عثمان ہجویری م ۴۶۵ھ طبقات الصوفیہ از عبداللہ ہروی م ۴۸۱ھ، فتوح الغیب از شیخ عبدالقادر جیلانی م ۵۶۱ھ، تذکرۃ الاولیاء از فریدالدین عطار م ۶۲۳ھ عوارف المعارف از شیخ شہاب الدین سہروردی م ۶۳۲ھ، الفتوحات المکیہ از شیخ محی الدین ابن عربی م ۶۳۸ھ، نفحات الانس از نورالدین جامی م ۸۹۸ھ طبقات الکبریٰ از شیخ عبدالوہاب شعرانی م ۹۷۳ھ۔ اور اگر یہ کتابیں اوّل تا آخر کتاب و سُنّت کی عمل کی دعوت دیتی ہیں، اپنی ہر بات کی سند قرآن اور سیرت محمدیہ

؎ آل عمران : ۱۹۱

صلی اللہ علیہ وسلم سے فراہم کرتی ہیں تو پھر تصوّف کے بارے میں ہمیں درآمد شدہ نظریات تبدیل کرنا ہوں گے ۔

اس وقت پوری دُنیا شدید مسائل سے دوچار ہے ان میں سے دو مسئلے ایسے ہیں جن کا تعلق دنیا کی بقا سے ہے ، یہ مسائل ہیں بھوک اور افلاس سے نجات اور خطرناک ایٹمی جنگ سے تحفّظ ، ہمارے نزدیک ان مسائل کے حل کی کوئی صورت سوائے اس کے نظر نہیں آتی کہ اقوام عالم صدق دل سے نظریہ الخلق عیال اللہ (ساری دنیا اللہ کا کُنبہ ہے) پر کاربند ہوں ، یہی وہ آفاقی نظریہ ہے جس میں چھینا جھپٹی ، ہوس ملک گیری کشت وخون اور کمزور کے حقوق غصب کرنے کا جذبہ کسی قید میں مقید ہو سکتا ہے ۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسان ہر مخلوق کی تکلیف کو اپنے پہلو کا درد محسوس کرتا ہے ۔ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہٰی سے کسی نے عرض کیا حضور ! لوگ آپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ شیخ نظام الدین کو بڑا فروغ باطنی حاصل ہے انہیں اس جہان کا کوئی فکر ہی نہیں آپ نے فرمایا :

این قدر غم واندوہ کہ مراہست ہیچ کس را دریں جہاں نیست زیرا کہ چندیں خلق مے آئند وغم واندوہ خویش مے گویند آں ہمہ بر دل وجان من نشیند عجب دلے باشد کہ غم برادر مسلمان بشنوند و دردے اثر نکند ۔

جس قدر غم و اندوہ مجھے رہتا ہے اس جہاں میں کسی کو نہ ہو گا میرے پاس اتنی مخلوق آتی ہے ہر شخص اپنا دکھڑا سناتا ہے اس کا بوجھ میری جان و دل پر پڑتا ہے وہ عجب دل ہے کہ مسلمان بھائی کا غم سُنے اور اس پر اس کا اثر نہ ہو ۔[۱]

غالباً اسی طرف اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے ۔ ؏

---

[۱] تاریخ مشائخ چشت : ۴۸

marfat.com

خنجر کسی پہ چلے تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

شیخ سعدی نے زیادہ بہتر انداز میں اس کی توضیح کی ہے ؎

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند — کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضو ہا را نماند قرار

حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں:

یکے خار نہد و تو ہم خار نہی ایں خار خار باشد ..... میانِ مردماں ہم چنیں است کہ با نغزاں نغزای با کوزاں کوزئی اما میان درویشاں ہم چنیں نیست کہ با نغزاں نغزئی با کوزاں ہم نغزئی۔[1]

اگر کوئی کانٹا رکھے اور تو بھی اس کے بدلے میں کانٹا رکھے تو کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔ عام لوگوں کا دستور تو یہ ہے کہ اچھے کے ساتھ اچھے اور برے کے بدلے برے ہوتے ہیں مگر درویشوں کا دستور یہ نہیں ہے، یہاں نیک و بد دونوں کے ساتھ نیک ہونا چاہیئے۔

آپ کی زبان پر اکثر یہ شعر جاری رہتا:

ہر کہ مارا رنجہ دارد راحتش بسیار باد — ہر کہ مارا یار نبود ایزد اورا یار باد
ہر کہ خارے افگند در راہِ ما از دشمنی — ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

اسی طرح تمام اکابر صوفیا عملی طور پر نجی ملکیت کے مخالف رہے ہیں، ان کے ہاں زہد اور توکل کا ثمرہ ہی یہی ہے کہ بچا کر کچھ نہ رکھا جائے، جمع نہ کیا جائے، اور لوگوں سے کسی قسم کی امید نہ رکھی جائے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا طرزِ عمل بھی

---

[1] تاریخ مشائخ چشت مولفہ جناب خلیق احمد نظامی : ۴۹

marfat.com

تقریباً یہی ہے ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میراث میں کوئی درہم ، دینار ، بھیڑ بکری ، نہیں چھوڑی جو معمولی چیزیں چھوڑیں ان کے بارے میں بھی فرما دیا کہ انہیں صدقہ کر دیا جائے ۔
تمام اکابر صوفیا اسی اصول پر سختی سے کاربند رہے ہیں ۔ انہوں نے اجتماعی معاشرے کی بنیاد رکھی ۔ خانقاہوں میں اشتراکِ عمل کا نظام چلتا تھا جہاں شیخ بھی مریدین کے ساتھ روکھی سوکھی پر گزارا کرتا ۔

صوفیاء کی تاریخ اس جلبِ زر کے دور میں ہمارے پاس روشنی کا بلند مینار ہے جس نے ہمارے سر فخر سے بلند کر دیئے ہیں ، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح ان بزرگوں نے جان کی بازی لگا کر اسلام کی روح کو زندہ رکھا ٹھیک اسی طرح انہوں نے معاشی اور معاشرتی میدان میں بھی ہمارے لیے وہ ڈھانچہ جوں کا توں محفوظ رکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے قائم کیا تھا ، لاکھوں کی یافت اور فتوحات ان کے معمولات پر اثر انداز نہ ہو سکے ، سادگی ، قناعت ، دنیا سے نفرت ، اور خدمت خلق میں انہوں نے عمریں گزار دیں ۔ حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ اکثر روزہ سے ہوتے ۔ بعض اوقات سحری کے وقت خواجہ عبدالرحیم (خادم) کھانا لے جاتے اور عرض کرتے حضور ! آپ نے افطار کے وقت بہت ہی کم کھانا تناول فرمایا تھا اگر سحری کے وقت تھوڑا تناول نہ فرمائیں گے تو ضعف بڑھ جائیگا اس پر آپ زار و قطار رونے لگتے اور فرماتے :

چندیں مسکیناں و درویشاں در کنج ہائے مساجد و دوکانہا گرسنہ و فاقہ زدہ افتادہ اند ایں طعام در حلق چگونہ فرو رود ۔[1]

---

[1] تاریخ مشائخ چشت جناب خلیق احمد نظامی : ۵۴

marfat.com

کتنے مسکین اور درویش مساجد کے کونوں اور بازاروں میں بھوکے پڑے ہوئے ہیں۔ بھلا یہ کھانا میرے حلق سے کیونکر اتر سکتا ہے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ ملوکیت کے دور میں مدون ہونے والے ذخیرے بھی آزاد مسلم معاشرے کی بنیاد بننے کی اتنی صلاحیت نہیں رکھتے جتنی ہر دور میں ان سے ٹکر لینے والے مردانِ خدا کی پاکیزہ اور بھرپور زندگیاں اس کی صلاحیت رکھتی ہیں اور ہمارے لیے اس جدید دور میں یہی وہ سرمایہ ہے جسے ہم اقوامِ عالم کے سامنے بطور چیلنج کے پیش کر سکتے ہیں اگر صوفیا کی اس جدوجہد اور تحریک کو نہ مانیں تو پھر ہمارا تاریخی تسلسل باقی نہیں رہتا۔ کیا اسلام واقعی اس تیس برس (خلافتِ راشدہ) کے بعد ختم ہوگیا، اگر ایسا نہیں ہے تو پھر تاریخ اسلام کی نمائندگی کا تاج بنو اُمیّہ کی حکومتوں کے سر پر رکھے گی یا بنو عباس کی حکومتوں کے سر پر، تحریکیں خلا میں زندہ نہیں رہتیں، ان کا واسطہ محسوسات اور حقائق سے ہوتا ہے۔ کیا ہوا اگر خلافتِ راشدہ کے خاتمے کی صورت میں سیاست اسلام کی ترجمان نہ رہی، یہ کوئی کم فضیلت کی بات ہے کہ اس کی معیشت و معاشرت اور اخلاق و تمدن پوری قوت اور آب و تاب سے بڑھتا رہا اور اس کے لیے گدڑی پوش فقراء کی ایک بے سروسامان جماعت نے وہ کام کر دکھایا جو ایسی تحریکوں سے بھی نہ ہو سکا جن کی پشت پر مضبوط سیاسی اقتدار موجود تھا۔

صوفیاء کے کارناموں کو سمجھنے کے لیے پوری مسلم تاریخ کا مطالعہ ضروری ہے تاہم مختصر الفاظ میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے انتہائی جامع انداز میں انہیں اس طرح بیان کیا ہے:

۱۔ اسلام کی جو پاکیزہ تعلیمات کتابوں میں درج ہیں اور مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں صوفیا نے اپنی خانقاہوں میں ان پر عمل کر کے دُنیا کو دکھا دیا۔

۲۔ صوفیا نے ہر زمانے میں اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کو زندہ رکھا۔

۳۔ صوفیا سے بڑھ کر تبلیغ اور تعمیر سیرت کا فریضہ کسی جماعت نے انجام نہیں دیا۔

marfat.com

۴ - صوفیا نے بادشاہوں کے سامنے علی الاعلان کلمۂ حق کہا۔

۵ - جب مسلمانوں میں عقلیت کا مذاق پیدا ہونے لگا اور انہوں نے قرآن کو اپنی عقل کے تابع بنانا شروع کیا تو صوفیا نے محبتِ الٰہی کا درس دے کر عقلیت کے مُضر نتائج کا ازالہ کیا۔

۶ - جب فقہا نے دین کے ظواہر پر زور دیا تو صوفیا نے باطنی اصلاح اور قلبی طہارت کا درس دے کر قوم کو اعتدال کی راہ دکھائی۔

۷ - صوفیا نے ہر دور میں غیر اسلامی عقائد شرک اور بدعت کی تردید کی۔

۸ - سرمایہ داری کے مقابلے میں انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت واضح کی۔

۹ - بادشاہوں کو دینداری کی تلقین کی۔

۱۰ - جب معتزلہ، فقہا اور متکلمین منطقی بحثوں میں اُلجھے ہُوئے تھے اور اُمّت کو فرقوں میں منقسم کر رہے تھے، اُس وقت صوفیا نے مُسلمانوں کو توحید اور یک نگاہی کا درس دیا۔

۱۱ - جب فقہا مسلمانوں کو آپس میں لڑا رہے تھے اس نازک دور میں صوفیا نے ان کو محبت اور ہمدردی کا درس دیا۔

۱۲ - فقہا اور متکلمین نے (فتوے دے کر) مسلمانوں کو کافر بنا دیا مگر صوفیائے کرام نے اپنی زندگی کے ذریعے کافروں کو مسلمان بنایا۔

۱۳ - فقہاء، متکلمین اور معتزلہ نے مختلف مذہبی گروہ بنا کر مسلمانوں کے شیرازۂ ملی کو منتشر کر دیا مگر صوفیا نے سب مسلمانوں کو جامِ وحدت پلایا۔

۱۴ - علماء اور فقہاء بادشاہوں کا قرب حاصل کرتے رہے مگر صوفیا دربارِ شاہی سے الگ تھلگ رہ کر ملوکیت کے مفاسد بیان کرتے رہے۔

۱۵ - جب علماء بادشاہوں کو خوش کرنے کے لیے تاویلات میں مشغول تھے اس وقت

marfat.com

صوفیا بادشاہوں کو خوفِ خدا کا درس دیتے رہے ہے۔

۱۶۔ معتزلہ، متکلمین اور حکماء نے اپنا وقت ذات وصفات کی بحثوں میں ضائع کیا، صوفیا نے کہا کہ خدا کے بارے میں بحث فضول ہے۔ خدا منطق کے ذریعہ نہیں مل سکتا۔ آئینۂ قلب کو صاف کرو تاکہ اس کا دیدار ہو سکے۔

۱۷۔ علماء نے دینی کتابیں لکھیں صوفیا نے وہ آدمی تیار کئے جنہوں نے ان کتابوں کے احکام پر عمل کر کے انقلاب برپا کر دیا۔

۱۸۔ علماء (متکلمین، معتزلہ، حکماء) نے صرف دماغ کی آبیاری کی صوفیا نے دماغ کے ساتھ ساتھ دل کی تربیت اور اصلاح کا فریضہ بھی انجام دیا اور یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ اسلام میں اصلی چیز دل ہے نہ کہ دماغ، اگر دل فاسد ہو جائے تو دماغ کا فاسد ہو جانا یقینی ہے۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "آگاہ ہو جاؤ انسان کے جسم میں ایک عضو ہے اگر وہ فاسد ہو جائے تو سارا جسم فاسد ہو جائیگا اور اگر وہ صالح ہو جائے تو سارا جسم صالح ہو جائے گا اور وہ عضو قلب ہے۔"

۱۹۔ علماء نے مسلمانوں میں گروہ بندی کی صوفیا نے انسانوں کو الخلق عیال اللہ کا درس دیا۔

۲۰۔ علماء نے دلائل سے اسلام کی حقانیت کو واضح کیا صوفیاء نے مشاہدۂ باطنی کے ذریعے سے اسلام کی صداقت واضح کی۔ لوگوں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ بشر حافی تو عالم دین نہیں ہیں پھر آپ ان کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں کتاب اللہ سے آگاہ ہوں مگر بشر حافی اللہ سے واقف ہیں اس لیے ان کا مرتبہ میرے مرتبے سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے[۱]

---

[۱] تاریخ تصوف از پروفیسر یوسف سلیم چشتی : ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲

marfat.com

رُوحِ تصوّف

میں سیّد خورشید احمد صاحب گیلانی کی کتاب "روحِ تصوّف" پر ابتدائی کلمات لکھتے ہُوئے اپنے اندر خوشی و مسرّت کی عجیب کیفیت محسوس کر رہا ہُوں۔ گیلانی صاحب ایک ایسے نوجوان فاضل ہیں جنہیں قدرت نے زبان و قلم کی بے شمار خوبیاں عطا فرمائی ہیں، ان سے اپنے پرانے روابط کی بنا، پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اسلامی موضوعات سے متعلق شاید ہی کوئی لائقِ اعتنا ایسی چیز ہو، جو ان کے مطالعے سے رہ گئی ہو۔ گیلانی صاحب پر بھی ایک ایسا زمانہ گزر چکا ہے جو ہر ذہین اور حساس ذہن پر گزرتا ہے۔ مطالعے کی فراوانی، متضاد اور باہم دگر متصادم نظریات کے تقابل جائزے کے ساتھ اگر قدرت نے نقّاد ذہن بھی عطا کیا ہو تو ایک مقام ایسا آجاتا ہے جہاں ذہن ہر چیز سے باغی ہونے لگتا ہے۔ غالباً یہی وہ مقام ہے جس کی طرف العلم حجاب الاکبر کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے۔ میرا اپنا خیال ہے کہ جس دماغ پر یہ کیفیت نہیں گزری وہ اسلام کے آفاقی پیغام اس کی رفعتوں اور لطافتوں کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔

مجھے فخر ہے کہ اس عبوری دَور میں مَیں نے جناب گیلانی صاحب کو صوفیا کے آفاقی پیغامِ محبت اور پیامِ رحمت و رأفت کے مطالعے کی دعوت دی اور ان سے گزارش کی کہ مروجہ رسوم و رواج اور تنقیدی مواد کے بجائے اصل کتابوں کو دیکھا جائے۔ حسنِ اتفاق سے اس دوران میں انہیں حضرت قبلہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہٗ ایسے حقیقی صوفی سے بھی تعارف حاصل ہو گیا، میری درخواست اور قبلہ حکیم صاحب کی صحبت بالآخر انہیں اس وادی میں کھینچ لائی جہاں غزالی جیسے ائمہ فلسفہ بھی اپنا سب کچھ ہار بیٹھے۔

جناب گیلانی صاحب مطالعے کے رسیا ہیں ان کے پاس وسیع ذاتی کُتب خانہ

marfat.com

موجود ہے ان کا ماحول علمی ہے اور قدرت نے انہیں کام کرنے کا سلیقہ بخشا ہے۔
ان کی زیرِ نظر کتاب "روحِ تصوّف" پڑھ کر ان کے لیے دل سے دعائیں نکلتی ہیں، اس مادی دور میں ہر چیز کو سطحیت سے دیکھنے کی خوگر دنیا کو انہوں نے انتہائی مؤثر انداز میں دعوت دی ہے کہ وہ اسلامی تصوّف کو بغور پڑھے۔ کتاب کا اندازِ بیان انتہائی شگفتہ، زبان سلیس اور آورد کے مقابلے میں آمد ہے۔ عالمانہ مسائل اور پیچیدہ فنی بحثوں سے اجتناب کیا گیا ہے، سچی بات یہ ہے کہ یہ کتاب ان تمام الزامات کا صفایا کر دیتی ہے جو پچھلے کئی برس سے تصوّف پر عائد کیے جا رہے ہیں۔ سیدھی بات ہے کہ خود ائمۂ تصوّف ہی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ تصوّف کی صحیح تعریف کریں، اگر وہ اس بات پر متفق ہیں کہ تصوّف' اسلام کی روح اور قرآن کی دعوت ہے' وہ اوّل تا آخر قرآن اور سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہے تو پھر کسی اور کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے صوفیا پر الزامات لگا کر توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ کا مرتکب ہو۔
البتہ ایک بات بطورِ خاص کھٹکی اور وہ یہ کہ تصوّف کی بنیادی کتابوں کے حوالہ جات کے لیے بعض دفعہ تراجم پر اکتفا کیا گیا ہے۔ گیلانی صاحب ایسے فاضل انسان کے لیے جو براہِ راست اصل مآخذ سے استفادہ کر سکتا ہے، تراجم پر انحصار کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ تو یقیناً یہی ہے کہ وہ ترجمے کی ذمہ داری کا بوجھ بھی اپنے اوپر ڈالنا نہیں چاہتے۔ حالانکہ ان کی ثقہ تحریریں پڑھنے والے احباب کوئی وجہ نہیں کہ ان کے ترجمے پر اعتماد نہ کریں۔ لیکن اگر وہ یہی مناسب سمجھتے ہیں تو ضروری تھا کہ وہ اصل عبارات دینے کے بعد تراجم کے سلسلے میں ذمہ داری کا بوجھ دوسروں پہ ڈالتے۔ اس کے علاوہ بعض ایسے تراجم کے حوالے بھی موجود ہیں جن کے غیر ثقہ ہونے پر ملک کے علمی حلقے متفق ہو چکے ہیں۔ توقع ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں یہ بھی کمی پوری کر دی جائے گی۔

marfat.com

مجموعی طور پر کتاب انتہائی خوبصورت، تحقیقی اور معیاری اور وقت کی ضرورت ہے۔ راقم السطور اس کتاب پر جناب سید خورشید احمد گیلانی کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے۔ اور توقع ہے کہ مستقبل میں وہ اپنی نگارشات سے بدستور علمی سرمائے میں اضافہ کرتے رہیں گے۔

سید محمد فاروق القادری ایم۔اے
آستانہ عالیہ شاہ آباد شریف
گڑھی اختیار خاں

۱۰ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ

marfat.com

پیش گفتار

خلافت سے ملوکیت کی طرف سفر کا آغاز ہوا تو مسلمانوں کی قیادت دو حصّوں میں بٹ گئی۔ سیاسی قیادت ان لوگوں کے ہاتھوں میں آگئی جن کے شب و روز اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کی تدبیروں میں بسر ہوتے اور جو مسلمانوں کی گردنوں پر محض اس بنا پر سوار ہو گئے تھے کہ ان کے پاس قبائلی عصبیتوں، مکارانہ چالوں اور قوت و دولت کا سرمایہ وافر مقدار میں تھا۔

وہ اپنے اقتدار کی شبِ تاریک کو طول دینے کے لیے سب کچھ کر گذرنے کی اہلیت رکھتے تھے، دھوکہ، فریب، عیاری، مکّاری، ترغیب و تحریص، ظلم و ستم اور وحشت و بربریت حتیٰ کہ ایمان فروشی بھی ان کے لیے فائدہ مند ہوتی تو اس سے دریغ نہ کرتے۔

دوسری طرف وہ لوگ تھے جن کا سرمایۂ حیات خُدا خوفی، صبر، توکّل، تقویٰ، فقر، محاسبہ، تزکیہ، اخلاص، امانت، دیانت اور اعلائے کلمۃ اللہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت اور انسانوں کی خدمت ان کی زندگی کا مشن تھا اور وہ اس سلسلے میں کسی کمزوری اور مداہنت کا مظاہرہ نہ کرتے۔

انہیں اپنے اس مقصد سے کس قدر عشق تھا اس کی ایک مثال بت کدۂ ہند کے تاریک ماحول میں روشنی پھیلانے والے بزرگوں کی وہ کوششیں ہیں جو انہوں نے رسم پرستانہ معاشرے میں ظالمانہ و جابرانہ حکومتوں کی طرف سے رکاوٹوں کے باوجود جاری رکھیں اور جس کے

marfat.com

نتیجے میں یہاں کے چپے چپے پر اسلام کا نور پھیل گیا۔ ان لوگوں کی شبانہ روز محنتوں اور پاکیزہ روحانی زندگی سے متاثر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعداد کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ یہاں اسلام کی اشاعت کا کام اصلاً انہی بزرگوں کا کارنامہ ہے۔ فاتحین اور سلاطین تو ان کی کاشت کی ہوئی کھیتیوں سے فائدہ اٹھاتے اور تاریخ میں اپنا نام لکھواتے رہے۔

قیادت کی یہ تقسیم عمل میں آئی تو مسلمانوں کے اجتماعی شعور نے زندگی کے ٹھوس حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے بے مثال دانائی اور شاندار حکمت عملی کے ساتھ مؤخر الذکر قیادت کو اپنی اُمنگوں اور آرزوؤں کا مظہر قرار دیا اور اوّل الذکر قیادت کے ذریعے اپنے سیاسی اور سماجی ڈھانچے کو برقرار رکھا۔ یہ قیادت مملکت کا نظم و نسق چلانے اور حدود و تعزیرات کے نفاذ کا فریضہ انجام دیتی جبکہ روحانی قیادت اعمال و اخلاق کا وہ اعلیٰ ترین نمونہ پیش کرتی جس کا مظاہرہ خلافتِ راشدہ کے دور میں ہوا تھا اور جسے سامنے رکھ کر مسلم امت اس کے دوبارہ قیام کے لیے ہر دور میں کوشاں رہی۔

مسلمانوں کی اعلیٰ سیاسی بصیرت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کسی قسم کی انارکی پھیلائے بغیر وہ مقاصد حاصل کر لیے جو کسی نظام کی کامیابی کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ انہوں نے ایک طرف تو برے بھلے سیاسی ڈھانچے کو برقرار رکھ کر تاریخی تسلسل مجروح نہ ہونے دیا اور دوسری طرف اس اجتماعی شعور نے قیادت کے اعلیٰ ترین معیار کا خاکہ بھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ مسلمانوں کے دل صرف ان لوگوں کے آگے جھکے جن کی زندگی اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عبارت تھی اور جو قیادت کے اس اعلیٰ ترین معیار پر پورا اترتے تھے، جس کا نقشہ مسلمانوں کی آنکھوں میں رچا بسا ہوا تھا۔

یہ دوسری قسم کی قیادت جن لوگوں پر مشتمل تھی اُن کے پاس نہ کوئی سلطنت ہوتی اور نہ سرکاری عہدے۔ حتیٰ کہ یہ لوگ اکثر اوقات رعایا کے عام افراد سے بھی بڑھ کر تنگدست اور مفلوک الحال ہوتے لیکن ان کے اقتدار کا دائرہ بہت وسیع تھا، انسانی دل و دماغ پر حکومت

marfat.com

کرنے والے یہ لوگ بیک وقت لاکھوں کروڑوں انسانوں کے مرجع عقیدت ہوتے اور بڑے بڑے فرعون صفت سلاطین وحکمران اُن سے خوف محسوس کرتے۔

یہی لوگ تھے جن کی مجلسوں اور خانقاہوں میں حاضری دینے والے افراد بڑے بڑے کجکلاہوں کو خاطر میں نہ لاتے اور جہاں محمود وایاز ایک ہی صف میں کھڑے نظر آتے۔

حضرت حسن بصریؒ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی حضرت معین الدین اجمیری، حضرت شہاب الدین سہروردی، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر، حضرت نظام الدین دہلوی اور اس طرح کے دوسرے صوفیاء کرام اپنے اپنے عہد میں قیادت کے اُس منصب پر فائز نظر آتے ہیں جس کا ذکر ہم پچھلے صفحات میں کر آئے ہیں۔ یہ حضرات اُمت کی عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز تھے اور ان کے اعمال و اخلاق لوگوں کے لیے لائق تقلید۔

اسلام کے عالمگیر پیغام سے انسانیت کو روشناس کرانے اور اسلام کی عالمگیر اور ابدی سچائیوں کو انسانی اذہان میں راسخ کرنے کے لیے جو کارنامہ ان بزرگوں نے انجام دیا اور نبوی طریقے کے مطابق کہنے سے زیادہ کر گزرنے اور بتانے سے زیادہ عملی نمونہ پیش کرنے کی جو تکنیک ان صوفیا نے اختیار کی اس کی ایک جھلک "روحِ تصوّف" میں ملتی ہے جسے عزیز محترم سید خورشید احمد گیلانی نے بڑی محنت اور سلیقے سے مرتب کیا ہے۔

"روحِ تصوّف" جن خوبیوں کا مرقع ہے اس کا اصل اندازہ تو کتاب کے مطالعے سے ہو گا لیکن فقیر کی ناقص رائے میں:

(۱) فاضل مصنف نے کمال خوبی سے فنی اصطلاحات اور نظری مباحث میں اُلجھے بغیر صوفیاء کرام کے اصل کارناموں اور اُن کی تعلیمات کو شگفتہ انداز میں پیش کر دیا ہے اس سے ایک طرف تو قاری کو کم وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات کی سہولت حاصل ہو گئی ہے اور دوسری طرف وہ اکتاہٹ بھی محسوس نہیں کرتا۔

marfat.com

(۲) فاضل مصنف چونکہ تصنیف وتالیف کے جدید تقاضوں سے بھی واقف ہیں اور اُن کا ذوق مطالعہ قدیم موضوعات کے علاوہ عصری مسائل و تحریکات کا بھی احاطہ کیے ہُوئے ہے اس لیے "روحِ تصوّف" کو انہوں نے حوالوں کا مجموعہ نہیں بننے دیا بلکہ مناسب مواقع پر تجزیئے اور تبصرے کی زبان استعمال کی ہے اور ایک کامیاب تجزیہ نگار کی طرح اپنے موضوع سے انصاف کر گزرے ہیں۔

"تصوّف مسائل کا حل" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

" تصوّف کا دعویٰ ہے کہ خدا سے بے خوفی نے معاشرتی مشکلات کو جنم دیا ہے۔ مثلاً جھوٹ، غداری، قتل، فساد، بدامنی، قانون شکنی، ظلم، دنیا کی رغبت نے معاشی مسائل پیدا کیے ہیں۔ مثلاً ہوسِ زر، ذخیرہ اندوزی، چور بازاری، حُبِ جاہ، سرمایہ پرستی، شکم پروری اور نفس پرستی وغیرہم۔ آج مدبرینِ عالم اکیڈیمیاں قائم کرنے، کمیٹیاں بنانے، مجلسیں بٹھانے، اجلاس بلانے، تحقیق کرنے، فلسفے مرتب کرنے، طریق کار تجویز کرنے اور لائحہ عمل تیار کرنے کے بجائے ان دو باتوں کو اپنی روح کے ساتھ عام کر دیں تو یہ مسائل اپنی موت آپ مر جائیں۔ تصوّف کی خانقاہوں نے غریبوں کو نفیس و لطیف دسترخوانوں پر بٹھایا اور امیروں کو روکھی روٹی اور سوکھی دال سے آشنا کیا اور دونوں کے دلوں سے ایک دوسرے کے خلاف کدورت و نفرت اور از خود تجویز کردہ معاشی و معاشرتی بُعد کا خاتمہ کر دیا، آج وہی تصوّف کمیونزم کا مقابلہ نہیں کر سکتا؛ تصوّف کے جن اداروں نے ہوا و ہوس کے بندوں کو ایک خدا کی بندگی پر لگا دیا۔ آج وہ وطنیت اور قومیت کے بُت نہیں توڑ سکتا اور خدا سے رشتہ نہیں جوڑ سکتا۔"

تصوّف کے اداروں کی وجہِ قیام یوں بیان کی گئی ہے؛

marfat.com

"تصوف کے ادارے دراصل اس وقت وجود میں آئے جب علم، علماء کے ذہنی تعیش کا ذریعہ اور وعظ و نصیحت کے بجائے دوسرے کو نیچا دکھانے کا ہتھیار بن گیا تھا۔ الفاظ و حروف تھے مگر مفہوم و معنیٰ سے یکسر خالی، عباد و زہاد اوراد و وظائف میں مشغول تھے لیکن ان کی روح سے ناآشنا، حکمرانی کا ڈھانچہ اسلامی کہلاتا مگر دنیا کی رغبت اور حُبِ جاہ نے قوانین کو بازیچۂ اطفال اور حکومتی اداروں کو کھوکھلا کر دیا تھا۔ قال اقول کی فضائیں اور حق ہو کی صدائیں نہ کسی کے ذہن کا زنگ اُتارتیں اور نہ کسی کے سازِ دل کے تار ہلاتیں۔ تصوّف نے اگر اس روح کو بیدار کرنے پر زور دیا جو علم کو با مقصد، زہد کو نتیجہ خیز، حکومت کو خادمِ خلق اور تعلیم و تدریس کو سرگرم بنا دے۔ کہا جاتا ہے کہ تختِ سلطنت فاسقوں کے ہاتھ میں رہا مگر صوفیاء مراقبوں میں مست رہے۔ اُٹھ کر ٹوکا نہیں، تحریک کیوں نہیں چلائی۔ لوگوں کو اُکسایا کیوں نہیں جذبات کو بھڑکایا کس لیے نہیں؟ یہ ساری باتیں بجا مگر ان کا حاصل کیا؟ یہی نا کہ ایک ہٹا دوسرا بیٹھا، نام بدل گیا، کام وہی رہا۔ انہوں نے سوچا کانٹا ہی کیوں نہ بدل دیا جائے جو صحیح طریقہ ہے گاڑی کو پٹڑی پر ڈالنے کا"

فاضل مصنف کا دعویٰ ہے کہ صوفیاء نے معاشرے کی ناہمواریوں اور حکمرانوں کی غلط کاریوں کے خلاف ہنگامہ آرائی کے بجائے عملی احتجاج کا انوکھا طریقہ اختیار کیا۔ لکھتے ہیں:

"آج مجاذیب اور صوفیا کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے کہ بستے گھر چھوڑ کر جنگلوں میں جا بیٹھے، خدا کے دیئے ہوئے رزق سے منہ موڑ کر پتوں پر گزارا کیا، خدا کے عطا کردہ پہناوے کو لنگوٹی یا پیوند لگے خرقے میں بدل دیا۔ خداداد صحت کو سخت ریاضت کر کے برباد کر ڈالا اور کہتے کہتے تالو خشک ہو جاتے ہیں کہ یہ کہاں کی ولایت ہے، یہ کیسی بزرگی ہے، یہ کس طرح کا تصوف ہے؟ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو ان میں سے کوئی بات ایسی نہیں جسے یوں تنقید اور تشنیع کے اڑنگے پر رکھا جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ صوفیا سراپا احتجاج تھے، معاشرے کی بے انصافی پر، لوگوں کی بے حسی پر، حکمرانوں کی کوتاہیوں پر اور دولت مند لوگوں

marfat.com

کو. معاشرے اور حکمرانوں کو دعوت دے رہے تھے کہ ہمیں سادھو اور رہبان بن کر گھر بار چھوڑ دینے کا طعنہ دینے والو، ہزاروں، لاکھوں لوگ ہیں جو بے گھر ہیں اور کھلے آسمان کے نیچے گرمیوں میں پگھل اور سردیوں میں ٹھٹھر گئے ہیں، انہیں تم نے چھتیں مہیا کر دی ہیں کہ ہماری فکر تمہیں لاحق ہو گئی ہے؟ بھوکے پیاسے رہ کر خدا کی ناشکری کا الزام دینے والو! لاکھوں حلق خشک اور پیٹ خالی ہیں جو پانی کے گھونٹ اور روٹی کے لقمہ کو ترس گئے ہیں۔ کیا انہیں آب و دانہ مہیا کر دیا گیا ہے کہ ہم موردِ الزام ٹھہرائے جائیں؟ ہمارے خرقہ پوشں بننے پر چیں بر جبیں ہونے والو. لاکھوں ننگے بدن پیرہن طلب ہیں، انہیں ڈھانپنا مل گیا ہے کہ ہماری خرقہ پوشی تمہیں کھٹک رہی ہے؟

کاش لوگ ان مجاذیب اور صوفیا کے دلوں کی تپش اور روح کی لرزش کو دیکھ سکتے؛ تو سمجھ پاتے، صوفیا نے کہہ کر یا لکھ کر نہیں بتایا، کر کے دکھایا اور زندگیاں بدل دیں۔ صوفیا کا دُنیا پر احسان ہے کہ انہوں نے لمبا موڑ کاٹ کر منزل پر پہنچانے کے بجائے سیدھا راستہ اختیار کر کے مسافت کو کم کر دیا ورنہ ہو سکتا تھا کہ کچھ لوگ کارواں سے بچھڑ جاتے، بعض راستے کی بھول بھلیوں میں گم ہو جاتے اور بعض کہیں اتھاہ کھڈوں میں لڑھک جاتے۔ یہ بات دیکھ کر صوفیا کے بارے میں یقین ہو جاتا ہے کہ انبیاء کرام کی جانشینی کے مستحق اگر ہیں تو یہی صوفیاء کرام۔ کیونکہ انبیاء کرام نے بھی تو انسان کی محنت کو کم کر دیا ہے"۔

اسی طرح کے طرزِ استدلال اور تجزیاتی انداز نے کتاب کو دلچسپ اور اپنے موضوع کی مناسبت سے انتہائی وقیع بنا دیا ہے۔

(۳) فاضل مصنف چونکہ خود بھی دین کا گہرا شعور اور شریعت کی پاسداری کا وافر جذبہ رکھتے ہیں اس لیے انہوں نے کھلے ذہن کے ساتھ تصوف میں در آنے والی خرافات کی تردید کی ہے اور اجل صوفیا کے حوالے سے تصوف کی صحیح تصویر پیش کی ہے۔

(۴) "روحِ تصوف" میں تصوف کی اُمہات کتب کے تفصیلی تعارف کے علاوہ فقراء

marfat.com

توکل، قناعت وغیرہ ایسے عنوانات کے تحت قاری کی ذہنی تربیت کا مواد ملتا ہے۔
بلاشبہ یہ کتاب تصوف کے بارے میں پیدا شدہ غلط فہمیوں کے ازالے کی ایک کامیاب کوشش ہی نہیں، دعوت وتبلیغ کے نقطۂ نظر سے بھی ہر طرح سے افادیت کی حامل ہے۔

(۵) مصنف کا خطاب چونکہ مسائل کے مارے ہوئے عام انسانوں سے ہے۔ اس لیے انہوں نے کتبِ تصوف سے عبارتیں نقل کرتے ہوئے عربی، فارسی کے اصل متن کے بجائے صرف اردو ترجمے پر اکتفا کیا ہے جو تحقیقی نقطۂ نظر سے تو یقیناً محل نظر ہے لیکن دعوت وتبلیغ کے نبوی انداز سے انتہائی قریب ہے۔ مقصد اپنے علم وقابلیت کا اظہار نہیں بلکہ سلیم الطبع قارئین کو نظامِ خانقاہی اور تصوف سے روشناس کرانا ہے۔

(۶) "روح تصوف" میں زبان وبیان کی نزاکتوں کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے جو بجائے خود لائقِ تحسین امر ہے۔

ان خوبیوں کے پیش نظر یقین کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ عزیز محترم سید خورشید احمد گیلانی کی یہ علمی کاوش علمی اور دینی حلقوں سے خراج تحسین حاصل کرے گی۔
فرید بک سٹال کے کارپردازان مبارک باد کے مستحق ہیں جن کی بہترین کوششوں کے طفیل "روحِ تصوف" خوش ذوق قارئین کے ہاتھ پہنچ رہی ہے۔

شکارپور (راجن پور) ضلع ڈیرہ غازی خان

رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ

سید ارشاد احمد عارف

مدیر سہ ماہی "العارف" لاہور

marfat.com

رُوحِ تصوّف

غلط فہمیوں کے ماحول میں کسی چیز کا اپنے اصل روپ میں سامنے آنا کسی قدر مشکل ہے اور جب تک گرد کی جمی تہیں الگ کر کے اصل مآخذ کا مطالعہ نہ کیا جائے حقیقت کیونکر واضح ہو سکتی ہے، اس کا احساس تصوّف کے بارے میں غلط العوام تاثر کا جائزہ لیتے ہوئے ہوتا ہے، تصوف کی غلط تعبیر، خود ساختہ تشریح اور من پسند توجیہہ سے غلطیہائے مضامین کا در وا ہوا اگر نام نہاد صوفیا کا طرزِ عمل اونٹ کی کمر پر آخری تنکا ثابت ہوا، ورنہ رنگین شیشوں والی عینک کے بغیر تصوف کا مطالعہ کیا جائے تو آج کے مروجہ اور مبینہ تصوّف سے اصل تصوّف نہ صرف الگ نظر آتا ہے۔ بلکہ کسی قسم کا ابہام نہیں رہتا. کہاں وہ تصوّف اور کہاں یہ رسم و رواج، ہر گروہ میں کالی بھیڑیں ہوتی ہیں. تصوف کا ادارہ بھی اس سے محفوظ نہ رہا، مگر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ذرا سی کوتاہی پر سب کچھ قابلِ تنسیخ قرار دے دیا جائے، تنقید کی سان جتنی تیز ہو، پھر بھی اس قدر بے رحمی سراسر زیادتی ہے کہ درست اور نادرست میں تمیز ہی اٹھ جائے۔

ظاہر اور باطن کی اصطلاح سے ہر فرد واقف ہے، تعلیم اور تزکیہ کو بھی جو فرائضِ نبوت میں سے ہیں. ہر شخص جانتا ہے. بس اسی تزکیے اور تصوف کا نام باطن ہے. جس طرح دیگر علوم و فنون مثلاً صرف، نحو، فقہ، منطق، فلسفہ اور معانی کا نام رکھنے سے ان کا شریعت سے متغائر اور متصادم ہونا لازم نہیں آتا بلکہ اُسے علم کی ذیلی شاخیں کہا جاتا ہے۔

marfat.com

اسی طرح تصوف کو ایک مستقل ادارے اور باضابطہ تحریک کا نام دینے سے بھی شریعت سے علیحدگی اور تضاد ثابت نہیں ہوتا۔ بعض باتیں اعضا اور جوارح سے تعلق رکھتی ہیں اور بعض دل اور روح سے، دل اور روح سے متعلق امور کو تصوف کہا جاتا ہے یہ کوئی ایسی خطرناک بات نہیں جس پر شعلہ پا ہوا جائے۔ بعض احکام ظاہر سے متعلق ہوتے ہیں۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ یا مثلاً نکاح، طلاق، بیع و شرا، حقوق الزوجین، قرضہ، رہن، لین دین، پیروی مقدمات، شہادت، وصیت، تقسیم ترکہ، اور جیسے سلام و کلام، قعود و قیام، طعام و منام، مہمانی و میزبانی وغیرہ ان مسائل کو فقہ کہتے ہیں اور کچھ احکام باطن سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے خدا سے محبت رکھنا کہ خالص دل کا معاملہ ہے، خدا سے ڈرنا، دُنیا سے کم رغبتی، خدا کی مشیت پر راضی رہنا، حرص نہ کرنا، دین کے کاموں کو اخلاص سے کرنا، کسی کو حقیر نہ سمجھنا، خود پسند نہ ہونا، غصہ کو ضبط کرنا وغیرہم ان اخلاق کو سلوک یعنی تصوف کہتے ہیں، بس یہ ہے تصوف جو ہدفِ تنقید بنا ہوا ہے اور اُسے ہوّا بنا دیا گیا ہے، آج دنیا جن معاشرتی اور معاشی مسائل میں الجھی ہوئی ہے اور ہزاروں، لاکھوں صفحات اس کے حل کے لیے سیاہ اور بیش قیمت ذہنی و عملی قوت صرف کی جا رہی ہے۔ اسے دو باتوں کا علم ہو جائے اور تباہی کے کنارے پہنچی دُنیا امن و عافیت کا سانس لے اور یہی دو باتیں تصوف کا اصل الاصول ہیں۔ ۱: خدا کا خوف اور دنیا سے بے رغبتی خدا کے خوف سے یہ فائدہ کہ ہر شخص میں جواب دہی کا احساس زندہ و موجود رہتا ہے اور دنیا سے بے رغبتی کا حاصل یہ کہ انسان کے اندر حرص، طمع، فساد اور ہوس کے جذبات سرد پڑ جاتے ہیں جو تمام معاشرتی اور معاشی مشکلات کا باعث ہیں۔

تصوف ___ مسائل کا حل

تصوف نے یہ علاج ان مسائل کی صحیح تشخیص کے بعد تجویز کیا ہے، تصوف کا دعویٰ ہے کہ خدا سے بے خوفی نے معاشرتی مشکلات کو جنم دیا ہے مثلاً جھوٹ، غداری، قتل،

marfat.com

فساد، بدامنی، قانون شکنی اور ظلم وغیرہم اور دنیا کی رغبت نے معاشی مسائل پیدا کیے ہیں مثلاً ہوس زر، ذخیرہ اندوزی، چور بازاری، حبِّ جاہ، سرمایہ پرستی، شکم پروری اور نفس پرستی وغیرہم آج مدبرین عالم اکیڈمیاں قائم کرنے، کمیٹیاں بنانے، مجلسیں بٹھانے اجلاس بلانے، تحقیق کرنے، فلسفے مرتب کرنے، طریق کار تجویز کرنے اور لائحہ عمل تیار کرنے کے بجائے ان دو باتوں کو اپنی روح کے ساتھ عام کر دیں تو یہ مسائل اپنی موت آپ مر جائیں تصوف کی جن خانقاہوں نے غریبوں کو نفیس ولطیف دستر خوان پر بٹھایا اور امیروں کو روکھی روٹی اور سوکھی دال سے آشنا کیا اور دونوں کے دلوں سے ایک دوسرے کی کدورت ونفرت اور از خود تجویز کردہ معاشی ومعاشرتی بُعد کا خاتمہ کر دیا، کیا آج وہی تصوّف کمیونزم کا مقابلہ نہیں کر سکتا؟ تصوّف کے جن اولرزدل نے ہوا وہوس کے بندوں کو ایک خدا کی بندگی پر لگا دیا، آج وہ وطنیت اور قومیت کے بُت نہیں توڑ سکتا اور خدا سے رشتہ نہیں جوڑ سکتا؟ اخلاق سے تہی دست دنیا آج بھی تصوف کو اس کی صحیح رُوح کے ساتھ اپنائے تو اس کے جملہ اخلاقی مسائل چٹکیوں میں حل ہو سکتے ہیں، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ تصوّف کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کر کے اس سے مزاج کی نسبت پیدا کی جائے، یہ الگ بات ہے کہ تصوّف اپنے دورِ انحطاط میں اتنا کچھ بدل گیا ہے کہ پہچانا نہیں جاتا، کسی صاحبِ دل کے صحیح تر الفاظ میں:-

"تصوف حال تھا لیکن اپنے دورِ انحطاط میں بُرا حال بن گیا وہ احتساب تھا لیکن اب اُس نے اکتساب کی صُورت اختیار کر لی، وہ استتار (یعنی پردہ) تھا لیکن اب وہ اشتہار نظر آنے لگا، پہلے وہ صدور کی عمارت تھا اب وہ غرور کا مرکز بن گیا، پہلے وہ تقشّف تھا اب تکلّف کا جامہ اس نے پہن لیا، پہلے وہ تخلّق تھا اب وہ تملّق بن گیا، پہلے وہ قناعت

تھا اب اس نے حرص کا روپ دھار لیا۔"

تصوّف کے ادارے دراصل اس وقت وجود میں آئے۔ جب علم علماء کے ذہنی تعیش کا ذریعہ اور وعظ و نصیحت کے بجائے دوسرے کو نیچا دکھانے کا ہتھیار بن گیا تھا۔ الفاظ و حروف تھے۔ مگر مفہوم و معنی سے یکسر خالی، عبّاد زہاد اور اد و وظائف میں تو مشغول تھے۔ لیکن ان کی روح سے ناآشنا، حکمرانی کا ڈھانچہ اسلامی کہلاتا تھا، مگر دنیا کی رغبت اور حبِّ جاہ نے قوانین کو بازیچۂ اطفال اور حکومتی اداروں کو کھوکھلا کر دیا تھا، قال اقول کی فضائیں اور حق ہو کی صدائیں نہ کسی کے ذہن کا زنگ اتارتیں اور نہ کسی کے سازِ دل کے تار ہلاتیں۔ تصوف نے آکر اس روح کو بیدار کرنے پر زور دیا جو علم کو بامقصد، زہد کو نتیجہ خیز، حکومت کو خادمِ خلق اور تعلیم و تدریس کو سرگرم بنا دے، کہا جاتا ہے کہ تختِ سلطنت نا اہلوں کے ہاتھوں میں رہا مگر صوفیاء مراقبوں میں مست رہے اٹھ کر ٹوکا نہیں، تحریک کیوں نہیں چلائی، لوگوں کو اکسایا کیوں نہیں؟ جذبات کو بھڑکایا کس لیے نہیں؟ یہ ساری باتیں بجا، مگر ان کا حاصل کیا؟ یہی نا کہ ایک ہٹتا دوسرا بیٹھتا، نام بدل گیا کام وہی رہا۔ انہوں نے سوچا کانٹا ہی کیوں نہ بدل دیا جائے جو صحیح طریقہ ہے گاڑی کو صحیح پٹڑی پر ڈالنے کا! اس وقت حکومت کے نظام میں باقاعدہ شوریٰ ہوتی تھی، عدلیہ کا وجود قائم تھا، قاضی اور منصف ہوتے، محاصل کا منظم ادارہ تھا سب کچھ تھا۔ نہیں تھا تو خدا کا خوف اور جوابدہی کا احساس نہیں تھا۔ جو جڑ ہے تمام اخلاقِ حسنہ اور اعمالِ صادقہ کی، یہ نہ ہو تو شکل خواہ کیسی بھی ہو نتیجے کے اعتبار سے صفر ہوتی ہے۔

عملی احتجاج

آج صوفیاء اور مجازیب کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے کہ بستے گھر چھوڑ کر جنگلوں میں جا بیٹھے، خدا کے دیے رزق سے منہ موڑ کر پتوں پر گذارا کیا۔ خدا کے عطا کردہ پہناوے کو لنگوٹی یا پیوند لگے، خرقے میں بدل دیا۔ خداداد صحت کو سخت ریاضت کر کے برباد کر ڈالا، اور کہتے کہتے تالو خشک ہو جاتے

marfat.com

ہیں کہ یہ کہاں کی ولایت ہے! یہ کیسی بزرگی ہے؟ یہ کس طرح کا تصوف ہے بھلا اگر غور کیا جائے تو ان میں سے کوئی بات ایسی نہیں جسے یوں تنقید اور تشنیع کے ارنگے پر رکھا جائے، اصل بات یہ ہے کہ صوفیاء سراپا احتجاج تھے، معاشرے کی بے انصافی پر، لوگوں کی بے حسی پر، حکمرانوں کی کوتاہی پر، اور وہ یوں لوگوں کو، معاشرے اور حکمرانوں کو دعوت دے رہے تھے کہ ہمیں سادھو اور رہبان بن کر گھر بار چھوڑ دینے کا طعنہ دینے والو، ہزاروں، لاکھوں لوگ ہیں جو بے گھر ہیں اور کھلے آسمان کے نیچے گرمیوں میں پگھل اور سردیوں میں ٹھٹھر گئے ہیں۔ انہیں تم نے چھتیں مہیا کر دی ہیں کہ ہماری فکر تمہیں لاحق ہو گئی ہے؟ بھوکے پیاسے رہ کر خدا کی ناشکری کا الزام دینے والو، لاکھوں حلق خشک اور لاکھوں پیٹ خالی ہیں جو پانی کے گھونٹ اور روٹی کے لقمے کو ترس گئے ہیں، کیا انہیں آب و دانہ مہیا کر دیا گیا ہے کہ ہم مورد الزام ٹھہرائے جائیں؛ ہمارے خرقہ پوش بننے پر چیں بجبیں ہونے والو لاکھوں ننگے بدن پیرہن طلب ہیں۔ انہیں ڈھانپا گیا ہے کہ ہماری خرقہ پوشی تمہیں کھٹک رہی ہے؟ کاش لوگ ان مجاذیب و صوفیاء کے دلوں کی تپش اور روحوں کی لرزش دیکھ سکتے، سمجھ پاتے، صوفیاء نے کہہ کر یا لکھ کر نہیں بتایا کر کے دکھایا اور زندگیاں بدل دیں، صوفیا کا دنیا پر احسان ہے کہ انہوں نے لمبا موڑ کاٹ کر منزل پر پہنچانے کے بجائے سیدھا راستہ اختیار کر کے مسافت کو کم کر دیا وگرنہ ہو سکتا تھا کچھ لوگ کارواں سے بچھڑ جاتے، کچھ تھک ہار کر بیٹھ جاتے، بعض راستے کی بھول بھلیوں میں گم ہو جاتے اور بعض کہیں اتھاہ کھڈوں میں لڑھک جاتے، یہ بات دیکھ کر صوفیاء کے بارے میں یقین ہو جاتا ہے کہ انبیاء کی جانشینی کا اگر کوئی مستحق ہو سکتا تھا تو یہی صوفیاء تھے کیونکہ انبیاء نے بھی تو انسان کی محنت کو کم کر دیا ہے، ڈھانچہ پڑا تھا صوفیاء نے روح پھونک دی، جسم موجود تھا صوفیاء نے جان ڈال دی اور وہ دہیں سے چلنے کے قابل بن گیا۔ کون کہتا ہے۔ صوفیاء دنیا کے ہنگاموں اور زندگی کی سرگرمیوں

marfat.com

سے دور تھے؟ کس نے کہا ہے کہ صوفیاء نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد کی تعلیم نہیں دیتے تھے؟ کون کہہ سکتا ہے کہ صوفیاء نے تعلیم و تعلم کو خیرباد کہہ دیا؟ ہاں البتہ وہ دنیا کو سلجھانے میں سرگرم تھے مگر الجھنے کے لیے تیار نہ تھے۔ مرغابی کی طرح غوطے تو کھاتے تھے مگر بال و پر آلودہ کرنے پر آمادہ نہ تھے، اُن کے ہاں بھی نماز تھی، روزہ تھا، حج تھا، زکوٰۃ تھی، اور جہاد تھا۔ مگر وہ پانچ وقت کی نماز کے ساتھ ساتھ پوری زندگی کو نماز بنانے کا داعیہ رکھتے تھے وہ صرف پانچ وقت خدا کے ہاں حاضر ہونے پر ہی نہیں ہمہ وقت خدا کے ہاں حاضری پر زور دیتے تھے، وہ منہ کا رُخ کعبہ کی جانب موڑنا کافی نہ سمجھتے تھے جب تک دل ربِ کعبہ کے آگے نہ جھک جاتا، وہ الفاظ کی ادائیگی کو ضروری جانتے تھے لیکن معانی کو دل میں اتارنا اس سے بھی زیادہ ضروری سمجھتے تھے، روزہ اُن کے ہاں بھی تھا مگر صرف یہ نہیں کہ پیٹ کو روٹی اور پانی سے خالی رکھا جائے بلکہ دل کو اوہام و خرافات سے بھی خالی رکھنا ضروری تھا، وہ صرف دن بھر منہ پر تالا لگانا لازمی نہ سمجھتے بلکہ ہر وہ سوتا بند کر دیتے جہاں سے شیطان کچھ بھی داخل کر سکے۔ وہ ایسے روزے کو کوئی اہمیت نہ دیتے جس کا نتیجہ ضبطِ نفس کی صورت میں نہ نکلے وہ ایسی بھوک پیاس کو پسند نہ کرتے جو کسی بھوکے پیاسے کی بھوک پیاس کا احساس پیدا نہ کرے، وہ صرف پیٹ کے روزے کے قائل نہ تھے، وہ زبان، آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں اور دماغ کا بھی روزہ رکھتے تھے، زکوٰۃ کو بھی وہ فرض جانتے تھے مگر ڈھائی فیصد پر ہی قناعت نہ کر بیٹھتے اُن کے ہاں سب کچھ دے دینا زکوٰۃ تھا اور پھر یہ کہ تجوری سے سکوں کا نکال دینا ہی اصل زکوٰۃ نہ سمجھی جاتی، جب تک دل کے نہاں خانوں سے حبِ مال و زر کو دیس نکالا نہ مل جاتا، زکوٰۃ سے مال پاکیزہ ہوتا ہے وہ دل کی پاکیزگی کو اس سے کہیں زیادہ اہم سمجھتے حج کے لیے وہ بھی جاتے، مگر مقصود صرف کعبہ کا دیدار نہ ہوتا بلکہ ربِ کعبہ کی ملاقات کو اولیت دیتے، کعبے کے کوٹھے کا طواف ہی کافی نہ سمجھتے وہ تو خدا کے حکم پر پروانہ وار

marfat.com

جھومنے کو رُوحِ حج سمجھتے تھے، منیٰ میں مینڈھے کی قربانی سے آگاہ تھے لیکن نفسِ لئیم کا ذبح کرنا اُن کے نزدیک فرضِ اوّلین تھا، عرفات میں جسموں کے اجتماع کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے رُوحانی اور قلبی ملاپ کے وہ علمبردار تھے، جہاد کا مفہوم وہ جانتے تھے مگر صرف اتنا ہی نہیں کہ میدانِ جنگ میں تلوار سے لڑا جائے بلکہ وہ تو نفس اور شیطان کے ساتھ جہاد کو "جہادِ اکبر" کا نام دیتے تھے وہ جہاد کو مانتے اور جانتے ہوئے بھی خواہشِ نفس سے لڑنے کو جہاد کی معراج کہتے تھے۔

علم، سوزِ دماغ یا سوزِ جگر

صوفیاء کے ہاں تعلیم و تعلّم کا چرچا رہا ہے، لیکن وہ علم کو یقین کے معنوں میں لیتے تھے، ان کے ہاں "سوزِ دماغ" اور "سوزِ جگر" میں واضح فرق تھا۔ وہ علم سے صرف دماغ ہی نہیں جلاتے بلکہ اپنا سراغ پاتے تھے، انہوں نے علم کو الفاظ کی شعبدہ بازی ہرگز نہ بننے دیا، وہ علم کو تن پر مارنے کی بجائے من پر مارنے کو مقدم جانتے تھے، اُن کے ہاں صرف ہدایہ کی عبارت خوانی کافی نہ تھی۔ "ہدایت" اصل مقصد تھا، "وقایہ" کی ورق گردانی سے کہیں اہم "تقویٰ" تھا، وہ کنز، قدوری کی بھول بھلیوں میں گم ہونے کے بجائے "کتابِ دل" پڑھنے پر زور دیتے تھے۔ وہ علم کے تحمل ہونے کے قائل تھے مگر یقین کے بغیر اسے نِرے رطب گردانتے تھے، انہیں علم کے "یار" اور "مار" ہونے سے پوری واقفیت تھی، علم کے "حجۃ اللہ علیٰ ابن آدم" سے مکمل باخبر تھے۔ ان کا عقیدہ علم کے منزل نہیں چراغِ راہ ہونے پر تھا۔ وہ "مکتب کی کرامت" کے قائل ہوتے ہوئے بھی "فیضانِ نظر" کی طرف مائل رہے، الغرض زندگی کے ہر شعبے سے صوفیاء کو تعلق رہا، دلچسپی رہی، مگر دل کو پھنسنے نہ دیا پھنسنے نہ دیا۔ وہ دنیا میں شاغل ضرور رہے، لیکن ربّ سے غافل نہ ہو سکے، مخلوق کی جانب مائل تو رہے، مگر اللہ کے ساتھ واصل بھی رہے۔ بس یہ تھا ان کا ترک، تجرد اور انقطاع، اگر یہ سب کچھ خلافِ شرع ہے تو بتایا جائے کہ دین کی روح کیا ہے۔؟

marfat.com

تصوّف کیا بن گیا ہے" سے پہلے "تصوف کیا تھا" کو جان لیا جائے تو بہتر ہے۔
ہم ان اوراق میں بس اسی ایک بات کو بیان کرتے ہیں، اپنی طرف سے کچھ بھی نہ ہوگا بیان ہوگا ان صوفیا، کا جنہیں تصوف کے "امام" کا منصب حاصل ہے اور حوالہ ہوگا، ان کتابوں کا جو تصوّف کی "امہات کتب" کہلاتی ہیں، لیکن سب سے پہلے ہم اس حدیث کی تشریح کریں گے جو "حدیث جبریل یا حدیث احسان" کے نام سے مشہور ہے۔ شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کے الفاظ میں۔ اس حدیث میں جناب جبریلؑ نے ایک اعرابی کی شکل میں صحابہ کرامؓ کی تفہیم و تعلیم کے لیے بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر اسلام، ایمان اور احسان کے بارے میں استفسار کیا تھا، اس حدیث کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے، اشعۃ اللمعات میں شیخ فرماتے ہیں:۔

"جان لو کہ دین اور اس کے کمال کی بنیاد فقہ، کلام اور تصوف پر ہے۔ اس حدیث نے ان تینوں مقاموں کا بیان کر دیا، اسلام کا یہ اشارہ فقہ کی طرف ہے جو اعمال و احکامِ شرعیہ کے بیان کا متکفّل ہے اور ایمان، یہ اشارہ اعتقادات کی طرف ہے جو کہ علمِ اصول (کلام) کے مسائل ہیں اور احسان اشارہ اصلِ تصوّف کی طرف ہے۔ جس سے مراد خدا کی طرف صدق توجہ ہے، تصوّف کے تمام معانی جن کی طرف تمام مشائخ طریقت نے اشارہ کیا ہے اسی معنی کی طرف راجع ہیں، فقہ، کلام اور تصوف لازم و ملزوم ہیں، کہ ایک دوسرے کے بغیر ان میں سے کوئی کامل نہیں ہوتا کیونکہ فقہ بغیر تصوّف کے اور تصوّف بغیر فقہ کے صورت پذیر نہیں ہوتا اس لیے کہ کلام الٰہی بغیر فقہ کے پہچانا نہیں جاتا اور فقہ بغیر تصوّف کے کامل نہیں کیونکہ عمل بغیر صدقِ توجہ کے تمام کامل نہیں ہوتا اور یہ دونوں بغیر ایمان کے صحیح نہیں ہوتے جس طرح کہ روح و جسم ایک دوسرے کے بغیر وجود و کمال انتیاً

marfat.com

نہیں کرتے اسی واسطے امام مالکؒ نے فرمایا "جو شخص صوفی بنا اور فقیہ نہ ہوا وہ زندیق ہو گیا" اور جو فقیہ بنا اور صوفی نہ ہوا، وہ فاسق ہو گیا اور جو دونوں کا جامع ہو وہ بے شک محقق بن گیا۔ کمال جامعیت یہی ہے"۔

تصوف کیا ہے؟ یہی کچھ ہے جو اوپر بیان ہوا نہ اس سے زیادہ نہ کم اور کسی شخص کو تصوف کی اس تشریح و تعبیر پر کوئی اعتراض کیوں کر ہو سکتا ہے؟ تشریح و تعبیر کرنے والا "مرج البحرین" شخصیت کا حامل ہے۔ یعنی علوم عقلیہ و نقلیہ کا جامع ہے اور حسنِ اتفاق کہ کتاب "مرج البحرین" کا مصنف بھی ہے، لطف بر آں یہ کہ شیخ محقق تصوف کے اصولی وکیل اور شارع نہیں بلکہ اس میدان کے مرد ہیں، انہوں نے تصوف کو پڑھ کر یا کناروں سے دیکھ کر ہی نہیں پرکھا، بلکہ اس میں غوطہ زن ہو کر جانچا اور اپنی رائے پیش کی جو اوپر نقل کی گئی ہے یہی بات ان کے معاصر اور برصغیر پاک و ہند کی قد آور روحانی و سیاسی شخصیت شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانیؒ نے بھی اپنے الفاظ میں پیش کی ہے شیخ مجددؒ بھی شیخ محقق کی طرح تصوف کے رمز آشنا اور ادا شناس تھے شیخ مجددؒ اپنے ایک رسالے "حقیقتِ تصوف" کی تمہید میں لکھتے ہیں۔

"شریعت کے اندر جن اعمال کے کرنے اور جن کے نہ کرنے کا حکم ہے وہ دو قسم کے ہیں بعض کا تعلق ظاہر بدن یا ظاہری چیزوں سے ہے، جیسے کلمہ پڑھنا، نماز روزہ، حج اور زکوٰۃ، والدین کی خدمت وغیرہم انکو مامورات کہتے ہیں اور کلماتِ کفر کہنا، شرک کے افعال کرنا، زنا، چوری، سود، رشوت، وغیرہ ان کو منہیات کہتے ہیں، بعض اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق باطن سے ہے، جیسے ایمان و تصدیق، عقائدِ حقہ، صبر و شکر، توکل رضا، اخلاص محبتِ خدا و رسول ان کو مامورات و فضائل اور عقائدِ باطلہ، بے صبری، ناشکری، ریا و عجب، تکبر، یہ مناہی و رذائل ہیں، جس طرح قرآن میں

marfat.com

اقیموا الصلوٰۃ اور آتوا الزکوٰۃ موجود ہے۔ اسی طرح یاایھا الذین آمنوا، اصبروا اور واشکروا ﷲ بھی موجود ہے۔ اگر ایک مقام پر کُتب علیکم الصیام اور و ﷲ علی الناس حج البیت پاؤ گے تو دوسرے مقام میں یحبھم و یحبونہ اور والذین آمنوا اشد حبا ﷲ بھی پاؤ گے جہاں قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ ہے اس کے ساتھ یراؤن الناس بھی ہے۔ اگر ایک مقام پر تارکِ نماز و زکوٰۃ کی مذمت ہے تو وہاں تکبر و عجب کی برائی بھی ہے۔ اسی طرح احادیث کو دیکھو جس طرح ان میں ابواب نماز، روزہ، بیع و شرا، اور نکاح و طلاق پاؤ گے، اسی طرح ابواب ریاو کبر کو بھی دیکھو گے، اس بات سے کون مسلمان انکار کر سکتا ہے کہ جس طرح اعمال ظاہرہ حکم خداوندی ہیں اسی طرح اعمال باطنہ بھی حکم الٰہی ہیں کیا اقیموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ امر کا صیغہ ہے تو اصبروا واشکروا امر کا صیغہ نہیں، بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ظاہر احکام سب ہی باطن کی اصلاح کے لیے ہیں،

آپ نے ملاحظہ فرمایا بس یہی وہ تصوّف ہے جس کے بارے میں نہ جانے کیا کیا کہا اور لکھا جاتا ہے کہیں اسے رہبانیت ثابت کیا جاتا ہے اور کہیں اس کا رشتہ سادھوؤں سے جوڑا جاتا ہے۔ کبھی اُسے شریعت کا متوازی نظام بنایا جاتا اور کبھی ہندی اور یونانی فلسفے کا چربہ کہا جاتا ہے کچھ لوگ اسے زندگی گریز ادارہ اور کچھ مذہب گوسفنداں قرار دیتے ہیں، بعض کے نزدیک مسائل حیات سے چشم پوشی کا دوسرا نام تصوّف ہے اور بعض کے نزدیک یہ تصوّف یاسیت و قنوطیت کا علمبردار ہے کوئی اسے باطنیوں کا نمائندہ سمجھتا اور کوئی اشراقیوں اور مشائیوں کا ترجمان گردانتا ہے۔ حالانکہ "سادہ"

marfat.com

سی بات تھی" جسے اندیشۂ عجم" نے فقط "زیبِ داستان" کے لیے بڑھا دیا ہے، اوپر کے دو اقتباسات پڑھ کر تصوّف نہ شریعت سے متوازی نظام قرار پاتا ہے اور نہ زندگی گریز رجحان کا حامل نظر آتا ہے نہ اس میں باطنیت کی بُو ہے اور نہ اشراقیت کی کچھ بھی تو نہیں مگر انصاف کی نظر چاہیے۔

ممتاز مورّخ اور فلسفۂ عمرانیات کے بانی علامہ ابن خلدونؒ اپنے شہرہ آفاق "مقدمے" میں تصوّف کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"تصوف کے مقاصدِ اصلیہ یہ ہیں کہ انسان عبادت الٰہی میں جان کھپائے پوری طرح اللہ کا ہو جائے اور دنیا اور دنیا کی لغویات اور خرافات سے بالکل مُنہ موڑ لے، عام دنیا دار جن چیزوں پر مٹے پڑے ہیں یعنی لذاتِ دنیویہ اور حُبِّ مال و جاہ سے قطعی کنارہ کش ہو جائے عبادت کے لیے عزلت نشینی اور گوشہ نشینی پسند کرے۔"

فرمائیے، عبادتِ الٰہی میں جان کھپانا اور پوری زندگی کو عبودیت و بندگی کے قالب میں ڈھالنا شریعت کا مطالبہ نہیں اللہ کے لیے حنیف، یعنی یکسو ہونا امر خداوندی نہیں؟ دنیا اور دنیا کی لغویات سے کنارہ کشی اسوۂ نبوی نہیں؟ حبِّ جاہ و مال سے پاک رکھنا اور لذاتِ دینوی میں محو و مستغرق نہ ہونا فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں؟ عبادت کے لیے انہماک اور یکسوئی شریعت کا حکم نہیں؟ اللہ سے لَو لگانے اور تفکّر و اعتبار کیلئے خلوت کا اہتمام کرنا سنت نہیں؟ یہ سب کچھ ٹھیک ہے تو تصوف نے کیا غلط کیا اور کہاں ہے کہ موردِ الزام ٹھہر گیا ہے، اسے تو معمولی عقل والا آدمی بھی سمجھ لیتا ہے کہ نام بدلنے سے کام کی حقیقت نہیں بدلتی، مگر تصوّف کے بارے میں ایسا کیوں ہے؟

رہی یہ بات کہ تصوف و سلوک کے بارے میں کچھ لوگوں نے اپنے قول و عمل سے خلق گریزی، شعبدہ بازی اور اس طرح کی خرافات کا جو تصور دیا ہے وہ صحیح ہے

marfat.com

یا غلط ؛ تو ہمارے خیال میں بغیر سوچے سمجھے کسی ادارے یا تحریک سے کوئی توقع وابستہ کر لینا جس طرح علمی سوچ نہیں کہلا سکتی اسی طرح غلط قیاسات کے باعث اصل تحریک کے اصولوں کو نظر انداز کر دینا بھی دیانتِ علمی کے منافی ہے، جنہوں نے تصوّف کو امورِ غیب کے انکشاف کا ذریعہ سمجھا یا محض کشف و کرامات کا وسیلہ وہ بھی اور جنہوں نے غیر ثقہ نظریات اور عوام کے رجحانات کو بنیاد بنا کر تصوّف کی تردید و تغلیط کی، ہمارے نزدیک انہیں بھی ٹھوکر لگی ہے، تصوّف وسلوک کا خلاصہ کیا ہے ؟

مولانا اشرف علی تھانوی کہتے ہیں ،۔

۱۔ نہ اس میں کشف و کرامت ضروری ہے ۔

۲۔ نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے۔

۳۔ نہ دنیا کی کار برآری کا وعدہ ہے ۔

۴۔ نہ تصرفات لازم ہیں کہ پیر کی توجہ سے مرید کی از خود اصلاح ہو جائے ۔

۵۔ نہ ایسے باطنی کیفیات پیدا ہونے کی کوئی میعاد مقرر ہے کہ ہر وقت یا عبادت کے وقت لذت سے سرشار رہے، عبادت میں خطرات ہی نہ آئیں ۔

۶۔ نہ ذکر و شغل میں انوار و تجلیات کا نظر آنا یا کسی غیبی آواز کا سنائی دینا ضروری ہے۔

۷۔ نہ عمدہ عمدہ خوابوں کا نظر آنا اور الہامات کا صحیح ہونا لازمی ہے بلکہ اصل مقصود حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے جس کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پورے طور پر چلنا ہے"۔

تصوّف کیا ہے ؟

ان تشریحی اور توضیحی اقتباسات کے بعد ضروری ہے کہ قدیم صوفیاء اور ان کی عظیم تالیفات سے تصوّف اور صوفی کے بارے میں بیان کیے گئے خیالات و افکار کو بغیر کسی لاحقے اور سابقے کے پیش کر دیا جائے تاکہ حقیقت نفس الامری واضح ہو جائے۔ تصوّف ابتداء میں کیا تھا ؟ تصوّف کے پروان چڑھانے والے کن افکار کے حامل تھے ؟ ان کے نزدیک تصوّف کی تعریف کیا تھی ؟ وہ

marfat.com

کس چیز کو تصوف کی روح قرار دیتے تھے؟ یہ اور ایسی دوسری باتیں صوفیاء کی تحریکوں کے اقتباسات سے ہمارے سامنے آجائیں گی اور ہم تصوف کا صحیح تعارف حاصل کرسکیں گے۔

آسمان تصوف کے مہر منیر شیخ ابوالقاسم جنید بغدادیؒ جو سرخیل اولیاء ہونے کے ناطے "سید الطائفہ" کے عظیم الشان لقب سے ملقب ہیں، تصوف کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"تصوف مخلوق کی موافقت کرنے سے دل کو پاک رکھنا، بشری صفات (مذمومہ) سے علیحدگی اختیار کرنا، نفسانی خواہشات سے اجتناب کرنا، روحانی نفوس سے میل جول رکھنا، علومِ حقیقی سے تعلق رکھنا، ہر لحظہ ایسے کام بجالانا جو اولیٰ اور افضل ہوں تمام امتِ محمدیہ کی خیر خواہی کرنا حقیقی طور پر اللہ سے وفا کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی پیروی کرنا ہے۔"

شیخ جنید بغدادیؒ سے بھی پیشتر تصوف کے ممتاز رہنما اور مشہور صوفی شیخ عبداللہ تستریؒ مسلکِ تصوف کی تشریح یوں کرتے ہیں:۔

ہمارے مسلک کے اصول سات ہیں۔

۱۔ التمسک بکتاب اللہ تعالیٰ (کتاب اللہ سے مضبوط تعلق)،

۲۔ اقتداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (پیروی رسول صلی اللہ علیہ وسلم)،

۳۔ اکل الحلال (رزق حلال)

۴۔ کف الاذی (ایذا رسانی سے پرہیز)

۵۔ اجتناب الاثام (گناہوں سے بیزاری اور نفرت)،

۶۔ التوبہ (اللہ کی جانب رجوع)،

۷۔ اداء الحقوق (خدا اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی)،

marfat.com

اسی بات کو بعض صوفیاء نے دوسرے لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔

(۱) اداء الفرائض (فرائض کی ادائیگی اور حقوق کی رعایت)

(۲) اجتناب المحارم (خدا کی حدود کی پاسداری، منکرات سے پرہیز اور محرمات کی پابندی۔

(۳) قطع العلائق (دنیا اور اہل دنیا سے دل ہٹا کر خدا کے لیے یکسو ہو جانا، تمام رشتوں کو چھوڑ کر خدا سے رشتہ جوڑ لینا)

(۴) معانقۃ الفقر (آسائش کے بجائے آزمائش کی زندگی بسر کرنا، مصائب و آلام کا خوش دلی سے استقبال۔

(۵) ترک الطلب (دل کو آرزوؤں سے خالی کر لینا، امیدوں کو مختصر کرنا اور خدا کے علاوہ کسی سے حاجت برآری کی توقع نہ رکھنا)

(۶) انقطاع الی اللہ (سب سے کٹ کر خدا کا ہو جانا، اللہ کے لیے کٹنے اور جڑنے کا جذبہ پیدا کر لینا) تصوف کے چمن میں بکھرے رنگا رنگ پھولوں سے دامن سجاتے اور ان کی خوشبو سے شام جاں کو معطر کرتے اور رنگ و بو کی دنیا کی سیر فرماتے ہوئے آگے چلئے اور دیکھئے تصوف کیا ہے؟ اور صوفی کون ہے؟

کسی نے شیخ جنید بغدادیؒ سے پوچھا، تصوف کیا ہے؟ جواب میں فرمایا:۔

"حق تعالیٰ کے ساتھ پیوست ہو جانا، یہ کیفیت صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب نفس، روح کی قوت اور حق کے ساتھ قائم رہنے کی وجہ سے اسباب سے بے تعلق ہو چکا ہو"

شیخ ابو الحسین نوریؒ یوں گویا ہیں:۔

"تصوف کیا ہے؟ تمام خطوطِ نفس کا ترک کر دینا"۔

حضرت شیخ ابن عطاءؒ کا ارشاد ہے:۔

"حق تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار رہنے کا نام تصوف ہے"۔

marfat.com

شیخ ابو علی قزوینی فرماتے ہیں :۔

" التصوف ھو الاخلاق الرّضیہ (تصوّف اچھے اخلاق کو کہتے ہیں)"۔

تصوّف کی شہرہ آفاق کتاب "رسالہ قشیریہ" کے مؤلف امام ابوالقاسم القشیری کے خیالات ملاحظہ فرمائیے۔ (یاد رہے کہ یہ کتاب بقول مصنّف، تصوّف کے بارے میں پیدا شدہ غلط فہمیوں کے ازالے کی خاطر لکھی گئی تھی، امام نے اپنی بزم مختلف چراغوں سے سجائی ہے، اور مختلف بزرگوں کے اقوال تصوّف کے موضوع پر بڑی عمدگی سے ترتیب دے کر کتاب کو لوگوں کے سامنے گلدستے کی صورت میں پیش کی ہے :۔

شیخ ابو علی رودباریؒ لب کشا ہیں ۔

" تصوّف ، یہ مذہب ہمہ تن سنجیدگی ہے ، لہٰذا اس میں ہنسی اور مذاق کو نہ چلاؤ "۔

حضرت شیخ ابو محمد حریریؒ کا تبصرہ :۔

" یہ ہر اعلیٰ اخلاق میں داخل اور ہر ذلیل خلق سے نکلنے کا نام ہے "۔

حضرت شیخ محمد بن علی قصابؒ کا بصیرت افروز تجربہ ،

" تصوّف وہ کریمانہ اخلاق ہیں جو کریم زمانہ میں کریم آدمی سے کریم لوگوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے ہیں "۔

حضرت شیخ سمنونؒ کی فلسفہ آمیز رائے ،

" تصوّف کیا ہے ؟ تصوف یہ ہے کہ تو کسی چیز کا مالک نہ بنے اور نہ کوئی چیز تمہاری مالک بنے "۔

حضرت شیخ ابو بکر الکتانیؒ کا بے تکلف اظہارِ خیال ،

" تصوّف اخلاق حسنہ کا نام ہے ، جس کے اخلاق تم سے بہتر ہوں گے

marfat.com

وہ صوفی ہونے میں بھی تم سے بہتر ہوگا۔"

حضرت شیخ ابوعلی رودباریؒ کا محبت بھرا جملہ۔

"محبوب کے در پر ڈیرے ڈال دینے کا نام تصوّف ہے خواہ وہ دھکے ہی کیوں نہ دے۔"

انہی کا فرمانا ہے:۔

"خالی ہاتھ دل کی خوشی کا نام تصوّف ہے۔"

شیخ ابوالحسن مزینؒ کا فرمانا ہے۔

"حق تعالےٰ کی اطاعت کرنے کا نام تصوّف ہے۔"

الشیخ الاستاذ ابوسہل صعلوکیؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

"تصوف اللہ کی قضا پر اعتراض نہ کرنے کا نام ہے۔"

برصغیر پاک و ہند میں تشریف لانے والے قدیم صوفی بزرگ مایۂ ناز روحانی شخصیت اور عوامی محبت اور عقیدت کے بامِ بلند پر فائز مرشدِ کامل شیخ علی الہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب "کشف المحجوب" میں تصوف کے موضوع پر مختلف بزرگانِ دین اور اجل صوفیا کے اقوال کا انتخاب پیش فرماتے ہیں:۔

حضرت داتاؒ نے شیخ ابوالحسنؒ کا ایک قول نقل کیا ہے۔

"..... لیس التصوف رسوماً ولا علوماً ولکنہ الاخلاق (تصوف کسی خاص وضع قطع یا علمی سندات کا نام نہیں بلکہ اخلاقِ حسنہ کا نام ہے)۔"

حضرت شیخ ابوالحسین نوریؒ تصوّف کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں۔

"التصوف ہوالحریۃ، والفتوۃ وترک التکلّف والسخاء وبذل الدّنیا (تصوف دل کی آزادی، جواں ہمتی، رسمی تکلفات سے دستبرداری، سخاوت اور زر و مال سے بیزاری کا نام ہے)"

marfat.com

جناب داتاؒ خود تصوف کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

"دین کی اصل روح اور اس کی جان احکامِ الہٰی کی اخلاص ومحبت کے ساتھ پیروی ہے...... اور اسی کو ہم تصوف کہتے ہیں"۔

حضرت شیخ حصریؒ کا تصوف کے بارے میں کیا نقطۂ نظر ہے، ملاحظہ ہو،

"تصوف نام ہے ضمیر کو مخالفتِ حق سے محفوظ رکھنے اور اس کی جلا و نورانیت کو کدورت اوہام سے بچانے کا"۔

دنیائے تصوف کی جانی پہچانی شخصیت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نزدیک بھی تصوف کا وہی مفہوم ہے جو دیگر اربابِ تصوف کے ہاں ہے جسے ہم اقتباسات کی صورت میں پیش کر چکے ہیں، شیخ اپنی مختصر مگر جامع تالیف "فتوح الغیب" میں تصوف کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے۔ سخاوت ابراہیمؑ، رضائے اسحاقؑ، صبرِ ایوبؑ، مناجاتِ زکریاؑ، غربتِ یحییٰؑ، خرقہ پوشی موسیٰؑ، تجرد عیسیٰؑ اور فقرِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم"۔

یہاں تک تو ہم نے تصوف کے بارے میں صوفیاء کے نظریات وخیالات کا نچوڑ اور خلاصہ پیش کیا ہے جس سے کہیں بھی یہ مترشح نہیں ہوا کہ تصوف شریعت سے ہٹ کر کوئی نظام ہے، یا شریعت کے علاوہ کوئی بدعت ہے، بلکہ شریعت نے جو احکام واوامر قانون کی زبان میں صادر کیے ہیں۔ تصوف انہیں دل نشین اور مؤثر پیرائے میں پیش کر کے جذباتِ محبت ابھارتا اور اطاعت وانقیاد پر اکساتا ہے، ہم ایک بار پھر اس امر کا اعادہ کرتے ہیں کہ اس چیز کی باضابطہ طور پر منظم صورت میں قیام کی ضرورت نہ پڑتی اگر احکامِ شرع الفاظ وحروف کے بازیگروں کے ہاتھ کھلونا نہ بن چکے ہوتے اور یوں روحِ شرع نہ کچلی جا رہی ہوتی۔

marfat.com

اب ہم اس عنوان میں صوفیاء کے نزدیک صوفی کون ہے؟ کی تشریح کرتے ہیں، کیونکہ بعض نام نہاد اور لبادہ پوش لوگوں نے تصوف میں گھس کر خود تو اصلاح پذیر ہونے سے رہے الٹا تصوف اور طریق صوفیاء کو بدنام کر دیا، ایسی کالی بھیڑوں کی نشاندہی ہر زمانے میں ہوتی رہی اور ان سے اظہار برأت کیا جاتا رہا، تصوف کی چند بنیادی اور اصولی کتابوں کی وجہ تالیف ہی یہی ہے کہ نام نہاد صوفیوں کو بے نقاب اور تصوف کے بارے میں اُن کے ذریعے پیدا کردہ غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جائے، ان میں تعرّف، رسالہ قشیریہ، کشف المحجوب اور عوارف المعارف خاص طور پر قابل ذکر ہیں، امام ابوبکر محمد بن اسحاق نے بھی دھند صاف کرنے کی اپنے تئیں کوشش کی، امام ابوالقاسم القشیریؒ نے بھی قلم کی نوک سے غلط فہمیوں کی تہہ کھرچنے کی سعی فرمائی، حضرت داتاؒ نے بھی صدائے احتجاج بلند کی اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے بھی تصوف کے دامن پر سے داغ دھبوں کو دور فرمایا، الغرض ہر ایک نے آئینۂ تصوف کو گردِ سے پاک صاف کیا اور اس کا چہرہ نکھارا۔ حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ نام نہاد صوفیوں پر یوں برستے ہیں۔

"نام نہاد صوفی "طمع" کو "ارادہ" کہتے ہیں، سوءِ ادب" کا نام" اخلاص" رکھا ہے۔ حق سے خروج کو "شطح" کہتے ہیں اور مذموم چیزوں سے "تلذذ" کو "تطبیب" (اچھی چیزوں سے فائدہ اٹھانا) کہتے ہیں، خواہشاتِ نفس کی پیروی کو "ابتلاء" اور دنیا کی طرف رجوع کو "وصول" اور بدخلقی کو "صولت" "دبدبہ" اور بخل کو "شکادۃ" "احتیاط" اور بدزبانی کو "ملامت" کا نام دے رکھا ہے، حالانکہ یہ صوفیاء کا طریقہ نہیں"۔

اور اس کے مقابلے میں حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ کے نزدیک صوفیاء کے طریقے میں جو چیزیں شامل ہیں، اُن کے بارے میں ان کی تحریر سے ایک اقتباس پیشِ خدمت ہے، لکھتے ہیں:۔

marfat.com

"صوفیوں کے اخلاق میں علم، تواضع، نصیحت، شفقت، برداشت، موافقت، احسان، مدارات، ایثار، خدمت، الفت، بشاشت، فتوت (مردانگی)، کرم، بذل جاہ، تلطف، مروت، طلاقت، (کشادہ روئی) سکون، وقار، جملہ مسلمانوں اور بالخصوص جو اُن پر زیادتی کرے اس کے لیے دعائے خیر، ان کی تعریف کرنا، ان کے ساتھ حسن ظن رکھنا، اپنے آپ کو حقیر سمجھنا، بھائیوں کی توقیر کرنا، بڑوں کی تعظیم، چھوٹوں پر ترحم، جو کچھ کسی کو دے اگرچہ بہت ہو اس کو کم سمجھنا اور جو کچھ کسی سے لے اگرچہ وہ کم ہو اس کو زیادہ جاننا یہ سب باتیں داخل ہیں۔"

اب ہم بلاکم وکاست "صوفی" کے بارے میں صوفیاء کی آراء کا خلاصہ پیش کرتے ہیں، عام طور پر لوگ صوفی اُسے کہتے ہیں جس کی علامات یہ ہوں، سر تراشیدہ ہو، خرقہ پوش ہو، شکل وصورت سے مسکین ہو، ہاتھوں بالالتزام تسبیح رکھتا ہو، حق ہو کی ضربیں مارتا ہو، بیوی بچوں سے بے نیاز ہو، گھر بار سے پاک ہو، وغیرہم حالانکہ واقع میں ایسا نہیں، کیونکہ جس طرح کوئی شخص ٹیڑھی ٹوپی اوڑھ اور بگڑ کر بیٹھا ہو وہ سکندر نہیں ہو سکتا اسی طرح جو سر منڈا لے وہ قلندر نہیں بن جاتا۔ جس طرح سکندری کے کچھ تقاضے ہیں اسی طرح قلندری کے بھی کچھ مطالبے ہیں، اور اد و وظائف ہی سے اگر تصوف کے تقاضے پورے ہو جاتے تو آج دنیا کا بیشتر حصہ صوفی کہلانے کا مستحق ہوتا، صوفی کو ان کے علاوہ بھی بہت کچھ کرنا پڑتا ہے، جس کی تفصیل ہمیں تصوف کی مستند کتابوں میں ملتی ہے۔

سید الطائفہ شیخ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں۔

"صوفی کی مثال زمین کی سی ہے جسے نیک اور بدکار دونوں روندتے ہیں یا بادل کی سی ہے جو ہر چیز کو سیراب کرتا ہے"۔

marfat.com

شیخ حسین بن منصورؒ اس سے بھی کڑا معیار پیش کرتے ہیں۔

"صوفی کی ذات یکتا ہوتی ہے، نہ کوئی اللہ کے سوا اسے قبول کرتا ہے اور نہ یہ اللہ کے سوا کسی کو قبول کرتا ہے۔"

شیخ ابوالحسین نوریؒ کے الفاظ میں صوفی کی تعریف،

"صوفی کی تعریف یہ ہے کہ اسے محتاجی کے وقت سکون ہو اور اگر کچھ پاس ہو تو ایثار کر دے۔"

شیخ ابوبکر شبلیؒ کا تعارف کرانے کا انوکھا انداز۔"

"صوفیاء کرام حق تعالیٰ کی گود میں بچوں کی طرح ہوتے ہیں۔"

فکر انگیز لہجے میں شیخ ابوتراب بخشیؒ صوفی کی وضاحت یوں کرتے ہیں۔

"صوفی کے دل کو کوئی چیز میلا نہیں کر سکتی، مگر اس سے ہر چیز کو صفائی حاصل ہوتی ہے۔"

اس موضوع پر شیخ ابوالحسن سیروانیؒ نے الفاظ سے جادوگری کا کام لیا ہے اور الفاظ کو اس خوبصورتی سے ادا کیا ہے کہ ہار میں شاید موتی بھی اس خوبصورتی سے نہ پرو یا جا سکے، الفاظ کی بندش اور برجستگی بھی دیکھئے اور حقیقت افروز جملہ بھی پڑھیے۔

"صوفی واردات کے ساتھ ہوتا ہے اوراد کے ساتھ نہیں۔"

حضرت شیخ ابوبکر محمد بن اسحاقؒ نے اپنی کتاب "التعرف لمذہب اہل تصوف" میں صوفی کے بارے میں صوفیاء کرام کی آراء درج کی ہیں، کچھ اقوال روح کی تازگی اور دل کی بالیدگی کے لیے ملاحظہ فرمائیے۔

سب سے پہلے خود مولف کی رائے پیش کی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"جو نہ کسی چیز کا مالک ہو اور نہ کوئی اس کا مالک، بالفاظِ دیگر یہ کہ دنیوی حرص و طمع نے اسے اپنا غلام نہ بنا رکھا ہو۔"

marfat.com

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

"صوفی وہ ہے جو کسی چیز کا مالک نہ ہو اور اگر مالک بنے تو اُسے خرچ کر ڈالے"۔

حضرت ابو یعقوب سوسیؒ کی نظر میں صوفی کا کیا مقام ہے؟

"صوفی وہ ہے جو کسی چیز کے چھن جانے سے بے قرار نہ ہو اور نہ کسی چیز میں اپنے آپ کو تھکائے"۔

حضرت شیخ سہل بن عبداللہ تستریؒ سے دریافت کیا گیا۔ صوفی کون ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا۔

"جو ہر قسم کی میل کچیل سے پاک ہو، ہمہ تن غور و فکر ہو، مخلوق کو چھوڑ کر اللہ ہی کا ہو گیا ہو اور اس کے نزدیک سونے کی ڈلی اور مٹی کا ڈھیلا یکساں اہمیت رکھتا ہو"۔

حضرت داتاؒ، ذوالنون مصریؒ کی رائے کو نقل کرتے ہیں۔

"الصوفی اذا نطق بان نطقہ، عن الحقائق وان سکت، نطقت عنہ الجوارح بقطع العلائق (اس کی گفتگو حقیقت کی ترجمان ہو اور اس کی خاموشی عوائق و علائق دنیا سے بیزاری کی غماز ہو)"۔

ہمارا یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہے کہ تصوف اعلیٰ اخلاق اور صوفی کریم النفس افراد کا نام ہے اور بلند اخلاقی اور کریم نفسی اسلام کا لُب لباب اور عطر ہے، اسکی تفصیل آپ کو آئندہ صفحات میں ملے گی۔ فی الحال شیخ عبدالواحد بن زیدؒ کا قول ملاحظہ کیجیے، موصوف دوسری صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔

"صوفی وہ لوگ ہیں جو اپنی عقل کے ذریعے سنت نبوی اور تہ دل سے اس پر عمل کرتے ہیں"۔

marfat.com

شریعت اور طریقت

تصوّف اور صوفیاء پر منجملہ دیگر الزامات کے یہ الزام بھی بڑی شدت کے ساتھ عائد کیا جاتا ہے کہ اہل تصوّف کے ہاں شریعت اور طریقت میں ثنویت پائی جاتی ہے حلقۂ تصوّف میں زیادہ زور ظاہر کی نسبت باطن پر دیا جاتا ہے، گویا معترضین کے نزدیک ظاہر سے مراد شریعت اور باطن سے مراد طریقت ہے، حالانکہ بذات خود یہ مفروضہ ہی غلط ہے۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ متصوفین کے ہاں شرعی حدود وقیود کی مناسب پاسداری نہیں کی جاتی، بلکہ بعض حضرات تو یہ بھی کہہ ڈالتے ہیں کہ ان کے ہاں ایک وقت احکامِ شریعت موقوف ہوجاتے ہیں۔ اس الزام میں حقیقت ناشناسی اور مخصوص سوچ کا عنصر کارفرما ہے، ورنہ قدیم وجلیل صوفیاءِ کرام اور ان کی بلندپایہ تصانیف کے جائزے اور مطالعے سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ شریعت وطریقت میں تخالف وتضاد اور افضل ومفضول کی بحث توکجا ان میں کسی درجے کی تقسیم وتفریق کا شائبہ تک نہیں ملتا، جیساکہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا ہے:

"جوصوفی شریعت اور طریقت میں فرق کرے وہ صوفی نہیں بلکہ فرقۂ باطنیہ سے تعلق رکھتا ہے۔" [۱]

شیخ موصوف ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں:۔

"یہ خیال بڑا ہی ناپختہ ہے کہ ہم طریق تصوّف کو شریعت اور قرآن وسنت کے مخالف سمجھنے لگیں۔ حاشا وکلاّ ان دونوں چیزوں میں کوئی مغائرت

marfat.com

یا اختلاف نہیں ہے"۔ ؎۲

آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"یہ لوگ (صوفیاء کرام) کتاب وسنت کے عامل تھے اور شریعت و طریقت کی تمام ظاہری و باطنی حدود کا احترام کرتے تھے، انہوں نے کبھی ظاہری شریعت اور باطنی شریعت میں تغافل یا تساہل سے کام نہیں لیا"۔ ؎۳

یہ نظریہ محض شیخ محقق ؒ کا ہی نہیں، بلکہ تصوّف کی ہزاروں کتابوں کا ملخص اور نچوڑ یہی ہے بلکہ یہ تو ایوانِ تصوّف کا سنگِ بنیاد ہے۔ لاکھوں صفحات پر پھیلے تصوف کے لٹریچر کو کھنگال جائیے، سب کا لبِ لباب یہ الفاظ بنیں گے۔

"ہماری طریقت کی بنیادیں کتاب وسنّت پر ہیں، جو ان کی مخالفت کرتا ہے ہمارے نزدیک وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ہم اسے منکرِ احکام رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں اگر ذکر الہٰی، نماز، تلاوتِ قرآنِ پاک میں ذوق، حضوری قلب اور خشوع خضوع حاصل ہو۔ تو فتح الباب کی امید رکھنی چاہیے اگر یہ چیزیں حاصل نہیں تو کچھ بھی حاصل نہیں، جو شخص قرآن وحدیث پر غور نہیں کرتا اور علماء وفقہا کی صحبت سے دور رہتا ہے وہ بے ادب ہے اور تباہ و برباد ہو گا"۔ (ماخوذ از مرج البحرین)

اگر انصاف، علمی دیانت اور ذہنی تحفظ کے بغیر تصوف کی امہات کتب کا مطالعہ کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ ارباب طریقت کے ہاں شرعی حدود کی پابندی کا احساس اور جذبہ ملے گا۔ بلکہ شریعت تمام تر احوال و اعمال کا منبع و مصدر نظر آئے گی اور یہ تاثر اپنی پوری گہرائی کے ساتھ محسوس ہو گا کہ شرعی حدود و احکام کی پابندی کے بغیر کوئی شخص اپنے نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ کر ہی نہیں سکتا۔ حضرت ابوعثمان حیری ؒ تو یہاں

marfat.com

تک فرما چکے ہیں :۔

"اے میرے بیٹے! ظاہر میں سنت کے خلاف کرنا باطن میں ریاکاری کی علامت ہے"۔ ؎۴

صوفیاء کرام کے ہاں کمالات ولایت اور مدارج طریقت میں مچھلیوں کی طرح سمندر میں تیرنا اور پرندوں کی مانند فضاؤں میں اڑنا شامل نہیں۔ بلکہ خالصتاً قرآن و سنت کی تابعداری اور پیروی اصل و اساسِ ولایت ہے، اس ضمن میں شیخ بایزید بسطامیؒ کا قول دلیل قاطع کی حیثیت رکھتا ہے۔ فرماتے ہیں :۔

"اگر تم کسی آدمی کو دیکھو کہ اسے کرامات دی گئی ہیں یہاں تک کہ وہ ہوا میں اڑتا ہو پھر بھی تم اس سے دھوکا نہ کھانا یہاں تک کہ تم یہ نہ دیکھ لو کہ وہ اوامر و نواہی کی پابندی، حدود اللہ کی محافظت اور شریعت کی پاسداری میں کیسا ہے"۔ ؎۵

جس طریقت کی بنیاد شریعت پر نہیں ایسی طریقت کے بارے میں صوفیاء کرام کی کیا رائے ہے؟ ملاحظہ ہو شیخ ابو سعید خرازؒ کا ایک قول، جسے امام ابوالقاسم قشیریؒ نے اپنے ہاں بڑے اہتمام سے نقل کیا ہے :۔

"ہر وہ باطن (طریقت) جو ظاہر (شریعت) کے خلاف ہو باطل ہے"۔ ؎۶

اگرچہ یہ قول اس موضوع پر حرفِ آخر ہے مگر صوفیاء تو پاسداری شریعت کا اس درجہ خیال رکھتے ہیں کہ جو شخص شریعت کی حدود کو نظر انداز کر کے طریقت کا مدعی ہے یا طریقت کی آڑ میں اپنے آپ کو احکام شرعیہ میں مرفوع قرار دیتا ہے اسے صوفی و زاہد سمجھنا تو درکنار جہنم کا ایندھن تصور کرتے ہیں، تائید کے لیے شیخ ابوالقاسم دمشقیؒ کی ایک روایت نقل کی جاتی ہے جو انہوں نے شیخ ابو علی رودباریؒ سے کی ہے :۔

"کسی نے شیخ ابو علیؒ احمد سے ایک شخص کے متعلق پوچھا جو مزامیر سنتا

marfat.com

ہے اور پھر کہتا ہے کہ یہ تو میرے لیے جائز ہے کیونکہ میں ایسے مقام پر پہنچ گیا ہوں کہ اب مجھ پر حالات کے اختلاف کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اس پر شیخؒ نے فرمایا ہاں پہنچ تو چکا ہے مگر جہنم میں۔" ؎

صوفیاء کرام کے ہاں اگر شریعت و طریقت کے نام کی دو اصطلاحیں ملتی ہیں تو صرف اس انداز میں کہ اعضاء و جوارح سے احکام کی بجا آوری شریعت اور اس میں اخلاص و روح کا پیدا کرنا طریقت ہے۔ ظاہر ہے احکام پر عملدرآمد ہو گا، تو اخلاص بھی ہو گا سرے سے عمل ہی نہ ہو تو کاہے کا اخلاص اور کیسی روح؟ یہاں پھر بھی شریعت مقدم رہی ہاس مسئلہ کو شیخ یحییٰ منیریؒ نے اپنے ایک مکتوب میں بڑی خوبصورتی سے واضح کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"طریقت کی راہ بھی اسی شریعت سے نکلی ہے، شریعت و طریقت میں جو فرق ہے اس کو ہم بیان کرتے ہیں تم اسی سے سمجھتے جاؤ، شریعت میں توحید، طہارت، نماز روزہ، حج، جہاد، زکوٰۃ اور دوسرے احکام و شرائع اور معاملاتِ ضروری کا بیان ہے، طریقت کہتی ہے کہ ان معاملات کی حقیقت دریافت کرو، ان مشروعات کی تہہ تک پہنچو، اعمال کو قلبی صفائی سے آراستہ کرو، اخلاق کو نفسانی کدورتوں سے پاک کرو، جیسے ریاکاری ہے، ہوائے نفسانی ہے، ظلم و جفا ہے، کفر و شرک ہے اچھا اس طرح نہ سمجھے ہو تو یوں سمجھو، ظاہری طہارت اور ظاہری تہذیب سے جس امر کو تعلق ہے وہ شریعت ہے، تزکیۂ باطن اور تصفیۂ قلب سے جس کو لگاؤ ہے وہ طریقت ہے، کپڑے دھو کر ایسا پاک بنا لینا کہ اس کو پہن کر نماز پڑھ سکیں، یہ فعلِ شریعت ہے اور دل کو پاک رکھنا کدورتِ بشری سے یہ فعلِ طریقت ہے، ہر نماز کے لیے وضو کرنے کو فعل شریعت

marfat.com

سمجھو اور ہمیشہ باوضو رہنے کو طریقت کا دستور العمل تصور کرو، نماز میں قبلہ رُو کھڑے ہونا شریعت ہے اور دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہونا طریقت ہے۔ جو اس ظاہری سے جن معاملات کا دینی تعلق ہے اس کی رعایت ملحوظ رکھنا شریعت ہے اور جن معاملاتِ دینی کو قلب و روح سے تعلق ہے اس کی رعایت کرنا طریقت ہے۔" [۸]

مکتوب کے اس طویل اقتباس کو پیش کرنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا اب قارئین کا کام ہے کہ اس میں کہاں شریعت کو نظر انداز کیا یا غیر ضروری قرار دیا گیا ہے، جو کچھ طریقت کے ذیل میں کہا گیا ہے اسے جو بھی نام دیا جائے بہر حال یہ تقاضے شریعت کے بھی ہیں اگر یہ تقسیم برقرار رکھی بھی جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ جسم و روح والی بات ہے جو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں اسی طرح شریعت و طریقت کو ایکدوسرے کے لیے ناگزیر کہا جائے تو کوئی قباحت واقع نہیں ہوتی۔ یہی بات شیخ عبداللہ انصاریؒ نے اپنے انداز میں کہی ہے:-

"ہر چند کہ شریعت سر بسر حقیقت ہے اور حقیقت تمام شریعت، حقیقت کی بنیاد شریعت ہے، شریعت حقیقت کے بغیر اور حقیقت شریعت کے بغیر بے کار ہے اور عمل کرنے والے ان دو کے بغیر بے کار ہیں۔" [۹]

شریعت کو نظر انداز کر کے مراحل طریقت طے کرنے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے، طریقت کے میدان میں قدم رکھنے کا بہترین وسیلہ کیا ہے؟ اسے مؤثر اور دلنشین پیرائے میں شیخ یحییٰ شرف الدین منیریؒ واضح فرماتے ہیں، اُن کے طویل مکتوب کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے:-

"برادرِ عزیز! شریعت کے بغیر طریقت کا قصد کرنا ویسا ہی ہے کہ ایک شخص کوٹھے پر جانا چاہے تو سیڑھی کو توڑ ڈالے اور دیوار پکڑ کر اوپر چڑھے

marfat.com

نتیجہ یہ ہوگا کہ دو چار ہاتھ بہ مشکل اوپر جائے گا پھر پھسل پھسل کر گرے گا، یا یوں سمجھو کہ ایک شخص کو یہ خبط سمائے کہ ہم پتھر ایسا اچھال سکتے ہیں کہ نظر سے غائب ہو جائے ہزار ہزار زور لگائے گا، کوشش کا خاتمہ کر دے گا ناکامیاب رہے گا بہ مشکل اچھالے گا، دھم سے آ تا رہے گا۔ بغیر شریعت جسم خاکی پتھر سے بدتر ہے وہ شخص فضائے طریقت میں اڑ نہیں سکتا یہ کوشش لاحاصل ہوگی۔" ۱۰

انہی شیخ موصوف کے یہ الفاظ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

"ولی صادق وہی کہتا ہے اور وہی چاہتا ہے جو نبی چاہتا ہے۔" ۱۱

اس بحث کے ضمن میں یہ بات بھی بالعموم سنی اور پڑھی جاتی ہے کہ صوفیا کرام کا اکثر و بیشتر انحصار ذوق، کیف کشف اور اس طرح کے دیگر احوال پر ہوتا ہے۔ مگر حقیقت یوں نہیں، کیونکہ جس طرح زندگی کے دوسرے امور و مسائل کی عنان ذوق و کیف کے ہاتھ میں نہیں دی جا سکتی تو مسائل تصوف میں یہ کیسے بار پائے؟ یہ الگ بات ہے، کہ اس جذبے اور ذوق کی قرآن و سنت سے تائید ہوتی ہو پھر اسے ضرور سند کا درجہ ملنا چاہیے اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو مشہور صوفی بلکہ امام الاصفیا شیخ سہل بن عبداللہ تستریؒ کا فیصلہ صدیوں پیشتر تاریخ میں محفوظ ہے۔

"ہر وہ جذبہ اور وجدانی کیفیت جس کی شہادت کتاب و سنت سے نہ ملے باطل ہے۔" ۱۲

یہی بات بتغیر الفاظ شیخ جنید بغدادیؒ کے ہاں نظر آتی ہے:

"ہمارا مذہب (تصوف) کتاب و سنت کے اصولوں کا پابند ہے۔" ۱۳

صوفیاء کرام شرع شریف کے معاملہ میں علماء ظواہر سے کسی صورت کم حساس نہیں، صوفیاء کرام کے ہاں شریعت سے ہٹ کر کوئی عمل کرنا، شریعت کے حوالے کے بغیر کوئی

marfat.com

بات سننا، کسی ایسی مجلس کا اہتمام یا اس مجلس میں شرکت جہاں شریعت کو ملحوظ رکھے بغیر گفت گو ہوتی ہو حد درجہ خطرناک اور مہلک ہے جو شخص قرآن و سنت سے الگ کسی بات کا دعویٰ کرتا ہے۔ اُس کا صوفی یا صاحبِ طریقت ہونا تو محال ہے ہی، اس کی صحبت اختیار کرنا ایک خطرۂ عظیم سے کم نہیں۔ حزم و احتیاط کی راہ میں ہمارے لیے شیخ ابوالحسین احمد نوریؒ کا فرمان مشعل کا کام دیتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"جس شخص کو تو اللہ کے ساتھ ایسی حالت کا دعویٰ کرتے ہوئے دیکھے جو اُسے شریعت کی حد سے نکال دے تو تجھے اس شخص کے قریب بھی نہیں پھٹکنا چاہیے"۔ [۱۴]

شیخ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:۔

"چونکہ ہمارا (تصوف) و معرفت کتاب و سنت کا پابند ہے اس لیے جس شخص نے نہ قرآن حفظ کیا ہو اور نہ حدیث لکھی ہو، راہِ طریقت میں اس کی پیروی نہ کی جائے گی"۔ [۱۵]

اگر کوئی شخص صوفیاء کرام کی ان تصریحات کے بعد بھی کسی قرآن و سنّت کی راہ سے ہٹ کر چلنے والے کو صوفی یا ولی کہتا ہے تو یہ سراسر ناانصافی ہے کیونکہ صوفیاء تو چیخ چیخ کر تارک کتاب و سنت کے بارے میں کہہ رہے ہیں:۔

"جو شخص ہر وقت اپنے افعال کو کتاب و سنت کی میزان میں نہ تولتا ہو ہم اسے "دیوان رجال" میں شمار نہیں کرتے"۔ [۱۶]

ضمناً اس اعتراض کا جائزہ بھی لے لینا چاہیے کہ صوفیوں کے ہاں علم کی بڑی کمی ہوتی ہے اور منازلِ سلوک طے کرنے کے لیے علم کو ضروری خیال نہیں کیا جاتا یہ اعتراض بھی محض برائے اعتراض ہے۔ واقعہ میں بالکل ایسا نہیں۔ اگر صوفیاء کرام کی تعلیمات کو بغور اور بتفصیل پڑھا جائے تو ان کی علمی گہرائی، نکتہ سنجی، ذہانت و فطانت اور مطالعاتی

marfat.com

ذوق کا معترف ہونا پڑتا ہے، صوفیائے کرام کے نزدیک وہ شخص صاحبِ رشد و ہدایت نہیں ہو سکتا جو علوم شرعیہ کا متبحر عالم نہ ہو۔ بابا فرید الدین گنج شکرؒ فرمایا کرتے تھے۔

"جاہل پیر، مسخرہ شیطان ہوتا ہے"۔

شیخ جنید بغدادی اپنے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"میں نے پہلے علم حدیث اور فقہ حاصل کیا۔ اس کے بعد شیخ حارث المحاسبی (صاحب کتاب الرعایہ) کی صحبت اٹھائی اور یہی میری کامیابی کا راز ہے کیونکہ علم تصوّف کو قرآن کے تابع رہنا چاہیے۔ جس نے تصوّف سے پہلے قرآن مجید حفظ نہ کیا ہو (یا نہ پڑھا ہو) اور حدیث میں سند حاصل نہ کی ہو، اسے دوسروں کی رہنمائی کا کوئی حق نہیں"۔[۱۷]

شیخ سری سقطیؒ نے جو شیخ جنید بغدادیؒ کے ماموں بھی ہیں اور مرشدِ فیض بھی، جنید بغدادیؒ کو دعا دی۔

"خدا تمہیں ایسا محدّث بنائے جو علم تصوّف سے بھی آگاہ ہو یا پھر ایسا صوفی جو علم حدیث سے بھی آشنا ہو"۔[۱۸]

اس دعا میں صراحتہً محدّث بننے کو متصوف ہونے پر ترجیح حاصل ہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ شیخ طریقت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"پیر ایسا ہونا چاہیے کہ احکام شریعت، طریقت، اور حقیقت کا علم رکھتا ہو اگر ایسا ہوگا تو خود کسی نامشروع چیز کے لیے نہ کہے گا"۔[۱۹]

اس ضمنی بحث کو یہیں ختم کر کے ہم دوبارہ اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں، کسی شخص کا ذوق اور وجدان جس طرح شریعت میں ناقابل قبول ہے، اسی طرح طریقت میں بھی اس امر کا خاطر خواہ لحاظ کیا جاتا ہے۔ طریقت کے ہر نکتے کی شریعت مطہرہ سے تائید ضروری سمجھی جاتی ہے اور جملہ اربابِ طریقت نے طریقت پر شریعت کو نگہبان بنایا ہوا

marfat.com

ہے، اور حرفِ آغاز شریعت ہی کو قرار دیا جاتا ہے، شیخ ابو سلیمان عبد الرحمان دارانیؒ فرماتے ہیں :-

"بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میرے دل پر صوفیاء کے نکاتِ معرفت وارد ہوتے ہیں اور کئی دنوں تک رہتے ہیں مگر جب تک کتاب وسنت، دونوں عادل گواہ انہیں قبول نہ کریں میں انہیں قبول نہیں کرتا۔" [۲۰]

اب ہم اس بحث کو سمیٹتے ہوئے آخر میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا ایک قول نقل کرتے ہیں۔ ورنہ اس موضوع پر بزرگانِ دین اور صوفیاء کرام کے اقوال کا ایک انبار لگایا جاسکتا ہے، لیکن ذہن صاف اور آنکھ رنگین شیشہ سے پاک ہو تو ایک ہی حوالہ اتمامِ حجت کے لیے کافی ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ رقم طراز ہیں :-

"کچھ فتنہ کے مارے ہوؤں نے صوفیوں کا لباس پہن لیا ہے کہ صوفی کہلائیں حالانکہ ان کو صوفیاء سے کچھ علاقہ نہیں۔ بلکہ وہ غرور غلط میں مبتلا ہیں، بکتے ہیں کہ اُن کے دل خالص خدا کی طرف مبتلا ہو گئے اور یہی مُراد کو پہنچ جانا ہے اور رسوم شریعت کی پابندی عوام کا مرتبہ ہے۔ ان کا یہ قول خالص الحاد اور زندقہ ہے اس لیے کہ جس حقیقت کو شریعت رد کرے وہ حقیقت نہیں بے دینی ہے۔" [۲۱]

اس قدر مدلل بحث، واضح اقوال اور مستند آراء پیش کرنے کے بعد سراسر تجاوز اور بے رحمانہ تجاہل ہو گا اگر پھر بھی یہ الزام تصوف اور اہلِ تصوف کے سر تھوپا جائے کہ ان کے ہاں شریعت اور طریقت میں امتیاز و تفریق ہے اور شریعت کے قواعد وضوابط کو مدِ نظر نہیں رکھا جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوف جہاں مذہب کی روح، اخلاق کی جان اور ایمان کا کمال ہے وہاں اس کی اساس شریعت مطہرہ اور اس کا سرچشمہ، قرآن وحدیث ہے۔

marfat.com

کشف و کرامت

بالعموم تصوّف اور صوفیاء کا ذکر آتے ہی ذہن شب و روز کے اوراد و وظائف، چلّوں، مراقبوں، تسبیح گردانی اور حق ہو کی ضرب کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، صوفیاء انہیں سمجھا جاتا ہے جن کے ہاتھوں دن رات عجائب و غرائب اور محیّر العقول واقعات کا ظہور ہوتا رہتا ہے، انکشافات کا دور دورہ ہوتا ہے، غیب کی خبریں آئندہ کے حالات اور ہوشربا کمالات انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈالے رکھتے ہیں، یہ لوگ کبھی سمندر میں مصلّے سے کشتی کا کام لیتے ہیں، کبھی بیٹھے بیٹھے دنیا کی سیر کر آتے ہیں کبھی ذرا جنبش کی اور فضاؤں میں اڑنا شروع کر دیتے ہیں یہ اور اس قسم کے طلسماتی قصّے مشہور و معروف ہیں۔ اس قسم کی رائے قائم ہو جانے کی دو وجوہ ہیں۔ اولاً تصوّف اور اربابِ تصوّف کے خلاف پروپیگنڈہ دانستہ اور نادانستہ اس انداز میں کیا گیا ہے کہ تصوّف و اہلِ تصوّف کو کشف و کرامت کے حوالے کے بغیر پہچانا بھی نہیں جا سکتا۔ ثانیاً جب سے تصوّف بحیثیت ادارہ کے اپنی غایت حقیقی اور غرض اصلی سے ہٹا ہے اور مسندِ تصوّف کے وارث اپنا مقصود بھلا بیٹھے تو اقبالؒ کے الفاظ میں اس کے علاوہ کیا رہ جاتا تھا؟

؎ رہا نہ حلقۂ صوفی میں سوزِ مشتاقی فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی

ورنہ ذرا سنجیدہ نظری اور اخلاص نیت کے ساتھ تصوّف کی امہاتِ کتب اور

marfat.com

صوفیاءکرام کی سیر و سوانح کو پڑھا جائے تو صاف طور پر معلوم ہو جائے گا کہ تصوف محض کشف و کرامت یا اوراد و وظائف کا ادارہ نہیں بلکہ ایک عالمگیر تحریک ہے۔ ایسا سانچہ جس میں انسان ڈھالے جاتے ہیں، ایسی بھٹی جہاں سے انسان کندن بن کر نکلتے ہیں، تصوف ایک ایسا ادارہ ہے جہاں تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کا انتظام ہے جہاں "تخلقوا باخلاق اللہ" کی عملی تفسیر پڑھائی جاتی ہے، جو ملوکیت اور آمریت کے خلاف مضبوط مورچہ ہے، جہاں دکھی اور بے چین، سکون کو ترستی دُنیا کے لیے سکون کا سامان ملتا ہے، جہاں ہر شخص اپنی انسانیت اور غیرتِ نفس کا بچشم خود مشاہدہ کرتا ہے جہاں ذات پات اور دنیوی تفریق کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ جہاں ہر ایک کو ایک نظر سے دیکھا ایک پیمانے سے پرکھا ایک کسوٹی سے جانچا، ایک معیار پر رکھا اور ایک میزان میں تولا جاتا ہے، جہاں سوائے ذکرِ الٰہی اور خدا خوفی کے کسی مناظرہ اور مباحثہ کی تعلیم نہیں دی جاتی۔ جہاں قلب و نظر میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے، جہاں علم کے ساتھ عمل اور عمل کے ساتھ یقین پیدا کیا جاتا ہے۔ جہاں نفرت کے بجائے محبت کے زمزمے بہتے ہیں جہاں اُلجھنے کے بجائے سلجھنا سکھایا جاتا ہے جہاں دماغ کو رمز آگاہ اور دل کو سوز آشنا بنایا جاتا ہے، جہاں راکھ کے ڈھیر میں دبی چنگاری کو شعلہ بداماں کیا جاتا ہے، جہاں رینگتی مخلوق کو ہوا بدوش بنایا جاتا ہے، رہا کشف و کرامت کا مسئلہ تو اُسے نہ پہلے اہمیت حاصل تھی نہ اب ہے، ظاہر ہے جب نا اہل منصب قضا سنبھال لیں اور قلم غدار کے ہاتھ میں ہو تو۔

ع منصور بر دارے بود

ایسا ہی المیہ تصوف کے ساتھ ہوا ہے، غیر تاک میں تھے، اپنوں نے موقع مہیا کر دیا اور ردّے پہ ردّے چڑھتے گئے، ورنہ کہاں تصوف اور کہاں کشف و کرامات کے چرچے؟ اولیاءکرام کے ہاتھوں کرامات ظاہر ضرور ہوئیں، اجمیر کے سنیاسی اور

marfat.com

جوگی کا مقابلہ اس کے بغیر ممکن نہ تھا بعد میں بننے والے "شیخ ہندی" سے اسی طرح نمٹا جا سکتا تھا، فرعونی دربار میں رسیوں کا سحر عصائے موسیٰ ہی سے زائل کیا جا سکتا ہے۔ جالینوس کے پیروؤں کا طبی طلسم "قُم باذن اللہ" کہہ کر کوئی "مسیح" ہی توڑ سکتا ہے۔ لیکن اسی بات کو تصوف کی بنیاد سمجھ لینا صریح ناانصافی ہے۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں:۔

"سلوک کے سو درجے مقرر کیے گئے ہیں ان میں سترھواں درجہ کرامت ہے۔ اگر سالک اسی درجے میں رہ جائے تو وہ باقی کے تراسی ۸۳ درجوں تک کیسے پہنچے گا"۔ ۱۵

صوفیاء کرام کی تبلیغی کوششوں کا ہم انشاء اللہ اگلے صفحات میں بھرپور جائزہ لیں گے تو ثابت ہو جائے گا کہ صوفیاء نے کشف و کرامت کے ذریعے دنیا میں کام نہیں کیا بلکہ ایک مجاہد کی سی شان کے ساتھ جھونپڑوں سے ایوانوں اور گلہ بانوں سے لے کر جہاں بانوں تک پہنچے اور تبلیغ و وعظ کا حق ادا کیا کیونکہ تصوف سراپا شریعت ہی تو ہے، جو احکام شریعت کے وہی تصوف کے اور جو ذمہ داریاں اہل شرع کی وہی ذمہ داریاں اہل تصوف کی ہیں، چنانچہ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:۔

"خواجہ عبید اللہ احرار فرمایا کرتے تھے اگر میں صرف پیری مریدی کروں تو کسی بھی پیر اور شیخ کو جہاں میں مرید میسر نہ آسکے سب کو میں اپنی ہی طرف کھینچ لوں، مگر میرے ذمہ دوسرا کام لگایا گیا ہے وہ ہے شریعت کی ترویج اسلام کی تائید، اس بناء پر آپ کے پاس تشریف لے جاتے اور اپنے تصرف سے اُن کو اپنا مطیع بناتے اور اس ذریعہ سے شریعت حقہ کی ترویج فرماتے"۔ ۱۶

سچی بات یہ کہ تصوف میں کشف و کرامات کا اعتبار نہیں بلکہ ایمان کی پختگی اور اعمال و احوال کی درستگی کا چلن ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

marfat.com

"والد ماجدؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ نکتہ حضرت حافظ (سید عبداللہ) سے کئی بار سنا کہ "کفش بر کشف" (کشف کے سر پر جوتا) یعنی صوفیاء کے نزدیک استقامت معتبر ہے نہ کہ کرامت"۔ ۵۳

شریعت و طریقت کے عنوان میں ہم حضرت بایزید بسطامیؒ کا یہ قول پہلے بھی نقل کر آئے ہیں مگر موضوع کی مناسبت اور قول کی اہمیت کے پیش نظر قند مکرر کے طور پر اسے دوبارہ پڑھ لیجئے۔ فرماتے ہیں:۔

"اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ اُسے کرامات عطا کی گئی ہیں حتیٰ کہ وہ ہوا میں اڑتا ہے تو اس سے دھوکا مت کھاؤ۔ جب تک کہ یہ نہ دیکھ لو کہ وہ اوامر و نواہی کی رعایت، حدود اللہ کی محافظت اور آدابِ شریعت کی پیروی میں کیسا ہے"؟ ۵۴

اگر ابتدائی دور میں تصوف پر جبکہ وہ عالم شباب میں تھا نگاہ ڈالیں تو جوں جوں آپ اوپر جائیں گے کرامات اتنی ہی کم نظر آئیں گی، بلکہ زیادہ سے زیادہ زور اصلاح اعمال و اخلاق ہی نظر آئے گا، کیونکہ علم و عمل کی قوت سے ہی سرکش ذہن اور باغی دل مسخر کیے جا سکتے ہیں جو کشش اور تاثیرِ اخلاق میں ہے وہ کشف و کرامت میں کہاں؟ اس نے قدیم صوفیاء کرام کے حالاتِ زندگی پر لکھی گئی کتابوں کا ایک ایک ورق الٹ پلٹ کر دیکھ لیجئے، کرامات ڈھونڈھے سے بمشکل ہی ملیں گی۔ شیخ مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:۔

"ظہورِ خوارق پر نظر رکھنا کوتاہ نظری ہے اور استعداد تقلیدی کم ہونے کی دلیل ہے، میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اکثر متقدمین سے بھی ساری عمر میں پانچ چھ خوارق سے زیادہ کا ظہور نہیں ہوا، حضرت جنیدؒ جو اس گروہ کے سردار ہیں، معلوم نہیں اُن سے دس کرامات کا ظہور بھی منقول ہو"۔ ۵۵

بعض مستند صوفیاء کے نزدیک تو کرامت کو حیض الرجال سے تعبیر کیا گیا ہے،

marfat.com

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کا مشہور قول ہے۔

"غم ایماں باید خورد، در پے کرامت نباید بود"۔

یہ تاثر جب سے قائم ہوا ہے اُس دن سے کسی ولی کی ولایت کا معیار صرف اور صرف کرامت ہی رہ گیا ہے، جس سے جتنی زیادہ کرامتیں منسوب ہوں گی، وہ اتنا ہی زیادہ باخدا بزرگ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ "اعلمکم واتقاکم" کی جو قید شریعت میں ہے وہی تصوف میں بھی ہے۔ جسے دانستہ یا نادانستہ نظر انداز کر دیا گیا ہے، اس بات کو ایک حکایت کے ذریعے شیخ سیف الدین حمویہؒ نے بڑی خوبصورتی اور عمدگی سے واضح فرمایا ہے، خواجہ نظام الدین اولیاؒ ان سے روایت کرتے ہیں۔

"شیخ سعد الدین حمویہؒ ایک مرد بزرگ تھے اگر شہر کا والی ان سے عقیدت نہیں رکھتا تھا ایک دن ایسا ہوا کہ والی شہر شیخؒ کی خانقاہ کے دروازے پر پہنچا'...... آپ نے خوشی کا اظہار کیا چنانچہ دونوں اکٹھے بیٹھ گئے پاس ہی ایک باغیچہ تھا۔ شیخؒ نے وہاں سے کچھ سیب لانے کا اشارہ کیا چنانچہ جب سیب لائے گئے شیخ نے اسے کھایا، سامنے پڑی ہوئی طشتری میں ایک موٹا سیب دھرا تھا۔ والی کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر شیخ کرامت اور صفائی باطن کے مالک ہیں تو یہ موٹا سیب مجھے دیدیں، جیسے ہی والی کے دل میں یہ خیال آیا شیخ نے ہاتھ بڑھایا اس سیب کو اٹھایا اور والی کی طرف منہ کر کے کہا ایک دفعہ میں سفر میں تھا، دورانِ سفر ایک شہر میں پہنچا، شہر کے دروازے پر بھیڑ لگی تھی ایک بازی گر کرتب دکھا رہا تھا۔ اس بازی گر کے پاس ایک گدھا تھا۔ اُس نے کپڑے سے گدھے کی آنکھیں باندھ رکھی تھیں، اس اثناء میں اس نے ہاتھ میں ایک انگشتری لی اور وہ انگشتری تماشائیوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ میں ڈال دی۔ اس وقت بازی گر لوگوں کی طرف

marfat.com

متوجہ ہوا اور کہا جس کے ہاتھ میں انگشتری ہے گدھا اُسے ڈھونڈ نکالے گا اس پر وہ گدھا اس مجمع کے اندر چکر لگانے لگا اور اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی، وہ ہر ایک کو سونگھتا سونگھتا اس آدمی کے پاس پہنچ گیا، گدھا وہاں کھڑا رہا۔ بازی گر آیا اور اس نے اس آدمی سے انگشتری لے لی، اس حکایت کو بیان کرنے کے بعد شیخ حمویہؒ نے والی شہر سے کہا اگر کوئی شخص اپنے کشف اور کرامت کا ذکر کرتا ہے، تو وہ اپنے آپ کو اُس بازی گر کے گدھے کے درجے پر رکھتا ہے۔ اگر وہ اس بارے میں کچھ نہیں کہتا تو تمہارے دل میں یہ خیال گذرتا ہے کہ اِس شخص میں صفائی باطن نہیں، شیخ نے یہ فرمایا اور سیب والی شہر کے سامنے رکھ دیا۔" ؎۶

اس واقعہ میں تین باتیں واضح ہوئیں :۔

اولاً :۔ وہ ذہنیت جو کرامت کو اساس ولایت جانتی اور مانتی ہے۔

ثانیاً :۔ کرامت صوفیاء کے نزدیک کس درجے کی چیز ہے ؟

ثالثاً :۔ کرامت ظاہر ہو بھی تو اس سے مقصود کیا ہوتا ہے ؟

اس ساری بحث سے پتہ چلا کہ صوفیاء کی محافل و مجالس خوارق سے معمور نہیں ہوتیں بلکہ اُن کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ غم روزگار میں الجھا ہوا افسردگیوں اور مایوسیوں میں لپٹا ہوا محرومیوں سے سمٹا ہوا، حادثاتِ زمانہ میں گھرا ہوا کوئی شخص جب اُنکی محفل میں جاتا تو ایک بار اُسے یوں لگتا جیسے اُس کے ذہن سے غم کا ایک ایک کانٹا نکال لیا گیا ہے، اب کوئی کھٹک اس کے دل میں اور کوئی پھانس اس کے حلق میں نہیں رہی اس لیے کہ اطمینان قلب کا اصل ذریعہ "ذکر اللہ" ہے اور یہی جنس " دکانِ تصوف" پر "ارزاں" ہے۔

marfat.com

شعبدوں اور عجوبوں کی دنیا کا تزکیہ و تصفیہِ کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں اسی لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں :۔

"امیر ابو العلاء فرمایا کرتے تھے، اگر کوئی شخص ہماری مجلس میں اس صحرا نورد کی طرح سکون محسوس کرتا ہے جو انتہائی گرمی کے موسم میں کسی درخت کے سائے میں پہنچ کر اپنے تن بدن کی راحت محسوس کرتا ہے تو اسے ہماری صحبت مبارک ورنہ وہ دوسری جگہ چلا جائے کیوں کہ ہمارے ہاں کشف و کرامت کی دنیا نہیں بلکہ عالم الوندی ہے"۔ ۵ ؎

marfat.com

تصوّف ـــ اُمہات کتب

تصوّف ـــ اربابِ تصوّف کے بارہ میں پیدا شدہ غلطیوں کے اسباب میں ایک اہم سبب مطالعہ کرنے والوں کی سہل انگاری کو قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا غیروں نے جان بوجھ کر اپنے مطلب کے لیے وہ تحریریں اخذ کرلیں جو اُن کے لیے مفید اور تصوف کے خلاف بطور ہتھیار استعمال ہو سکتی تھیں۔ اگر یہ اندازِ تحقیق کے معیار پر پورا اترتا ہے تو اُسے اپنا کر کسی بھی کتاب کے بارے میں غلط رائے قائم کی جا سکتی اور غلط تاثر دیا جا سکتا ہے، اور اس سے الہامی کتابیں بھی شائد محفوظ رہ سکیں، جیسا کہ ستیارتھ پرکاش میں قرآن مجید پر تبصرہ کیا گیا ہے، پس منظر کو نظر انداز کر کے کسی واقعہ کا بیان، مجموعی مزاج سے صرف نظر کر کے یک رُخا مطالعہ، خُذ ما صفا کے اصُول کو پس پشت ڈال کر کمزور باتوں کا تعاقب اگر ایسے ہی منفی نتائج پیدا نہ کرے گا تو اور کیا ہوگا؟ کسی موضوع پر تحقیق سے پہلے اس کے متعلق ایک مخصوص نظریہ قائم کر لینے، خاص زاویۂ نظر اپنا لینے، اور دل میں سوءِ ظن پیدا کر لینے کا نتیجہ اس سے شائد ہی مختلف نکلا ہو، ہر بات پر گرفت کرنا، ہر کمزوری پر نظر رکھنا، اور ہر لفظ سے غلط مطلب نکالنا، جب اپنے لیے فرض قرار دے لیا جائے تو زیر بحث موضوع کا حُلیہ بگڑے گا یا نہیں؟ اپنے بھی اس کوتاہی میں برابر کے شریک اور حصّہ دار ہیں، انہوں نے اس عالمگیر اخلاقی، اصلاحی اور روحانی تحریک کا مطالعہ

marfat.com

کرتے ہوئے دماغ سوزی اور پتہ ماری سے کام لینے کی بجائے سرسری نظر ڈالنا کافی سمجھا، تصوف کی امہاتِ کتب، اربابِ تصوف کی مستند سوانح و سیر پڑھنے کی بجائے روایات و حکایات کے ناقابلِ اعتنا، مجموعوں اور غیر مستند ملفوظات و ارشادات کے پلندوں اور کرامات و حکایات سے بھرپور کتابوں کا مطالعہ اس موضوع کو سمجھنے کے لیے کافی جانا جو سراسر ناانصافی ہے، مجھے تصوف کے خلاف سینکڑوں کتابیں اور مقالات پڑھنے کا موقع ملا ہے، لیکن نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان کتابوں اور مقالات کے مولفین محترم نے ان کتابوں کو اپنا ماخذ و مرجع قرار دیا ہے جو خود اربابِ تصوف کی نظروں میں یکسر ناقابلِ اعتماد ہیں اور کسی صوفی یا بزرگ نے اپنی تحریریں اُن کا حوالہ نہیں دیا، کسی کتاب کو صرف اس لیے قابلِ استناد جان لینا کہ اس کی تالیف و ترتیب کسی نامور بزرگ کے نام سے منسوب ہے، حد درجہ ستم ظریفی ہے، کاش کہ ہم علمی ذمہ داری اور آخرت کی جوابدہی کا احساس کر کے اپنی رائے کا رُخ متعین کرتے۔ مگر ایسا کیوں کرتے؟ اس کے لیے تو غیر معمولی محنت اور دیانت درکار تھی اور پھر ذہن ایک رائے قائم کر چکا تھا اب صرف ردّے چڑھانے کی ضرورت تھی، سو اس کے لیے امہاتِ کتب کے بجائے ایسی ہی ناقابلِ اعتماد کتابیں معاون ثابت ہو سکتی تھیں۔

ملفوظات و ارشادات کے جو مجموعے چھپے ہوئے ہیں ان میں صرف "فوائد الفواد" ہی ایک ایسا مجموعۂ ملفوظات ہے جسے صوفیا میں درجۂ قبول حاصل ہے۔ یہ کتاب خواجہ نظام الدین دہلویؒ کے ملفوظات و ارشادات پر مشتمل ہے، اسے آپ کے رفیق و مریدِ خاص امیر حسن علا سنجریؒ المعروف خواجہ حسن دہلویؒ نے مرتب کیا ہے، خواجہ حسن دہلویؒ کے ہمعصر اور پیر بھائی امیر خسرو کے الفاظ ہیں:۔

"کاش میری ساری کتابیں حسن لے لیتے لیکن یہ کتاب فوائد الفواد میرے قلم سے ہوتی۔"

marfat.com

اس کے علاوہ ایک ضخیم مجموعہ "ہشت بہشت" کے نام سے چھپا ہوا ہے جس میں ملفوظات کی آٹھ کتابیں جمع ہیں جو علی الترتیب خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ملفوظات خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ترتیب دیے ہیں خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ارشادات کو خواجہ بختیار کاکیؒ نے قلم بند کیا ہے، خواجہ بختیار کاکیؒ کی مجالس کی روداد خواجہ فرید الدین گنج شکر کے ہاتھوں جمع ہوئی ہے اور خواجہ فرید الدینؒ کے اقوال کو خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے مرتب کیا ہے اور یہ سلسلہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی اور خواجہ بدر الدین اسحاقؒ تک چلتا ہے، یہ پورا مجموعہ اپنے مندرجات و مضامین کے اعتبار سے محلِ نظر ہے، اس میں انیس الارواح، افضل الفوائد، راحت العاشقین، فوائد السالکین اور دلیل العارفین وغیرہم رسالے شامل ہیں، اب اگر کوئی شخص محقق بن کر تصوّف کی تعلیمات اور اربابِ تصوف کی سیرت پر تحقیق کے لیے ان رسالوں کو اپنا مرجع و ماخذ قرار دے لے اور لوگوں نے دیا ہے تو تحقیق کا جو شاہکار برآمد ہوگا وہ محتاج بیان نہیں، حالانکہ یہ وہ مجموعے اور رسائل ہیں جنہیں تصوّف کے کسی عام حلقے میں بھی قبولیت حاصل نہیں ہو سکی۔ کجا کہ خواص انہیں پسند کرتے۔ کتاب "فوائد الفواد" اگر متصوفین کے ہاں مقبول و محبوب ٹھہری ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب واقعۃً تعلیمات تصوف کی ترجمان ہے اور اس کے مندرجات کی مجموعی طور پر ذمہ داری لی جا سکتی ہے۔

یہاں ضمنی طور پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ تصوف کے بارے میں غلط فہمیوں کی پیداوار میں ان کتابوں کا بھی خاصہ دخل عمل ہے جو عملی کے بجائے نظری تصوف کا رجحان لیے ہوئے ہیں اور اسی مکتب فکر کی ترجمان ہیں جنہوں نے تصوف کو عملی تحریک اور روحانی انقلاب کے بجائے فلسفہ اور منطق کی طرح ذہنی تعیش کا رنگ دے دیا ہے اور تصوف جو اپنی تعلیمات و افکار کے لحاظ سے کھرا، سادہ، پرمغز،

marfat.com

سہل اور قرآن و سنت کا خلاصہ تھا، اس میں فلسفیانہ ادق اصطلاحات، منطق کے پیچیدہ گنجلک قواعد اور علم کلام کی موشگافیاں اور نکتہ آرائیاں شامل کر دی گئیں جس سے تصوف عمل کی دنیا سے نکل کر قیل و قال کے حلقے میں داخل ہو گیا۔ دل سے جلاوطن ہو کر دماغ کو اپنا مسکن بنا بیٹھا اور پھر اصلاح کی جگہ مناظرہ تعلیم کی جگہ مباحثہ، تلقین کی جگہ مجادلہ، سوز دروں کی جگہ زبان کے چٹخارے اور روح کی تڑپ کی جگہ دماغ کے تعیش نے لے لی، نتیجہ یہ نکلا کہ معقولیوں اور فلسفیوں کے جامد و معطل، روح سے خالی، سوتے ہاری مکاتب کے مقابلے میں ارباب تصوف نے جو خانقاہیں تیار کی تھیں، ان میں پہنچ کر انسان مشین نہیں جذبات و احساسات کے قالب میں ڈھل جاتا تھا، جہاں جذب شوق کے چراغ جلتے تھے، جہاں کیف اور ذوق کی قندیلیں روشن تھیں اور جہاں مستی و سرشاری کے فانوس جگمگاتے تھے، رفتہ رفتہ بحث و مباحثہ اور چنیں و چناں کا انداز لیے مکتب کے ماحول میں ڈھلتی گئیں اور پھر مکتب و خانقاہ میں نام کے تغیر اور چند قدموں کے فاصلے کے سوا کچھ فرق نہ رہا، روحِ بلالیؓ نہ رہی مگر رسم اذان موجود، فلسفہ رہ گیا مگر تلقین غزالیؒ مفقود، یہ اندازہ ہے، کہ ان کتابوں کو متعارف کرانے میں بھی اسی ذہن کا وافر حصہ ہے، جو تصوف کو ایک خاص رنگ میں دیکھنا اور لوگوں کو دکھانا چاہتا تھا ورنہ محققین کو چاہیے تھا کہ ایسی کتابوں کو خواص کے حلقوں میں محض تحقیق و تدقیق اور اضافہ معلومات کے لیے وقف کر دیتے، ان کی کسوٹی پر اصل تصوف کو پرکھنے اور اس سے نتیجہ اخذ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ حق یہ ہے کہ تصوف تو نام ہی عمل کا ہے، اس کا بحث و نظر سے کوئی تعلق نہیں، بحث و نظر مکتب و اہل مکتب کا مشغلہ ہے، تصوف کا آغاز عمل سے ہوتا ہے اور انجام اخلاص پر، تصوف کیا ہے؟ قرآن و سنت کے اتباع اور اتباع میں اخلاص کا دوسرا نام ہے، حضرت داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب میں

شیخ ابوالحسن الفوشنجیؒ (م : ۳۴۸ھ) کا ایک قول نقل کیا ہے کہ "آج کل تصوف نام ہے بغیر حقیقت کے لیکن زمانہ، سابق میں یہ ایک حقیقت تھی بغیر نام کے اور داتا ہجویریؒ اپنی طرف سے اضافہ کر کے کہتے ہیں :۔

"سلف صالحین اور صحابہ کرام کے زمانہ میں یہ نام موجود نہ تھا لیکن اس کی حقیقت ہر شخص میں جلوہ گر تھی"۔

کتنی حقیقت افروز بات لکھی ہے شیخ ہجویریؒ نے، فی الواقع اگر تصوف کی امہاتِ کتب کا مطالعہ کیا جائے تو وہ قرآن وحدیث کی تفسیریں اور ان کی تعلیمات کا خلاصہ معلوم ہوتی ہیں، مگر عملی تصوف کی جگہ جب سے نظری تصوف نے لی تو مباحث کا دروازہ کھل گیا اور اصطلاحات کی ایک کھیپ تیار ہو گئی، چنانچہ جب ہم تصوف کی قدیم ترین اور امہات کتب کا مطالعہ کرتے ہیں تو اُن کے عنوانات ومباحث کچھ اس طرح ہیں، تقویٰ، اخلاص، صبر، شکر، توکل، توبہ، انابت، قنوت یقین، استقامت، خوف، رجا، رضا، فقر، تواضع وغیرہم اور پھر ان عنوانات کی وضاحت اور تشریح کی گئی ہے، قرآنی آیات، احادیث نبوی سے اور پھر ان کی متابعت یا مطابقت میں بزرگان دین کے اقوال جو بجائے خود آیات واحادیث کا عطر وخلاصہ ہوتے ہیں، لیکن جب نظری تصوف پر مشتمل مضامین کی حامل کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس طرح کے ابحاث وعنوانات قائم ہوتے نظر آتے ہیں، لوائح، طوامع، لوامع، تلوین، تمکین، تجلی، تخلی، انزعاج، اصطلام، وسم، رسم، معانیٔ ازلیہ، حقیقۃ الحقائق، قبض وبسط، علت ومعلول، تنزیہ، تشبیہ، عینیت وغیریت، اور عین ثابتہ اور عین خارجیہ وغیرہم، ان اصطلاحات کا تعلق انسان کے اضافۂ معلومات ذخیرۂ الفاظ، جودتِ طبع، رسائیٔ فکر، سلاستِ بیان اور طلاقتِ تحریر سے تو ہو سکتا ہے مگر اس کے اخلاق، روحانیت، اور اعمال سے ہرگز نہیں ہو سکتا، اس لیے چاہیے

marfat.com

تھا کہ ان بحثوں کو چہار دیواری کے اندر رکھا جاتا اور یہ صغرے کبرے صرف مکتب ہی میں ملائے جاتے، افسوس ایسا نہ ہوا اور ایک اخلاقی و معاشرتی تحریک، ایک روحانی و ذہنی انقلاب بھاری بھرکم اصطلاحات کے بوجھ تلے دب گیا، اور بعض بزرگوں کی باریک بینیوں و نکتہ آفرینیوں کی بھینٹ چڑھ گیا، اس ماحول سے نکلنے والے اور تیار ہو کر آنے والے اچھے متکلم تو بن گئے مگر انسانیت کو متکلم کے بجائے معلم کی ضرورت تھی، بہترین مقرر و مناظر ہو گئے مگر مزکی نہ بن سکے، اخلاق دانی تو آگئی، اخلاق داری نہ رہی، کتاب خوان کثرت سے وجود میں آگئے مگر "صاحب کتاب" لوگوں کا قحط پڑ گیا سوز دماغ تو پیدا ہو گیا مگر سوز جگر پیدا نہ ہوا، دل و دماغ نے جب راہیں جُدا کرلیں تو زندگی میں دو رُخا پن پیدا ہونا لازمی امر تھا، فکر و نظر ہم آہنگ نہ رہے تو زندگی میں تضادات کا اُبھرنا فطری تقاضہ تھا، سو ایسا ہو کر رہا، اے کاش ایسا نہ ہوتا۔

اب ہم اُن امہات کتب کی تفصیل پیش کرتے ہیں جنہیں پڑھ کر انسان صحیح فیصلے پر باآسانی پہنچ سکتا ہے اگر خدا توفیق دے اور محنت و دیانت کی عادت ہو تو یہ کتابیں پڑھیے اور پھر جو بھی رائے قائم کیجئے اس میں وزن ہوگا، لیکن یہ بات دعوے سے کہی جا سکتی ہے کہ ان کتابوں میں سوائے قرآن و سنت کی تعلیمات کے اور کچھ نہ ملے گا، جن کتابوں کے پڑھنے کا مطالعہ کیا جا رہا ہے یہ تصوف پر قدیم اور مستند کتابیں سمجھی جاتی ہیں اور ارباب تصوف کے ہاں ان کا چلن عام اور ان کی حیثیت ایک دستور العمل کی سی ہے، پہلے ہم ان کتابوں کا نام معہ اُن کے مصنفین کے درج کریں گے اور بعد میں ان میں سے چند ایک کا ہلکا پھلکا تعارف اور اُن کے مضامین کا مختصر جائزہ لیں گے، مصنفین کے سنین وفات بھی احتیاط کے ساتھ درج کیے جا رہے ہیں تاکہ کتاب کی اولیت اور قدامت کا بھی پتہ چل سکے اور اُن کے مطالعہ میں ترجیحات بھی باآسانی قائم کی جا سکیں، نیز ان کے اکثر مصنفین

marfat.com

وہ مشہور و معروف بزرگ ہیں جن سے عوام و خواص سب بخوبی واقف ہیں اور ان کی عقیدت کا دم بھرتے ہیں، یہ کتابیں محض اخلاق و روحانیت کی علمبردار نہیں بلکہ علم کا بھی شاہکار ہیں اور صوفیاء کرام کی علمی استعداد اور فکری صلاحیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں ؎۔

نام کتاب	مصنف	سن وفات
کتاب الرّعایہ	شیخ حارث المحاسبیؒ	۲۴۳ھ
کتاب الصدق	شیخ ابو سعید خراز	۲۸۶ھ
کتاب اللمع	شیخ ابو نصر سراجؒ	۳۷۸ھ
قوت القلوب	شیخ ابو طالب مکیؒ	۳۸۶ھ
التعرف لمذہب اہل التصوف	شیخ ابوبکر بن ابو اسحاق کلا باذیؒ	۴۱۲ھ
رسالہ قشیریہ	شیخ ابو القاسم القشیریؒ	۴۶۵ھ
کشف المحجوب	شیخ سید علی الہجویریؒ	۴۷۲ھ
صد میدان	شیخ عبداللہ انصاریؒ الہروی	۴۸۱ھ
احیاء العلوم	امام محمد غزالیؒ	۵۰۵ھ
کیمیائے سعادت	"	"
منہاج العابدین	"	"
فتوح الغیب	شیخ عبدالقادر جیلانیؒ	۵۶۲ھ
آداب المریدین	شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ	۵۶۳ھ
عوارف المعارف	شیخ شہاب الدین سہروردیؒ	۶۳۲ھ

یہ ہیں وہ کتابیں جنہیں تصوف کے حلقوں میں قبولیت عوام و خواص حاصل ہے، انہیں اگر تصوف کی "نصابی کتب" کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، انہیں اگر عرق

marfat.com

ریزی اور توجہ وانہماک سے پڑھا جائے تو نہ صرف یہ کہ الزامات کی قلعی کھل جائے گی. بلکہ تصوف اپنی صحیح صورت اور اصلی ناک نقشے کے ساتھ ہمارے سامنے آجائے گا اور معلوم ہوجائے گا کہ تصوف جسے اپنوں اور غیروں نے نامانوس اور اوق اصطلاحات کا طومار بنادیا ہے وہ کتنا سادہ اور صاف ستھرا ہے، کتنا پرکشش اور جاذب ہے، اب اگلی چند سطور میں ان کتابوں کے چیدہ چیدہ اور مختصر عنوانات کے لیے وقف کی ہیں تاکہ ان کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے قبل ان سے ہلکی سی روشناسی ہو جائے اور ایک قسم کی ذہنی مناسبت پیدا ہو جائے،

کتاب الرّعایہ

تحقیق کی رو سے دستیاب ہونے والی سب سے قدیم ترین کتاب ہے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ تقریباً تمام مشاہیر صوفیاء نے اپنی تصانیف میں اسکا ذکر خوبصورت پیرائے میں کیا ہے، ان بزرگوں میں شیخ ابونصر سراج، شیخ ابوطالب مکیؒ، شیخ ابوبکر کلاباذیؒ، امام قیشریؒ، داتا ہجویریؒ اور دیگر قدآور اور ممتاز افراد شامل ہیں، امام غزالیؒ کی کتاب "احیاء العلوم" میں تو اس کی حیثیت مرجع، ماخذ اور سنگِ بنیاد کی سی ہے، صوفیاء کے علاوہ مورخین اور اور متکلمین خطیب بغدادی (م: ۴۶۳ھ) نے تاریخ بغداد، شہرستانیؒ (م: ۵۴۸ھ) نے الملل والنحل، ابن خلکانؒ (م: ۶۸۱ھ) نے وفیات الاعیان اور الیافعیؒ (۶۸ھ) نے مراۃ الجنان میں بھی اس کتاب کا ذکر خاص اہمیت سے کیا ہے۔

اس کتاب کے ابواب وعنوانات کچھ اس طرح ہیں، پہلے پانچ ابواب الرعایت لحقوق اللہ" کے لیے وقف ہیں۔ چھٹا باب "توابین" کے طبقات واقسام اور توبہ کے طریقوں پر مشتمل ہے، باب ہفتم میں "استعداد للموت" کا بیان ہے یعنی یہ تلقین

marfat.com

کہ اس دشوار گذار گھاٹی سے گزرنے کے لیے زادِ راہ ہر وقت تیار رہنا چاہیے اور "بزن" سنتے ہی بلا تامل چل پڑنا چاہیے، پھر اگلی منزل (قبر) میں جو وحشت، تنہائی، تاریکی، اور کیڑے مکوڑوں کا گھر ہے، پڑاؤ کرنے کے لیے اپنی سہولت کی خاطر جملہ اسباب مہیا کر لینا چاہیے، اگلے چھ ابواب ریا، اور اس کی مختلف صورتوں کے لیے مخصوص ہیں، چودھویں باب میں اخلاص کی اہمیت اور ضرورت کو بڑی عمدگی اور خوبصورتی سے واضح کیا گیا ہے اور باقی جملہ ابواب ان مضامین و موضوعات پر مشتمل ہیں، حسد کی برائی، کبر کی مذمت، عجب کی ہلاکت خیزی، شیطان سے حذر و اجتناب کے طریقے، نیت کی تشریح، تواضع کی فضیلت اور آخر میں اس راہ کے راہی کے لیے ایک مبسوط اور مرتب نظام الاوقات ہے، جس کی پابندی سے وہ اصلاح نفس، ضبط نفس اور تزکیہ نفس کر سکتا ہے اور اپنے حقیقی مقصد زندگی کو پا سکتا ہے۔

کتاب الصدق

یہ کتاب اس لحاظ سے اہم ہے کہ شیخ فرید الدین عطارؒ (م: ۶۲۰ھ) نے اس کتاب کے مصنف کو "لسان الصدق" لکھا ہے، ضخامت کے اعتبار سے کم مگر معانی و معارف کے لحاظ سے یہ اہم کتاب صدیوں سے صوفیاء کے ہاں ایک مقدس صحیفہ سمجھی جاتی ہے اس کتاب میں جس سادگی سے تعلیمات شرعیہ کو بیان کیا گیا ہے یہ اسی کا حصہ ہے۔ کتاب کا رنگ سوال و جواب کا سا ہے، ابتدا میں اخروی نجات کے لیے تین اصولوں کی پیروی کو ضمانت قرار دیا ہے، پہلا اصول اخلاص، دوسرا صدق اور تیسرا صبر ہے، اور ان تینوں کو ایک اکائی قرار دیا ہے اور ایک دوسرے کے لیے جزو لاینفک بتایا ہے، بلکہ یہ تینوں باہم اکمال و تکمیل کا ذریعہ ہیں اس کے

marfat.com

بعد پھر صدق کی تفصیلات پیش کرنے کے لیے متعدد فصلیں قائم کی ہیں، اخلاص میں صدق، صبر میں صدق، معرفت نفس میں صدق، ورع میں صدق، زہد میں صدق، توکل میں صدق، خوف وخشیت میں صدق، حیا میں صدق اور محبت و معرفت میں صدق، جب ان فصلوں کی تشریح کرتے ہیں تو بالالتزام اس ترتیب کا خیال رکھتے ہیں، اولاً آیت یا آیاتِ قرآنی، ثانیاً احادیث نبوی، ثالثاً آثار و اقوالِ صحابہ کرام بالخصوص سیدنا صدیق اکبرؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کی سیرتوں سے استدلال و استشہاد، اس بقامت کہتر مگر بقیمت بہتر کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد تشکی سے تشکی ذہن یکسو ہو جاتا ہے کہ فی الواقع تصوف محکم قرآن، فرمانِ رسولؐ اور اسوۂ اصحابؓ کے علاوہ کچھ نہیں، طوالت کا خطرہ ہے ورنہ اس کتاب کے چند روح پرور اور یقین افروز اقتباسات پیش کیے جاتے۔

کتاب اللمع

اس کتاب کا تعارف خود مصنف کے الفاظ میں یوں ہے،

"میرا مقصد یہ ہے کہ تصوف کے صحیح اصول و قواعد کی وضاحت کر دوں اور یہ ثابت کر دوں کہ یہ اصول کتاب و سنت سے مطابقتِ تامہ رکھتے ہیں اور اتباع رسولؐ و صحابہ ان کی غایت ہے۔"

یہ کتاب بھی ماسبق دو کتابوں کی طرح تصوف کے حقیقی خدوخال واضح کرنے میں بڑی مدد دیتی ہے، مصنف نے اس کتاب کے ایک باب میں قرآن و سنت کو تصوف کا اصلی ماخذ قرار دیا ہے اور صوفیاء کے طریق استنباط کی وضاحت کی ہے، اس کتاب کی خصوصیات میں یہ بات شامل ہے کہ مصنف نے دیدہ ریزی اور جگر کاوی سے تصوف کے بارے میں دماغوں میں ابھرنے والے اعتراضات

marfat.com

کا بھرپور جائزہ لے کر غلط فہمیوں کا ازالہ فرمایا ہے، اس کتاب کے ضمن میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض مقامات پر اگرچہ مصنفؒ نے بعض صوفیاء کی شطحیات کی تاویل کر کے انہیں صحیح رُخ دینے کی کوشش کی ہے، مگر اصولی طور پر آپ نے مسلک تصوف کو "مقید بالکتاب والسنۃ" قرار دیا اور تسلیم کیا ہے، اس کتاب میں ان تمام غلط عقیدوں، گمراہ کن نظریوں اور ذہنی اختراعوں کا قلع قمع کر دیا گیا ہے، جنہوں نے تصوف کو ایک سنجیدہ علمی، فکری، معاشرتی، اخلاقی اور روحانی تحریک کے مقام و منصب سے ہٹا کر بازیچۂ اطفال بنا دیا تھا مثلاً اتحاد و حلول کا باطل نظریہ نیز انہوں نے قرامطہ، باطنیہ اور اس کے دیگر فرقِ باطلہ کے تمام لغو عقیدوں کی تردید و تغلیط کی ہے، اس کتاب میں تصوف کا وہی مفہوم پیش کیا گیا ہے جو پیشرو بزرگوں نے پیش کیا اور جو اس کا حقیقی مفہوم ہے، یعنی اتباعِ شریعت، ہم طوالت کے خوف سے بچنے کے لیے اس کے ابواب کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے، ان سب کا خلاصہ پیش کر دیا گیا ہے۔

التعرف لمذھب اھل التصوف

لولا التعرف لما عرف التصوف (اگر کتاب "التعرف" نہ ہوتی تو ہم تصوف سے آگاہ نہ ہوتے)، یہ قول شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا ہے اور یہی بات یہ ہے کہ اس کتاب کے تعارف کے لیے ایک فقرہ کافی ہے، اس کتاب کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں، یہ کتاب ان چند کتابوں میں سے ایک ہے جن کی شہرت چار دانگ عالم میں ہے، جس میں اس کے ایجاز و اختصار مگر معانی و معارف سے لبریز ہونے کا خاصہ دخل ہے، یہ کتاب ان غلط فہمیوں کے ازالہ کے لیے لکھی گئی، جو منصور حلاجؒ کے تختہ دار پر لٹکنے کے بعد تصوف کے بارے میں عوام و

marfat.com

خواص کے ذہنوں میں پیدا ہو گئی تھیں، حق یہ ہے کہ مصنفؒ کے تصوف کے بارے میں سچے احساس، قلبی اخلاص اور کتاب کی متانت و سنجیدگی نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا ہے اور تصوف کے گرد آلود شیشہ کو یوں مصفی کر دیا ہے کہ اس میں قرآن و سنت کے نقوش بڑے واضح اور روشن انداز میں دیکھے جا سکتے ہیں کتاب میں مصنفؒ نے زیادہ تر اسلاف صالحین کے اقوال نقل کیے ہیں اگر کہیں تشریح کی ضرورت پڑی ہے تو نہایت ہی مختصر مگر دلنشین انداز میں چند الفاظ لکھ دیے ہیں، اس کتاب کے اوّل میں صوفیوں کے عقائد و احوال کا ذکر کیا ہے، اور معرفت الٰہی، ایمان حقائق ایمان، شرعی مذاہب، تقدیر و خلق افعال، روح، شفاعت اور قرآن کے بارے میں تشریحات قلمبند کی ہیں لیکن اس کتاب کا اصل مقصود اور اس کا عطر وہ حصہ ہے جہاں تصوف کی تعلیمات پر مشتمل عنوانات باندھے گئے ہیں، تصوف کے متعلق بزرگوں کے اقوال جمع کرنے کے بعد اس کی تعلیمات کی تفصیل دی ہے۔ ان میں کچھ عنوانات یہ ہیں،

توبہ کے بارہ میں صوفیاء کے اقوال، زہد کے بارے میں اقوال، صبر کے متعلق اقوال، فقر کے بارہ میں اقوال، تواضع کے بارہ میں اقوال، خوف کے بارے میں اقوال، تقویٰ کے بارہ میں اقوال، اخلاص کے بارے میں اقوال، شکر کے بارے میں اقوال، توکل کے بارے میں اقوال، رضا کے بارے میں اقوال اور یقین کے بارے میں اقوال، مندرجہ بالا عنوانات کسی بھی لحاظ سے شریعت سے نہیں ٹکراتے بلکہ یہی اعمال و احوال شریعت کی روح اور غرض و غایت ہیں، تصوف کو سمجھنے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی کتاب جامع اور مفید نہیں اگرچہ رسالہ قشیریہ اور کیمیائے سعادت بھی بہت کارآمد کتابیں ہیں مگر اس کتاب کے اختصار نے اسے چار چاند لگا دیے ہیں اور اسے بجا طور پر تصوف کا "انسائیکلوپیڈیا" کہا جا سکتا ہے، اس

marfat.com

کتاب کے آخر میں اگرچہ خاص قسم کی صوفیانہ اصطلاحات و کیفیات کا ذکر آگیا پھر بھی ان اصطلاحات کو اس دور کے تناظر میں دیکھنے اور اس کتاب کے بیان کی سادگی و صفائی کو پیشِ نظر رکھنے کے باعث طبیعت بوجھ اور وحشت محسوس نہیں کرتی، بلکہ ہلکے پھلکے انداز کی وجہ سے طبیعت ایک خاص قسم کا سرور اور ذوق محسوس کرتی ہے ان اصطلاحات میں غیبت و شہود، تجلی و استتار، فنا و بقا، سکر و محو، اور تجرید و تفرید وغیرہم شامل ہیں لیکن ان کے بارے میں جس انداز میں اظہارِ خیال کیا گیا اور جو اقوال پیش کیے گئے ہیں وہ اس قدر پیچیدہ یا مشکل نہیں جس کے سمجھنے کے لیے سقراطی ذہن اور افلاطونی دماغ درکار ہو، ذرا سی توجہ سے ان کا مفہوم دماغ میں اتارا جا سکتا ہے، بہر کیف یہ کتاب جس طرح اپنے اوائل دور میں اہم تھی اب بھی اس کی اہمیت برقرار ہے بلکہ دوچند ہو گئی ہے۔

رسالہ قشیریہ

یوں تو اس کتاب سے پیشتر تصوف پر خاصا کام ہو چکا تھا مگر ابھی تک حُسنِ ترتیب اور حسنِ تنوع کی حامل ایک کتاب کی ضرورت تھی، امام ابو قاسم قشیریؒ نے یہ کتاب لکھ اس ضرورت کو پورا کر دیا، اور جس بالغ نظری سے آپ نے یہ کام کیا آپ ہی کا حصہ ہے، امام نہ صرف ایک معروف صوفی ہیں بلکہ آپ کا شمار حفاظِ حدیث میں بھی ہوتا ہے، اس لیے کتاب میں قرآنی آیات کے بعد جب احادیث کا حوالہ آتا ہے تو حوالے کی اہمیت اور دلچسپی اس وقت بڑھ جاتی ہے، جب احادیث اپنی سند سے پیش کرتے ہیں، اس کتاب کی اہمیت و وقعت کتنی ہے اس کا اندازہ تصوف و صوفیا کے مخالفین کے سرخیل امام ابنِ تیمیہؒ کے اس قول سے ہو جاتا ہے۔

marfat.com

"اگر تصوف کا مطالعہ کرنا ہو تو رسالہ قشیریہ کا مطالعہ کیا جائے"۔

فارسی زبان میں سب سے اولین اور مستند تالیف شیخ علی ہجویری رحمہ اللہ کی "کشف المحجوب" ہے زبان بیان کے اعتبار سے سادہ اور واضح ہے، اس میں رسالہ قشیریہ کا تتبع کیا گیا ہے یہ بھی رسالہ کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے ایک دلیل ہے یہ کتاب کیوں کر منصۂ تالیف پر آئی؟ اس کی وجہ خود مصنفؒ بیان فرماتے ہیں۔

"طریقت میں خلا پیدا ہو گیا ہے، نہیں بلکہ در حقیقت طریقت مٹ چکی ہے، جن شیوخ سے لوگ ہدایت پاتے تھے گذر چکے ہیں اور اب وہ نوجوان بھی کم پائے جاتے ہیں جو ان شیوخ کے اخلاق و سیرت کی پیروی کرتے تھے، پرہیزگاری جاتی رہی اور اس کی بساط لپیٹ لی گئی اور لالچ بڑھ گیا اور اس کی چٹانیں مضبوط ہو گئیں لوگوں کے دلوں سے شریعت کا احترام اُٹھ گیا، حلال و حرام میں تمیز کرنا چھوڑ دیا، لوگ عبادات کے ادا کرنے کو حقارت سے دیکھتے ہیں، صوم و صلوٰۃ کی اہانت کرتے ہیں، غفلت کے میدان میں گھوڑے دوڑاتے ہیں اور اپنی خواہشات کی تابعداری میں لگے ہوئے ہیں......... یہ لوگ اس قسم کی بداعمالیوں پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھا کر حقائق اور احوال کی طرف اشارہ کرتے ہیں......... وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ وہ حق پر قائم ہیں اور حق کے احکام جو ان پر جاری ہوتے ہیں وہ تو محو ہو چکے ہیں چاہیں وہ کریں یا نہ کریں اللہ انہیں عتاب و ملامت نہیں کرتا......... جب میں نے یہ دیکھا کہ آج کل اللہ کی طرف سے ہماری آزمائش طول پکڑ چکی ہے......... مجھے اس بات پر غیرت آئی کہ اہل طریقت کو برائی سے یاد کیا جاتا ہے

اور مخالفین ان پر نکتہ چینی کیے جانے سے لطف اٹھاتے ہیں....
.... میں امید کرتا تھا کہ اس خلا کے اسباب معدوم ہو جائیں گے
.... لیکن مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں لوگ یہ خیال نہ کر
بیٹھیں کہ طریقت کے قواعد کی بنیاد ہی انہی امور پر ہے اور ان کے
اسلاف بھی اس قسم کی روش اختیار کرتے رہے، لہٰذا یہ رسالہ لکھ
کر میں نے آپ لوگوں کو بھیجا"۔

مصنف کی زبانی تصنیف کی غرض و غایت ہی بتا رہی ہے کہ رسالہ کن موضوعات و مضامین پر مشتمل ہوگا، جو شخص شرعی حدود کی پامالی، اخلاقی گراوٹ، تقویٰ کے عدم لحاظ، حلال و حرام کی تمیز کے فقدان، بداعمالیوں پر اصرار اور خواہشوں کی پیروی پر کڑھن اور دکھ محسوس کر رہا ہے وہ خود کس طرح ایسے مسلک کی ترویج و اشاعت ایک مستقل رسالہ کے ذریعے سے کر سکتا ہے، جس مسلک کا شریعت سے کوئی تعلق نہ ہو، قشیری کے ہاں وہی تصوف رائج اور راجح ہے، جس کے نہ صرف ڈانڈے شریعت سے ملتے ہیں، بلکہ شریعت ہی کے سوتے سے اس کے فوارے پھوٹتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے، یہ رسالہ متنوع اور وسیع الاطراف ہے، اس میں جہاں تعلیماتِ تصوف کا بیان ہے وہاں مشائخ کبار کی سوانح بھی ہیں ایک طرف اگر کرامت پر بحث کی گئی ہے تو دوسری جانب مرید کے لیے وصایا بھی مرتب کیے گئے ہیں، ہم چونکہ موضوع کو طول دینا پسند نہیں کرتے اس لیے رسالہ میں مندرجہ مضامین کا بالاستیعاب احاطہ نہیں کرتے بلکہ صرف ان ابواب کا ذکر کیے دیتے ہیں جو رسالے کا اصل لبِ لباب ہیں یعنی اخلاق و اعمال، جنہیں دیکھنے کے بعد ایک بار پھر یقین ہو جائے گا کہ تصوف واقعتہً شریعت کے تنے سے

marfat.com

نکلی ہوئی ایک شاخ ہے، شیخؒ نے صوفیانہ اصطلاحات پر بھی لکھا ہے ان اصطلاحات میں وقت، مقام، حال، قبض و بسط، ہیبت، انس، تواجد، وجود، وجد، جمع، فرق، فنا، بقا، غیبت، حضور، صحو، سکر، محو، اثبات اور تلوین، تمکین وغیرہ شامل ہیں، لیکن انہیں پیچیدہ بنانے کے بجائے شیخ نے بڑی سادگی اور عمدگی سے ان کی تشریح کر دی ہے، ان ابحاث کو پڑھنے سے ایک شخص اپنی معلومات میں اضافہ محسوس کرتا ہے، اخلاق و اعمال کے سلسلہ میں ابواب کی تفصیل درج ذیل ہے :-

توبہ - تقویٰ - ورع - زہد - خوف - رجا - خشوع و تواضع - حسد - قناعت - توکل - شکر - صبر - اخلاص - صدق - فتوت - خلق اور فقر وغیرہم ۔

رسالہ کے تعارف کے ضمن میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ فی الحقیقت، تصوف، قرآن و سنت سے ماخوذ ہے ۔

صد میدان

یہ کتاب اس جلیل القدر شیخؒ کی تصنیف ہے، جو بیک وقت محدث اور متصوف تھا، عربی ادب میں درک اور شغف کا یہ عالم تھا کہ ایک آیت کی تفسیر و تشریح کے وقت عربی کے چار چار سو اشعار کے زبانی حوالے دیا کرتے تھے، بارہ ہزار حدیثیں اسناد صحیحہ کے ساتھ یاد تھیں، آپ صرف محدث، ادیب اور متصوف ہی نہ تھے بلکہ اس قافلۂ سخت جان کے ایک فرد فرید تھے، جو ہمیشہ حق کے غلبہ و استیلاء کے لیے ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہا۔ یہی کچھ آپ کے ساتھ ہوا، الزامات کی بوچھاڑ، مخالفتیں، طعن و تشنیع اور وہ سب کچھ جو راستے میں

marfat.com

رکاوٹ بن سکتا مگر آپ نے پامردی کے ساتھ یہ سنگلاخ وادی عبور کر ڈالی اور یوں ایک داستان رقم کر دی، قرآن و سنت کی ترویج و اشاعت آپ کی زندگی کا مقصد تھا، قلمی و زبانی تبلیغ کا سلسلہ بھی عرصہ دراز تک جاری رکھا، زیر تبصرہ کتاب آپکے ارشادات و ملفوظات کا مجموعہ ہے، آپ کے ایک مرید نے اسے مرتب کیا جس سے تصوف کی بلند پایہ اور بنیادی کتابوں میں ایک حسین اضافہ ہوا، اس کتاب میں "وصول الی اللہ" کے ان مقامات کا ذکر ہے جن سے گزر کر طالبِ صادق اپنے مطلوبِ حقیقی کو پا لیتا ہے، ہر مقام کی مناسب تشریح سے پہلے اکثر و بیشتر قرآنی آیات سے استناد کیا گیا ہے اور پھر ہر ایک کے ضمن میں تین تین نکات بیان کیے گئے ہیں، ایک نمونہ ملاحظہ ہو ۔

"صبر"

"ساتواں میدان صبر ہے، قصد کے میدان سے صبر کا میدان نکلتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

وان تصبروا خیر لکم (۴ : ۲۵)

(اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہو گا)

صبر کے تین ارکان ہیں :-

۱۔ مصیبت پر صبر کرنا جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا " اصبروا "

۲۔ معصیت پر صبر کرنا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا " وصابروا "

۳۔ طاعت پر صبر کرنا ۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا " ورابطوا "

تکلیف پر صبر محبت کے باعث کیا جاتا ہے اور اس سے تین چیزیں برآمد ہوتی ہیں "۔

marfat.com

اسی انداز میں دوسرے "سو میدانوں" کی تشریح و توضیح کی گئی ہے، ان میں سے کچھ یہ ہیں، توبہ، انابت، مروت، فتوت، صبر، محاسبہ، زہد، تقویٰ، یقین، بصیرت، توکل، رضا، اخلاص، تبتل، اخلاص، عزم، استقامت، تفکر، تذکر، فقر، تواضع، خوف، خشوع، رجاء، احسان، صدق، صفا، حیاء، ایثار، تفویض، توحید، علم، حکمت، وغیرہم۔

یہ کتاب مصنف کی ژرف نگاہی اور نکتہ رسی کا عمدہ شاہکار اور طالبین صادقین کے لیے ایک روحانی اور اخلاقی سوغات ہے۔

منہاج العابدین

امام غزالیؒ کے دوسرے دور کی تصنیفات میں سے احیاء العلوم، کیمیائے سعادت اور منہاج العابدین ہمارے پیش نظر ہیں، دل تو یہ چاہتا ہے کہ ان تینوں عظیم وضخیم اور نہایت ہی گراں قدر کتابوں کا جائزہ لیا جائے، لیکن طوالت کا خوف دامنگیر ہے اس لیے ممکن نہیں، البتہ طبیعت میں یہ کش مکش برپا ہے کہ جائزہ اور تعارف کے لیے کس کتاب کا انتخاب کیا جائے جبکہ ہر کتاب اپنی جگہ پر دُرّ بے بہا اور گوہر نایاب ہے۔ "احیاء العلوم" پر نظر پڑتی ہے تو اس کی عظمتوں کا کنارہ نظر نہیں آتا، یہ وہ عظیم المرتبت اور ضخیم کتاب ہے جو بعض محققین کے نزدیک اس دور کی تصنیف ہے، جب امامؒ پر جذب و شوق کی کیفیت طاری تھی۔ "اس کتاب کو شیخ علیؒ نے پچیس ۲۵ مرتبہ حرفاً حرفاً پڑھا اور ہر مرتبہ خاتمے پر ایک عام دعوت کا اہتمام کیا۔"

"شیخ محی الدین اکبرؒ احیاء العلوم کا مطالعہ کعبہ کے سامنے بیٹھ کر کیا کرتے تھے۔"

"کیمیائے سعادت" سامنے آتی تو یہ دامن کھینچ لیتی ہے، آخر وہ کتاب کتنی بلند پایہ

marfat.com

ہوگی جسے خود مصنف کیمیائے سعادت قرار دے رہا ہے، اس کتاب میں کوئی ایسا رکن باقی نہیں رہا جو اصلاح اخلاق و معاشرت کے لیے ضروری ہو، مگر اس میں درج نہ کیا گیا ہو، بناء بریں یہ کتاب بھی اس لائق ہے کہ اس کا بھرپور جائزہ لیا اور تعارف حاصل کیا جائے، مگر یہاں وہی خوف طوالت ہے جو قلم کی عنان کھینچ لیتا ہے۔

رہی تیسری کتاب "منہاج العابدین الیٰ جنت رب العالمین" تو یہ وہ کتاب ہے جس کے بارہ میں مصنف خود رقمطراز ہیں:۔

> "اُس (اللہ تعالیٰ) نے اپنے فضل و کرم سے عبادت کے عجیب و غریب اسرار و رموز پر مطلع فرمایا اور مجھے اس کتاب کی ترتیب و تدوین کا الہام فرمایا، ایسی ترتیب میں کسی اور کتاب کی تصنیف میں قائم نہیں کر سکا۔ یہ وہ تصنیف ہے جس کی میں خود تعریف کرتا ہوں"۔

امام غزالیؒ کی یہ آخری تصنیف ہے، جسے بجا طور پر امامؒ کے افکار کا آئینہ کہا جا سکتا ہے، امام نے اس کتاب میں سات گھاٹیوں کا ذکر فرمایا ہے، جنہیں عبور کر کے انسان خدا کی جنت میں داخل اور قربِ خداوندی سے سرفراز ہو سکتا ہے اُن گھاٹیوں کی ترتیب اس طرح ہے۔ پہلی گھاٹی علم، دوسری توبہ، تیسری عوائق و موانع، چوتھی عوارض، پانچویں بواعث، یعنی عبادت پر ابھارنے والی چیزیں، چھٹی قوادح یعنی عبادت میں خرابیاں پیدا کرنے والی اور ساتویں حمد و شکر، پھر ان کی تشریح میں اس امر کا اہتمام کیا گیا ہے کہ پہلے قرآنی آیات سے استناد کیا گیا، پھر احادیث نبویہ نقل کی گئیں، پھر اس کے بعد ضروری توضیح و تشریح کر دی گئی، یہ کتاب اس قدر مرتب، مربوط، مسلسل اور پرکشش ہے کہ راقم الحروف کے تجربے و مشاہدے کے مطابق پوری کتاب پڑھے بغیر کروٹ بدلنے کو جی نہیں چاہتا، کیونکہ جب یہ کتاب لکھی گئی تو اس وقت مصنف محمد بن محمد نہیں بلکہ

marfat.com

امام غزالیؒ تھا، جامعہ نظامیہ کا قال اقولی مدرس نہیں بلکہ اخلاقیات کا معلم تھا کتب کا خشک فاضل نہیں بلکہ بیاباں نوردی کر کے فاروقیؓ و سلمانیؓ روح اپنے اندر بیدار کر چکا تھا، اس کا علم "سفینے" میں نہ تھا بلکہ اب سینے میں آچکا تھا، منہاج العابدین کا مصنف کتاب لکھتے وقت "از دل خیزد بر دل ریزد" والی کیفیت کے مقام پر تھا، تو پھر کیوں نہ کتاب میں تاثیر کشش اور عمل پر ابھارنے والی کیفیت پیدا ہوتی، کتاب کے ایک مقام پر داعیانہ اور مصلحانہ رنگ ملاحظہ کیجئے، لکھتے ہیں،

"کیونکہ دونوں قسم کے ظاہری و باطنی احکام کے متعلق ایک ہی رب نے ایک ہی کتاب میں حکم دیا ہے، مگر تم باطنی اور اوصاف سے مطلقاً بے خبر ہو چکے ہو اور ایسے لوگوں کے لیے فتوے لکھنے میں مصروف، ہو جنہوں نے دنیا ہی کو کعبہ مقصود ٹھہرالیا ہے، یہاں تک کہ انہوں نے نیکی کو برائی کا اور برائی کو نیکی کا درجہ دے دیا ہے افسوس تم ایسے لوگوں کے لیے فتویٰ نویسی میں مشغول ہو کر پاکیزہ علوم سے بے پروا ہو گئے ہو، جنہیں اللہ تعالےٰ نے اپنی مقدس کتاب میں نور، حکمت اور ہدایت وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے ......
اے بھلائی کے دعویدارو! تمہیں اس کا خوف نہیں کہ بڑے بڑے فرائض کو پس پشت ڈال رہے ہو اور نفل نماز روزہ میں مشغول ہو، فرائض سے تارک ہو کر نوافل ادا کرنے والو! ان نوافل کی کوئی وقعت نہیں"۔

قارئین جان گئے ہوں گے کہ امام غزالیؒ کس قسم کے تصوف کے علمبردار ہیں، تصوف کو "مسلک سکر" کہا جاتا ہے ذرا انصاف کا دامن تھامیے اور دیانت کو آواز دیجئے کیا یہ "مسلک سکر" ہے یا "مذہب صحو" ہے، واجبات شرعیہ کی

marfat.com

ادائیگی اور فرائض کی سرانجامی کے لیے یہ تڑپ، یہ بیقراری، یہ سوز اور یہ درد "سکر" کی غمازی کر رہا ہے یا "محو" کی!

فتوح الغیب

یہ کتاب اس نامور اور مشہور زمانہ بزرگ کی تصنیف ہے جسے غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کے نام نامی اسم گرامی سے یاد کیا جاتا ہے، یہ وہ عظیم المرتبت شخصیت ہے جسے عوام و خواص دونوں طبقوں میں لازوال شہرت و عزت حاصل ہے، آپ کی خدمات جلیلہ کا جائزہ لیا جائے تو آپ پر "محی الدین" کا لقب صحیح معنوں میں صادق آیا ہے، آپ نے واقعتہً اسلام کی غوطے کھاتی کشتی کو ساحل پر پہنچا دیا، اس مرد مولانے جھونپڑی میں بیٹھ کر اس انداز میں دلوں پر حکمرانی کی کہ بڑے بڑے بادشاہوں نے تخت و سپاہ کے باوجود بھی اس طرح فرمانروائی نہ کی ہوگی، اس ایک وجود سے اسلام کو اتنا فائدہ پہنچا جس کا مقابلہ ہزاروں لاکھوں انسانی نفوس نہیں کر سکتے، آپ نے تزکیۂ باطن، تصفیۂ قلب، اصلاح اخلاق و اعمال، ترویج شریعت، اشاعت اسلام اور استیلائے حق کا اس قدر بھاری کام سرانجام دیا کہ ایک زمانہ انگشت بدنداں ہے، آپ کی یوں تو متعدد تصنیفات و تالیفات ہیں اور ہر تصنیف و تالیف اپنی جگہ قابل قدر اور اہم ہے مگر ان میں "فتوح الغیب" جیسی مختصر مگر جامع کتاب کو ایک خاص منزلت اور اہمیت حاصل ہے، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ افتتاحیہ میں لکھتے ہیں۔

"یہ چند کلمات ہیں جو "فتوح الغیب" سے مجھ پر ظاہر ہوئے، دل میں اتر گئے اور بھر گئے۔ پھر راستیٔ حال نے ان کو باہر لا کر ظاہر کیا اور اللہ کی رحمت و مہربانی سے ان کلمات کو مریدوں اور راہ حق کے طالبوں کی

marfat.com

رہنمائی کے لیے قالبِ گفتارِ صحیح میں ظاہر کرنے پر میری مدد فرمائی"۔

یہ کتاب اٹھتر مقالات پر مشتمل ہے اور ہر مقالہ حکمت و موعظت کا خزینہ بے بہا ہے، جس کی سادگی اور دل میں کھب جانے والے انداز میں شیخ نے بات کی ہے یہ سلیقہ شائد ہی کسی کو آتا ہو، یہ کتاب جہاں ایک طرف وعظ و نصیحت سے لبریز اور معنوی محاسن سے بھرپور ہے وہاں اس کے الفاظ کا دروبست، صحیح انتخاب اور برمحل استعمال اس کتاب کو ایک ادبی شہ پارہ بنا دیتا ہے، مقالے کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو، یہ ساتواں مقالہ ہے، عنوان "اذہاب غم القلب" یعنی دل کی پریشانی کیوں کر دور ہو، فرماتے ہیں :۔

"ہر چیز اللہ کو سونپ دے اور اپنے دل کے دروازہ پر اللہ کا دربان بن جا، وہ دل میں آنے کا جسے حکم دے اُسے آنے دے اور جسے منع کرے اسے روک دے پس ہوائے نفس کو دل سے نکل جانے کے بعد پھر دل میں نہ آنے دے"۔

اس کتاب کے مقالات کے مضامین یہ ہیں :۔

مقالہ نمبر ۲ بہتر کاموں کی نصیحت، مقالہ نمبر ۱۳ احکام خداوندی مان لینے کا بیان، مقالہ نمبر ۱۵ خوف و رجاء، مقالہ نمبر ۱۶ توکل اور اس کے مقامات، مقالہ نمبر ۱۸ نزول بلا پر شکایت نہ کرنے کی تاکید، مقالہ نمبر ۲۴ بابِ الٰہی کو مضبوط پکڑنے کی تاکید، مقالہ نمبر ۲۷ خیر و شر دو میوے ہیں، مقالہ نمبر ۳۱ خدا کے لیے بغض اور محبت کرنا، مقالہ نمبر ۵۳ خوشنودیٔ الٰہی طلب کرنے کی تاکید، مقالہ نمبر ۷۰ عمل پر مغرور نہ ہونے کی تاکید، مقالہ نمبر ۷۵ آٹھ خصلتوں پر تصوف کی بنا ہے۔

یہ تھا فتوح الغیب کا اجمالی تعارف، اب قارئین خود فیصلہ فرمالیں کہ شیخ حارث محاسبیؒ ہوں یا ابو سعید خرازؒ، امام قشیریؒ ہوں یا داتا گنج بخشؒ، امام غزالیؒ

marfat.com

ہوں یا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ان سب کا تصوف کیا تھا ؛

کشف المحجوب

عربی میں تصوف کی قدیم ترین کتاب جس طرح "کتاب الرعایۃ" ہے اسی طرح فارسی میں تصوف کی قدیم ترین کتاب "کشف المحجوب" ہے، اور تصوف پر برصغیر پاک وہند میں لکھی جانے والی پہلی کتاب یہی ہے، اس کتاب کے مصنف سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ ہیں، داتا ہجویری کو مسلمانان پاک وہند میں جو عظمت و شہرت حاصل ہے ایسی مثالیں تاریخ میں خال خال ملتی ہیں، جیساکہ 'رسالہ قشیریہ' کے تعارف میں لکھا جاچکا ہے کہ حضرت داتا ہجویریؒ نے اپنی تالیف و تصنیف کے لیے اپنے قریبی معاصر امام ابوالقاسم قشیریؒ کے رسالے کو نمونہ قرار دے کر اس کا تتبع کیا مگر کشف المحجوب کی انفرادیت اپنی جگہ قائم اور مسلم رہی اور وہ یوں کہ امام قشیریؒ نے اپنی کتاب میں زیادہ تر متقدمین کے حوالوں پر اکتفا کیا ہے اور ان کے اقوال و حوال کو کافی سمجھا ہے مگر مخدوم ہجویریؒ نے اپنی تالیف میں مجتہدانہ اور محققانہ طرز اختیار کیا ہے، اس میں آپ نے ذاتی مشاہدات و واردات کا ذکر کر کے کتاب کی ثقاہت اور دلچسپی میں اضافہ کردیا ہے، ایک سائل نے تصوف کی ماہیت سمجھنے کی غرض سے کچھ سوالات کیے آپ نے جواب کے طور پر یہ محققانہ اور لاجواب کتاب قلمبند فرمادی،

اس کتاب کے مندرجات اور عنوانات اس کا بہترین تعارف ہیں جن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آئمہ صوفیا رکن رجحانات کے حامل تھے، عنوانات کی ایک جھلک ابواب کی حسن ترتیب اور مضامین کا تنوع ملاحظہ ہو۔

پہلا باب : ماہیت علم، علم کے اقسام، معرفت و شریعت ، سوفسطائیہ، اہل تصوف کے اقوال۔

marfat.com

دوسرا باب: اثباتِ فقر، درویش کی بزرگی، فقر و غنا سے متعلق اہل تصوف کے اقوال۔

تیسرا باب: تصوف، لفظ صوفی سے کیا مراد ہے؛ صفا

ساتواں باب: صحابہ کرام، مناقب و فضائل۔

آٹھواں باب: اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

نواں باب: اہل صُفّہ، حالات و مناقب

چودھویں باب سے کشف کا سلسلہ چلتا ہے، ان میں اسلامی تعلیمات کا عطر اور خلاصہ آگیا ہے۔ مثلاً

کشف حجاب اوّل: معرفت حق، عقل و معرفت، حقیقت معرفت، رموز معرفت۔

کشف حجاب دوم؛ توحید، توحید کے تین پہلو، توحید کا تصور۔

کشف حجاب سوم: ایمان، ماہیت ایمان، ایمان۔ اصل اور فرع، معرفت اور عبادت، ایمان اور جبر و قدر۔

کشف حجاب چہارم: طہارت، ظاہری و باطنی طہارت۔

پندرھواں باب: توبہ، توبہ سے متعلقہ امور، گناہ کی یاد، توبہ کی تین صورتیں،

الغرض یہ کتاب تصوف کا ایک ایسا گلدستہ ہے جس میں متنوع پھول سجے ہیں ہر پھول کا رنگ جدا اور خوشبو منفرد، کتاب میں مخدوم ہجویریؒ نے ان نام نہاد صوفیا، کا تعاقب کیا ہے جو اس لبادے میں تصوف کی بدنامی اور صوفیا، کی رسوائی کا باعث بنتے ہیں یہ کتاب علم و عمل کا ایسا حسین مرقع ہے جس کی ہر دور میں ضرورت محسوس ہوتی ہے اور جادۂ حق پر چلنے کے لیے مشعل راہ کا کام دیتی ہے اس کتاب کے بالاستیعاب مطالعہ کے بعد یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ تصوف کو سمجھنے کے لیے اسی ایک کتاب کا مطالعہ کافی ہے، جس سے تصوف کے تمام گوشے پوری طرح واضح ہو جاتے ہیں اور کوئی الجھن باقی نہیں رہتی،

marfat.com

اشاعت اسلام اور صوفیاء کرام

صوفیاء کرام کے بارے میں گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کا جو تاثر ہے، منجملہ دیگر تاثرات کے یہ بھی غلط ہے، اگر انصاف کی نظر سے صوفیاء کرام کی زندگیوں کا جائزہ لیا جائے، تو صوفیاء کی زندگی آرام و آسائش، عافیت اور اطمینان کی نہیں بلکہ جدوجہد اور کشمکش کی زندگی دکھائی دیتی ہے، ناسازگار ماحول، نامساعد فضا، ناسازگار ماحول، نامانوس آب وہوا اور ناخوشگوار حالات میں دینی و ملی فرائض کی انجام دہی صوفیاء کرام کا کام ہے، کٹھن حالات میں جو سخت کام صوفیاء کرام نے کیا ہے، اس کا تصور بھی انسان کو لرزا دیتا ہے اور صوفیاء کرام کی محنت، سخت کوشی اور اخلاص و ایقان کا قائل بنا دیتا ہے برصغیر پاک و ہند میں اشاعتِ اسلام کا سہرا صوفیاء کرام کے سر ہے، صوفیا کی کوششوں کا ذکر کیے بغیر برصغیر کی اشاعتِ اسلام کی تاریخ مکمل نہیں ہوتی لیکن جن حالات میں صوفیاء نے اشاعتِ اسلام کا کام سرانجام دیا اسے وہی شخص جان سکتا ہے جسے ہندوستان کی اخلاقی اور معاشرتی حالت کا کماحقہ علم ہو، خداؤں کی حد سے بڑھی ہوئی کثرت، جنسی خواہشات کی بحرانی کیفیت، طبقاتی تقسیم اور معاشرتی امتیازات کی لعنت کے دور میں توحید پرستی کا درس، ضبط نفس کی تلقین اور انسانی وحدت و اخوت کا پیغام جس جاں گسل اور صبر آزما محنت کا متقاضی ہے اسے ہر شخص بخوبی جانتا ہے اور صوفیاء نے یہی کچھ کیا ہے، دلوں میں ایک خدا کے لیے جذبۂ عبادت اور

marfat.com

محبت، کردار میں پاکیزگی اور عفت اور انسانوں کے مختلف طبقات میں وحدت و موّدت پیدا کر کے صوفیاء نے تاریخ کا رخ موڑ دیا۔

اس وقت کے ہندوستان کی معاشرتی اور اخلاقی حالت کیا تھی؟ ایک جھلک ملاحظہ کیجئے۔

"ہندوستان میں ذاتوں کی تقسیم کچھ اس طرح تھی، برہمن (مذہبی پیشوا) کھشتری (لڑنے والے) ویش (زراعت و تجارت پیشہ) اور شودر (خادم و غلام)"

ان کے درجاتِ پیدائش کیا تھے؟

"قادرِ مطلق نے دنیا کی بہبودی کے لیے اپنے منہ سے، اپنے بازوؤں سے، اپنی رانوں سے اور اپنے پاؤں سے برہمن، کھشتری، ویش اور شودر کو پیدا کیا"۔

ان کے ذمے کیا وظائف تھے؟

"برہمنوں کے لیے وید کی تعلیم اور خود اپنے لیے اور دوسروں کے لیے چڑھاوے دینا فرض قرار دیا"۔

"کھشتری کو اس نے حکم دیا کہ خلقت کی حفاظت کرے، دان دے، چڑھاوے چڑھائے، وید پڑھے اور خواہشات نفسانی میں نہ پڑے"۔

"ویش کو اس نے حکم دیا کہ مویشی کی سیوا کرے، چڑھاوے چڑھائے تجارت، لین دین اور زراعت کرے"۔

"شودر کے لیے قادرِ مطلق نے صرف ایک ہی فرض بنایا وہ ان تینوں کی خدمت کرتا ہے"۔

چھوت چھات کی کیا کیفیت تھی؟

marfat.com

"اگر شودر کسی برہمن کو ہاتھ لگائے یا گالی دے تو اس کی زبان تالو سے کھینچ لی جائے اگر اس کا دعویٰ کرے کہ اس کو وہ تعلیم دے سکتا ہے۔ تو کھولتا ہوا تیل اس کو پلایا جائے"۔

کتے، بلی، مینڈک، کوّے اور شودر کے مارنے کا کفارہ برابر ہے،، [۱]

اس ماحول میں انسانی مساوات اور وحدت کا پیغام جہاں ایک طرف انقلاب آفریں تھا وہاں حیات بخش بھی تھا، جہاں اپنے اندر بے پناہ مشکلات اور مصائب رکھتا تھا وہاں پسی اور دبی ہوئی قوموں کے لیے مژدۂ جانفزا بھی تھا، صوفیاء کرام اپنے مشن میں کس قدر کامیاب ہوئے، اس کا جواب اگلے صفحات میں آرہا ہے، تاہم دعوتِ اسلام کا مختصر سا جائزہ سر ولیم ہنٹر کے حوالے سے پروفیسر آرنلڈ کی زبانی سنیے، لکھتے ہیں :۔

"(بنگال کے) ان مفلس لوگوں کے لیے جن میں ماہی گیر، شکاری، سمندری قزاق اور نیچ ذات کے کاشتکار شامل تھے، اسلام ایک نعمت عظمیٰ تھا، جو ان پر عرش بریں سے اترا، اسلام حکمران قوم کا مذہب تھا اور اس کے پر جوش مبلغ خدا کی توحید اور انسانی مساوات کا مژدہ لے کر ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جس کو سب لوگ حقیر اور ذلیل سمجھتے تھے اور جس کا کوئی پرسان حال نہ تھا،" [۲]

پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع صوفیاء کرام کی تبلیغی مساعی اور خدمات کا ذکر کرتے ہوئے اس دور کے حالات و کوائف کے بارے میں لکھتے ہیں،

"یہاں کے لوگ ان مبلغوں سے انتہائی اختلاف رکھتے تھے، ان کی زبان اہل ملک سے انتہائی مختلف، ان کا دین اُن سے بالکل مختلف غیروں کو یہاں والے ملیچھ کہتے تھے، اُن سے میل جول، شادی بیاہ،

marfat.com

قربت، ہم نشینی، کھانا پینا سب کو ناجائز سمجھتے تھے، مسلمانوں سے رسوم و عادات میں ان کا اختلاف اس حد تک تھا کہ بقول البیرونی "وہ اپنے بچوں کو ان سے، اُن کے لباس سے اور ان کی شکل و صورت سے ڈرایا کرتے تھے"۔ [۳]

حضرت سیّد علی الہجویری المعروف داتا گنج بخش کشف المحجوب میں لکھتے ہیں۔

"اس وقت میں دیار ہند کے شہر لاہور میں ناجنسوں کے درمیان گرفتار ہوں"۔

سیر الاولیاء میں جابجا خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ اور آپ کے مریدوں کے سانپوں سے ڈسے جانے کا بار بار ذکر ملتا ہے۔ جب خواجہ فرید گنج شکرؒ شیخ کے حکم سے اجودھن تشریف لائے اور اسے تبلیغ و وعظ کا مرکز بنایا تو اس وقت اجودھن کی اخلاقی، علمی اور مذہبی حالت کیا تھی؟ حامد بن فضل اللہ جمالیؒ لکھتے ہیں،

"وہ ایک خراب مقام تھا، وہاں آرام کیا، اس قصبے میں لوگ زیادہ تر خراب طبع، بدمزاج اور بداعتقاد تھے"۔ [۴]

تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے مرکز کی عمارت کیا تھی؟ سہولتیں کیسی تھیں؟ رہائش کا بندوبست کس طرح تھا؟ اور کھانے پینے کے ذرائع کیا تھے؟ ملاحظہ فرمائیے۔

"قصبہ سے باہر کچھ درخت تھے، ان میں سے ایک بڑا درخت دیکھا اس درخت کے نیچے کمبل بچھا دیا اور عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے"۔ [۵]

خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں۔

"(حضرت خواجہ فریدؒ نے) پیلو پر گزارہ کیا"۔ [۶]

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے جب جادۂ رشد و ہدایت پر قدم رکھا اور اللہ کا نام لے کر اللہ کا کام شروع کیا تو کن مشکلات اور دشواریوں سے گزرنا پڑا، آپ بیتی کا ایک ورق۔

marfat.com

"میرے پاس ایک دانگ بھی نہ ہوتا کہ اس سے میں روٹیاں خرید کر خود کھاؤں اور والدہ، ہمشیرہ اور گھر کے ان لوگوں کو کھلاؤں، جو میری کفالت میں تھے، خربوزہ کی ارزانی اور فراوانی کے باوجود پوری فصل گزر جاتی اور خربوزہ چکھنا نصیب نہ ہوتا۔" ؎۷

حالات کی یہ ناسازگاری، مگر اشاعتِ اسلام کی بیقراری، بزرگانِ دین کو چین نہ لینے دیتی، بھوکے پیٹ خشک تالو، پیاسے ہونٹوں، ٹوٹے بوریے اور شکستہ حالت میں کیا کارنامے سرانجام دیئے، تاریخ کو آج تک اس پر ناز ہے، ناسازی حالات کے باوجود ان نیک طینت انسانوں کے منہ سے جو کچھ نکلتا، دل پر پڑتا، الفاظ جتنے سادہ ہوتے تاثیر اتنی زیادہ ہوتی، اُن کے قول وعمل کی ہم آہنگی لوگوں کو پیکرِ عمل بنا دیتی برصغیر پاک و ہند کی حدود میں داخل ہونے والے پہلے مبلغ اسلام اپنی جملہ بے سروسامانی کے ساتھ وہ کام کر گئے جو شاندار ادارے بھی سرانجام نہ دے سکتے، ان کی نسبت پروفیسر آرنلڈ رقمطراز ہیں۔

"ابتدائی دور کے بزرگان میں سے ایک بزرگ شیخ اسماعیلؒ ہیں جو بخارا کے سادات عظام میں سے تھے اور دینی و دنیوی علوم میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے، ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے مبلغ اسلام تھے جو ۳۹۵ھ میں لاہور شہر میں وارد ہوئے اور وہاں تبلیغ اسلام میں مصروف ہوئے، ان کی مجلس وعظ میں لوگ بکثرت شریک ہوتے تھے اور نومسلموں کی تعداد ہر روز بڑھتی جاتی تھی، کہتے ہیں کہ جو شخص ان کے وعظ میں ایک مرتبہ آ جاتا وہ اسلام قبول کیے بغیر نہ جاتا تھا۔" ؎۸

ہندوستان میں تبلیغ اسلام کا سب سے زیادہ کام خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتیؒ نے سرانجام دیا اور آپ اور آپ کے خلفاء کی بے پناہ کوشش سے

marfat.com

ہندوستان کا چپہ چپہ نورِ اسلام سے منور ہو گیا، آپ کے اثرات مسلمانوں میں آج بھی نسلاً بعد نسلٍ موجود اور لوگوں کے دل آپ کی عقیدت سے معمور ہیں، آپ نے تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے لیے خطۂ ہند کیوں منتخب فرمایا؟ یہ ایک دلچسپ اور ایمان افروز داستان ہے، اقتباس ملاحظہ فرمائیے،

"مشہور ہے جب خواجہ صاحب مدینہ منورہ کی زیارت کے لیے گئے تو وہاں آپ کو ہندوستان کے کفار میں تبلیغ اسلام کا حکم ملا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لائے اور اُن سے فرمایا۔ خدا نے ہندوستان کا ملک تیرے سپرد فرمایا ہے، وہاں جا اور اجمیر میں سکونت اختیار کر خدا کی مدد سے دینِ اسلام تیرے اور تیرے ارادتمندوں کے تقویٰ سے اس سرزمین میں پھیل جائے گا۔" ۹

چنانچہ آپ نے اجمیر کو اپنا مرکز بنایا، راجپوتانہ اور ملحقہ علاقوں میں تبلیغی سرگرمیاں تیز کر دیں، نتیجہ یہ نکلا کہ بشارت کے مطابق ہندوستان نورِ اسلام سے جگمگا اٹھا اور سلسلۂ چشتیہ کو مقبولیت نصیب ہوئی کہ کسی دوسرے کے لیے ایسی مقبولیت شاذ و نادر،

قال میں تاثیر اور حال میں کشش کا یہ عالم تھا کہ جس طرف نظر اٹھ جاتی، کام کر جاتی جہاں گئے کوچے لبا آئے، پروفیسر آرنلڈ لکھتے ہیں :۔

"جب آپ اجمیر جاتے ہوئے راستے میں دہلی ٹھہرے تھے تو وہاں آپ نے سات سو ہندوؤں کو مسلمان کیا تھا۔" ۱۰

آپ کے سلسلۂ عالیہ سے منسلک اور آپ کے محبوب و مقرب خلیفہ خواجہ بختیار کاکیؒ کے فیض یافتہ اور مشہور بزرگ خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ نے پنجاب کی سولہ قوموں کو مسلمان کیا۔

marfat.com

خواجہ فریدؒ اور آپ کے خلفاء و خدام کی تبلیغی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع رقمطراز ہیں :-

"شیخ فرید الدین گنج شکرؒ اور آپ کے مریدوں کی سعی مشکور سے تمام پنجاب نورِ اسلام سے منور ہو گیا۔ سیال جو پنجاب کے مغربی میدانی علاقے کی نہایت اہم اقوام میں سے ہیں اور غالباً پنوار راجپوت ہیں ان کا مورثِ اعلیٰ پاک پٹن میں جناب باباؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لایا اور اُس کی قوم نے بھی اسلام قبول کیا، سیال قوم جھنگ، ملتان، گجرات، مظفر گڑھ اور دیگر اضلاع میں پھیلی ہوئی ہے"۔ [۱۱]

خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی خدماتِ دین کو ایک ہندو مفکر رائے بہادر ہربلاس شاردا کس نظر سے دیکھتا ہے، اس کی رائے پڑھیئے :-

"خواجہ معین الدینؒ نے پرہیز گاروں کی زندگی بسر کی ..... انہوں نے زیادتی کرنے کی تلقین کبھی نہیں کی اور خدا کی تمام مخلوقات کی نسبت اُن کا نقطۂ نظر صلح اور خیر خواہی کا تھا"۔ [۱۲]

خواجہ معین الدین چشتیؒ کا سلسلہ اس قدر وسیع اور موثر تھا کہ ہندوستان کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہا جہاں آپ کے خلفاء، خدام اور فیض یافتہ افراد نہ پہنچے ہوں اور اسلام کی تبلیغ کا حق ادا نہ کیا ہو، خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ اور خواجہ نظام الدینؒ اور دونوں اہل دل بزرگوں نے اس معاملے میں جس دلچسپی اور انہماک کا مظاہرہ کیا، برصغیر کا ایک ایک مسلمان بچہ ان کا ممنون و مشکور ہے، گجرات، دکن، اور بنگال میں جو بزرگ اسلام لے کر گئے ان میں مولانا حسام الدین ملتانیؒ مولانا کمال الدینؒ، شیخ برہان الدین غریبؒ اور مولانا سراج الدین عثمانؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، یہ سب بزرگ خواجہ نظام الدین چشتیؒ کے خلفاء میں سے ہیں۔

marfat.com

شیخ ابواسحاق گازرونیؒ کی تبلیغی واصلاحی کوششوں کا کوئی احاطہ نہیں، نہ جانے ان آنکھوں میں وہ کونسی مقناطیسیت بھری تھی کہ جس جانب اٹھتیں، پروں کے پرے کھنچے آتے، جنہوں نے ایک بار ان کی حلاوت گفتار کا مزہ چکھا، زندگی بھر شہد کی مٹھاس یاد نہ آئی، ہزاروں نغموں اور ترانوں میں وہ سرور کہاں جو ان کے بے تکلف الفاظ میں ہوتا تھا، ہزاروں کتابیں وہ کچھ نہ کر پائیں جو ان کے ایک جملے نے کر دکھایا، بغیر چلہ کھینچے تیر کا کھب جانا یہ مفہوم ان کی محفل میں سمجھ آیا، اٹھی، گری اور بیٹھ گئی پھر کیا ہوا؛ دل کی کایا پلٹ گئی، خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف کی گواہی ملاحظہ کیجئے:۔

"شیخ گازرونیؒ کے دستِ حق پرست پر چوبیس ہزار غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا اور ایک لاکھ کے قریب مسلمان تائب اور حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔"

اقبالؒ نے سچ کہا ہے:۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہے تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

شیخ اسماعیلؒ جن کا ذکر ہم پیچھے کر آئے ہیں ۳۹۵ھ میں لاہور تشریف لائے، ان کی مجلس میں سامعین کا ہجوم ہوتا تھا اور ہر روز صدہا لوگ خلعت اسلام سے مشرف ہوئے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو آبِ کوثر از ڈاکٹر شیخ اکرام مطبوعہ فیروز سنز ص ۷۵

ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں سید جلال الدین بخاریؒ کی آمد بہت اہمیت رکھتی ہے، اوچ کی قدیم اور تاریخی خانقاہ کی بناء آپ کے ہاتھوں ہوئی، اس جنگل میں منگل آپ کے دم قدم سے ہوا، اوچ کا قصبہ ایک عظیم روحانی اور سیاسی مرکز بنا رہا، آپ تقریباً ۶۴۲ھ میں اوچ تشریف لائے اور آتے ہی روحانی وعلمی فیض کا چشمہ جاری کر دیا، دور دراز سے لوگ آتے رہے اور فیضیاب ہوتے رہے، اس خانقاہ سے

marfat.com

نہ جانے کتنے تلخ کام، شادکام، کتنے تشنہ لب سیراب، کتنے گم گشتہ راہ راہ یاب اور کتنے محروم فیضیاب ہوئے، آپ کے روحانی اثرات دور دور تک محسوس کیے گئے آپ کے پوتے سید احمد کبیر المعروف مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے پنجاب کے کئی قبیلوں کو مسلمان کیا تھا۔

حضرت جلال الدین تبریزیؒ نے بنگال میں قدم رکھتے ہی اپنی سرگرمیوں کا آغاز کس طرح کیا؟ پروفیسر محمد ایوب قادریؒ لکھتے ہیں۔

"وہاں رشد وہدایت کا ہنگامہ برپا کر دیا، خانقاہ اور مسجد کی تعمیر کی اور لنگرخانہ جاری کر دیا، بہت سے مسلمان حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور خاص طور پر وہ ہندو اور بدھ جو نہایت پستی کی حالت میں زندگی گزار رہے تھے، حضرت تبریزی کے ہاتھوں مشرف باسلام ہوئے"۔ ۱۳ھ

حضرت بوعلی قلندرؒ جو عراق عجم کے رہنے والے تھے، تیرھویں صدی کے اخیر میں پانی پت آکر سکونت اختیار کی اور سو سال کی عمر پا کر ۷۲۴ھ میں انتقال کیا، آپ نے اپنے مواعظ حسنہ سے خواص وعوام دونوں کو متاثر کیا اور اس حکمت ومحنت سے تبلیغ اسلام کا کام کیا کہ دنوں میں معاشرے کا رنگ بدل گیا، اوامر کی پیروی اور نواہی سے اجتناب کا دور دورہ ہونے لگا، ایک طرف غیر مسلم حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے اور دوسری طرف مسلمانوں میں جو معاشرتی اور اخلاقی برائیاں پیدا ہوگئی تھیں ان کا استیصال شروع ہوگیا۔

پروفیسر ضیاء الدین برنی کے الفاظ میں:۔

شیخ کے مبارک وجود، ان کے انفاس پاک کی برکت اور ان کی مقبول دعاؤں کی وجہ سے اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت، تصوف اور زہد کی طرف مائل اور شیخ کی ارادت کی طرف راغب ہو گئے، سلطان علاؤالدین

marfat.com

اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہو گیا تھا خواص وعوام کے دل نے نیکی اختیار کر لی تھی، عہدِ علائی کے آخری چند سالوں میں شراب وشاہد، فسق وفجور، قمار بازی، فحاشی کا نام بھی آدمیوں کی زبان پر نہیں آنے پایا، اب کبیرہ گناہ مسلمانوں کو کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے، مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خوری اور ذخیرہ اندوزی کے کھلم کھلا مرتکب نہ ہو سکتے تھے اور خوف کے مارے دکاندار دل سے جھوٹ، کم تولنے اور ملاوٹ کا رواج اٹھ گیا تھا۔[۱۴]

حضرت مجدد الف ثانیؒ جن کا نام حریت وحق پرستی کا مرادف المعنیٰ لفظ بن گیا ہے آپ کے صاحبزادے اور روحانی میراث کے وارث خواجہ محمد معصوم سرہندی المتوفی ۱۰۹۶ھ کے ہاتھ پر نو لاکھ انسانوں نے بیعت اور توبہ کی۔[۱۵]

صدر الصدور شیخ عبد النبیؒ جو دورِ اکبری کی عظیم علمی اور روحانی شخصیت گزرے ہیں، آپ نے جس جرأت، محبت اور دلسوزی سے اسلام کی تبلیغ، اوامر کی ادائیگی اور نواہی سے پرہیز کی تلقین فرمائی اسے تاریخ اسلام میں ممتاز مقام حاصل ہے، آپ کی تلقین کا اثر تھا کہ اکبر بادشاہ (مغل اعظم) نماز باجماعت کی پابندی تو ایک طرف اذان خود دیتا اور مسجد کی صفائی خود کرتا تھا۔[۱۶]

حضرت شاہ غلام علی المتوفی ۱۲۴۰ھ، جو پچھلی صدی کی ایک ممتاز روحانی شخصیت ہیں، خانقاہ مجددیہ دہلی میں بیٹھ کر حق کی شمع فروزاں کی اور طالبانِ صادق پروانے کی طرح کھنچے چلے آئے، اگر اقبالؒ کے شعر کا جامہ کہیں راست آتا ہے تو بلاشبہ شاہ غلام علی کی قامت پر آتا ہے، ؎

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیرِ مغاں ہے مردِ خلیق

marfat.com

چشم دید گواہوں کا بیان ہے کہ آپ کی خانقاہ میں پورب اور پچھم اور مغرب اور مشرق کے لوگوں کا ہجوم رہتا، بلا مبالغہ بیسیوں شہروں کے ارباب ارادت بیک وقت آپ کی مجلس میں موجود رہے اور آپ کی مجلس پر میلے کا گمان گزرتا سرسید احمد خان رح آثار الصنادید کے باب چہارم میں اپنی آنکھوں دیکھی کہانی بیان کرتے ہیں :-

"میں نے حضرت کی خانقاہ میں اپنی آنکھ سے روم اور شام اور بغداد اور مصر اور چین اور حبش کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ حاضر ہو کر بیعت کی اور خدمتِ خانقاہ کو سعادت ابدی سمجھے اور قریب قریب شہروں کا مثل ہندوستان اور پنجاب اور افغانستان کا تو کچھ ذکر نہیں کہ ٹڈی دل کی طرح امنڈتے تھے" ۱۸ھ

حضرت شاہ رؤف احمد مجددی دار المعارف میں صرف ایک روز کے طالبین کے مقامات کی فہرست میں لکھتے ہیں جو ۲۸ رجادی الاول ۱۲۳۱ھ کو دہلی کی خانقاہ مجددیہ میں استفادہ کے لیے حاضر تھے، اب شہروں کے نام ملاحظہ فرمائیے۔

"سمرقند، بخارا، غزنی، تاشقند، حصار، قندھار، کابل، پشاور، کشمیر، ملتان، لاہور، سرہند، امروہہ، سنبھل، رامپور، بریلی، لکھنؤ، گورکھپور، عظیم آباد، ڈھاکہ، حیدر آباد، پونہ وغیرہم"

اب ہم آخر میں، خاورِ تصوّف کے رخشندہ آفتاب حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رح کی تبلیغی کوششوں کا مختصر جائزہ لے کر اپنے عنوان کو ختم کرتے ہیں حضرت شیخ نے تحریر اور تقریر دونوں سے اسلام کی جو گراں بہا خدمات سر انجام دی ہیں اُن کی گھن گرج ہزار سال گزرنے کے باوجود برقرار ہے، اگر مقبولیت انام اور محبوبیت عوام کو کسی کی عظمت وہر دلعزیزی کا معیار مان لیا جائے تو حضرت شیخ رح کی ذات اس

marfat.com

پر پوری اترتی ہے، کسی کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ آپ کی آمد اسلام کے افسردہ چمن میں بادِ بہاری کی حیثیت رکھتی ہے، جس سے ہر گل رنگ و بو میں نہا گیا، اس مرد قلندر نے ٹوٹی چٹائی پر بیٹھ کر وہ کچھ کیا جو تخت و سریر پر بھی انجام نہ پا سکتا، آپ ہی کی نظر کا اعجاز اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ مندی آنکھیں یک بیک کھل گئیں، کانوں کا بوجھ ہلکا ہو گیا، دل کا غلاف اتر گیا، لغزیدہ قدم سنبھل گئے، بہکی فکر سدھر گئی، دھندلا ذہن صاف ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے نظر حق نما، کان حق آشنا اور دل خود آگاہ بن گئے، ایک زمانہ گواہ ہے کہ حضرت شیخ کے ہاتھوں قطرے دریا اور ذرے صحرا بن گئے، بے راہ ہادی اور مردے مسیحا بن گئے، یہ داستان کسے یاد نہیں، مال لوٹنے آئے تھے دل لٹا بیٹھے۔

حضرت شیخؒ کے معتمد اور ممتاز شاگرد حضرت عبداللہ جبائی روایت کرتے ہیں۔ حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے۔

"ایک لاکھ آدمیوں سے زیادہ عیاروں اور ڈاکوؤں نے میرے ہاتھ پر توبہ کی اور پانچ ہزار سے زائد یہودی مسلمان ہوئے۔" [۵۱]

مندرجہ بالا دلائل اور حوالجات کے ہوتے ہوئے یہ بات کتنی بے وزن ہو جاتی ہے کہ صوفیاء کی زندگیاں گوشہ نشینی اور عزلت نشینی میں گزریں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام محتاج تکمیل رہا مگر صوفیاء، زہاد، عباد اپنے مراقبوں میں مست رہے، کفر و باطل کا تسلط بڑھتا رہا۔ مگر اربابِ تصوف حق ہو کی ضربوں میں مشغول رہے، لوگ دین سے دور ہٹتے چلے گئے لیکن اصحاب طریقت دنیائے کشف و کرامت میں کھوئے رہے۔

سچی بات یہ ہے کہ جملہ اہل اسلام ان بے نوا فقیروں کے ممنون احسان ہیں جن کے صدقے ان کے دل نور اسلام سے منور ہوئے ورنہ کیا خبر آج ہم کسی مندر

marfat.com

میں دیوی کے چرنوں میں آلتی پالتی مارے بیٹھے اس کی ڈنڈوت بجا لا رہے ہوتے۔ پہلے سے قائم شدہ رائے کا کوئی علاج نہیں ورنہ حقیقت یہی ہے کہ ان خرقہ پوشوں نے سختی اور نرمی، سردی اور گرمی میں جس جاں سوزی کے ساتھ لوگوں کی تعلیم و تربیت، اصلاح عقاید و اخلاق اور تزکیۂ قلب و نفس کا اہتمام کیا اُس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ صوفیاء کی زندگی محض سانس کی آمد و شد نہ تھی بلکہ ایک پیکار مسلسل تھی، باطل کے خلاف، کفر کے خلاف اور فساد کے خلاف، جہدِ مسلسل تھی، سربلندیٔ حق کے لیے اور رب کعبہ کی قسم وہ اپنی مراد کو پہنچ گئے۔

marfat.com

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

اپنوں اور غیروں کے قلم اور کلام کی تان یہاں آکر ٹوٹتی ہے کہ مذہب تصوف انسان کو ترک و تجرد، گوشہ نشینی، عافیت پسندی، زندگی سے گریز، مسائل حیات سے فرار، رہبانیت، سہل کوشی اور یاس و ناامیدی کی تعلیم دیتا ہے۔ اربابِ تصوف سرجیب اپنے من میں مست رہتے ہیں انہیں معلوم نہیں کہ مسائل زندگی کیا ہیں؟ تمدنی و معاشرتی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ نظام مملکت کیسے چل رہا ہے، معاشرے میں کہاں کہاں اور کون کون سی خرابیاں رونما ہو چکی ہیں؟ ان کا سدِ باب کیسے ممکن ہے؟ رعایا کے حقوق کیا ہیں اور سربراہِ مملکت کے فرائض کیا ہیں؟ امر بالمعروف کی دین میں اہمیت اور نہی عن المنکر کی وقعت کیا ہے؟ غرض ایسے سوالات پیدا کیے جاتے ہیں جو سارے نہیں تو اکثر یا تو اپنے دماغ کی اختراع ہوتے ہیں یا غلط فہمیوں کی پیداوار، کہا جاتا ہے، صوفیا، اپنے جھونپڑوں میں رہے، انہیں کیا معلوم اربابِ حکومت عوام پر کیا مظالم ڈھا رہے ہیں؟ وہ حق ہو کی گردانوں میں مصروف انہیں کیا خبر کہ حدود اللہ کو کس بیدردی سے پامال کیا جا رہا ہے؟ وہ مجاہدوں و مکاشفوں میں منہمک، کیا جانیں کہ اقامتِ دین کی تحریک اور اس کے تقاضے کیا ہوتے ہیں؟ وہ طویل قیام و سجود اور رکوع و تشہد میں مشغول، انہیں کیسے پتہ چلے کہ "جہادِ زندگی" کیا ہے؟ یہ ہیں وہ باتیں جو لبے اور پیرائے بدل کر اور پلٹ پلٹ

marfat.com

کر کہی جاتی ہیں۔

کاش! اعتراض کرنے، الزام دھرنے اور منفی فیصلہ کرنے سے پہلے صوفیاء کرام کی زندگیوں کا بھرپور مطالعہ کیا ہوتا اور اصل ماخذ کی طرف رجوع کیا ہوتا، پھر پتہ چلتا کہ کٹیا میں رہنے والے ان بزرگوں نے کتنے ایوانوں میں زلزلے برپا کیے، ان خرقہ پوشوں نے کتنے سر پر آراؤں کو لرزہ براندام کیا، ان کی عقابی نگاہوں نے کن کن کا پتہ پانی کیا حق کے ان غیور و صبور فقیروں نے کتنے بادشاہوں کے چہروں پر شکنیں ابھاریں، ان جانباز اور سرفروش مجاہدوں نے پروانے کی خاموشی کیساتھ کس ادا سے اپنی جانیں نذرِ محبت کیں، یہ لوگ پاپیادہ سکندرانہ جلال اور قلندرانہ ادائیں لے کر کہاں کہاں پہنچے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دیا، کن زہرہ گداز اور جگر پاش حالات سے گذر کر انہوں نے حق کا علم بلند کیا، کتنے ایسے کج کلاہ ہوئے جن کی تندی و نخوت کو اپنے پاؤں پر رکھا، سینکڑوں واقعات ہیں جہاں ان بزرگوں نے گردن جھکانے پر کٹوانے کو ترجیح دی، لیکن یہ حقائق تو اس وقت اپنی اصل شکل میں ہمارے سامنے آتے جب ہماری آنکھوں پر رنگین شیشے نہ ہوتے حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ نہ صرف "جہادِ زندگانی" کی اصل رمز سے آگاہ تھے بلکہ ان کی زندگانی سراسر جہاد سے عبارت تھی، جہاں انہوں نے گلی کوچوں میں تبلیغ و نصیحت کی وہاں بڑے بڑے ایوانوں میں بھی آوازۂ حق بلند کیا اور اس قوت، شدت، اخلاص اور بے نیازی سے حق کا پرچار کیا کہ انبیاء کی سیرتیں نظروں میں گھوم گئیں، دل میں وہی جذبہ، نظروں میں وہی بے باکی، چہرے پر وہی اعتماد و سکون، زبان پر وہی کھرے جملے، بیان میں وہی طنطنہ، انداز میں وہی ولولہ، عمل میں وہی اخلاص، طبیعت میں وہی قناعت و توکل اور چال ڈھال میں وہی بے نیازی جو منصب نبوت کے حاملین کی سیرتوں میں دکھائی دیتی ہے انہوں نے نہ صرف بگڑے نوابوں، بدمست جاگیرداروں

marfat.com

جابر و ظالم بادشاہوں ، بے لگام حکمرانوں ، نخوت و کبر میں چور رئیسوں ، عیش و عشرت میں غرق مہاراجوں اور بے ضمیر وزیروں کو للکارا اور برسرِ عام للکارا بلکہ ان کی تنقید کا ہدف وہ علما رہی ہیں جو اپنے عالی منصب سے فروتر ، بادشاہوں کی کاسہ لیسی اور جاگیرداروں کی خوشامد کو اپنا دین سمجھے ہوئے تھے ، ان فقہا پر بھی برسے جنکی قبائیں اُن کے فتویٰ فروشی کے باعث بے گناہ خون سے لتھڑی ہوئی تھیں ، ان مفتیوں کا تعاقب کیا ، جن کی حیلہ جوئیوں ، دسیسہ کاریوں اور فریب سازیوں کی وجہ سے دین بازیچہ اطفال بن کر رہ گیا تھا ، اُن زاہدوں کی بھی خبر لی جو کنج خمولی میں مسائل زندگی سے بے خبر تصوراتی دنیا میں گم سُم تھے ، جنہیں کسی بیوہ کے سر سے دوپٹہ اترنے ، کسی کی بیٹی کے پیرہن پھٹنے ، کسی یتیم کے اُجڑنے اور کسی غریب کے لٹنے کا کوئی احساس نہ تھا وہ خطیب بھی ان کی حق گوئی کی سان پر چڑھے ، جن کے خطبے خشک ، وعظ بے تاثیر ، تقریریں بے روح اور مقالے بے جان تھے ، جن سے نہ آنکھوں میں عشق کا سرور اور نہ چہرے پر یقین کا نور پیدا ہوتا ، المختصر صوفیوں کا مقدس گروہ جہاں جہاں پہنچا ، تبلیغ و نصیحت کا حق ادا کرتا ، حق گوئی کے پرچم گاڑتا ، بیباکی کے پھریرے لہراتا اور اخلاص و سوز کے نشانات چھوڑتا گیا ۔

صوفیا رکرام کو جہاں کوئی خلافِ شرع کام نظر آیا فوراً ٹوکا ، جہاں قرآن و سنت سے تجاوز کا رجحان دیکھا سدِّ راہ بن گئے ، جہاں بدعت کو سر اٹھاتے پایا ۔ وہیں کچل دیا ، جہاں کوئی بات دین اسلام کے منافی سامنے آئی اُس کے استیصال کی بھرپور کوشش کی ، جب بھی اور جہاں بھی محسوس کیا کہ خدا کی حدود اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو نظر انداز کیا گیا ہے ، اس بات کی پروا کیے بغیر کہ کون اس فعل کا مرتکب ہے ، فوراً نیام زبان سے شمشیر حق نکالی اور نخوت و کبر سے بھرے کلاہ داروں انانیت و غرور سے سرشار عمامہ پوشوں ، کرّ و فر کے نشے میں

marfat.com

دھت سر پر آراؤں کی اکڑی گردنیں ہوا میں اچھال دیں اور ان کی تندی خاک میں ملا دی، جب اور جہاں موقع ملا حق کی بات سنا دی، بادشاہوں کو مرصع اور مست ہاتھیوں پر زرنگار ہودج میں بیٹھے خدام و حشم کی فوج کے جلو میں سیر کرتے دیکھا تو وہیں پیغام حق نشر کر دیا، بھرے دربار میں چوبداروں کے درمیان تخت و تاج سے آراستہ و پیراستہ جلوہ افروز دیکھا تو حق بات کہنے میں تامل نہ کیا، بادشاہوں نے بلوا کر نصیحت چاہی تو چلے گئے، اگر انہوں نے راستے میں رکاوٹیں ڈالیں تو بھی دروازوں پر دستک دے آئے، حق گوئی زندگی کا نصب العین بنا لیا تھا، تو بہر طور نبھایا خواہ کوئے یار میں موقع ملا یا سوئے دار جانا پڑا، اب ہم ان تاریخی حقائق کا جائزہ لیتے ہیں جن سے یہ معلوم کرنا آسان ہو جائے گا کہ واقعۃً صوفیائے کرام نے تبلیغ حق اور نصح خیر کا فریضہ بڑی بے باکی اور جوانمردی سے سرانجام دیا اور حق گوئی و بے باکی کی ایک نئی تاریخ رقم کر دی جو نظام مصطفٰےؐ کے علمبرداروں کے لیے بجا طور پر مشعل راہ کا کام دے سکتی ہے۔

خواجہ فریدالدین عطارؒ نے لکھا ہے، ایک مرتبہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید اپنے معتمد وزیر فضل کے ہمراہ حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ کے درِ دولت پر حاضر ہوا، اور دروازہ کھٹکھٹایا پوچھا کون؟ وزیر نے جواب دیا۔ "امیر المومنین" خواجہ فضیلؒ نے فرمایا، امیر المومنین کا مجھ سے کیا کام؟ اور مجھے اُن سے کیا واسطہ؟ وزیر نے کہا بادشاہ کی اطاعت واجب ہے، فرمایا مجھے حیران نہ کرو، وزیر نے کہا اندر آنے کی اجازت دو، ورنہ ہم حکماً اندر آجائیں گے فرمایا اجازت تو نہیں دیتا، حکماً اندر آ سکتے ہو چنانچہ خلیفہ اور وزیر اندر آ گئے، خواجہ فضیل نے چراغ گل کر دیا تاکہ ہارون الرشید کو نہ دیکھ سکیں، اسی اثنا میں ہارون کا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے چھو گیا، فرمایا کیسا نرم ہاتھ ہے، کاش کہ دوزخ کی آگ سے بچ جائے، خلیفہ نے درخواست کی، کچھ

marfat.com

ہدایت فرمائیے، جواب دیا، تیرا باپ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا اس نے درخواست کی تھی کہ مجھے کسی صوبے کا حاکم بنا دیا جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یا عم بلک نفسک (یعنی اے چچا تجھے تیرے نفس کا امیر کیا، ہارون الرشید نے کہا کچھ اور فرمائیے، فرمایا یہ ملک تیرا گھر ہے اور رعایا تیری اولاد، ماں باپ کے ساتھ نرمی، بہن بھائیوں پر مہربانی، بچے بچیوں سے نیک سلوک کر، اگر کوئی مفلس بڑھیا رات کو بھوکی سو جائے گی تو قیامت کے دن وہ بھی تیری دامن گیر ہو گی اور تیرے ساتھ جھگڑے گی"۔

اس واقعے میں بیک وقت بادشاہوں سے بے نیازی، امرا و وزرا سے بے رغبتی، مملکت کی ذمہ داریوں کو باحسن پورا کرنے کی تلقین، وعظ و نصیحت اور فکرِ آخرت نمایاں ہے، شفیق سے شفیق باپ بھی اتنی نرمی اور پیار سے بیٹے کو زمانے کے نشیب و فراز سے آگاہ نہیں کرتا ہو گا، جتنی شفقت اور محبت سے خواجہ فضیل نے ہارون الرشید کی رہنمائی فرمائی، دینی اخوت، ایمانی ہمدردی اور انسانی مروت لفظ لفظ سے ٹپکی پڑتی ہے، زبان سے ادا ہونے والا ہر حرف اخلاص و سوز لیے ہوئے اور انداز دامن میں اپنائیت سموئے ہوئے ہے، رہا یہ سوال کہ خلیفہ و وزیر کے آنے پر دروازہ نہ کھولنا یا اندر آنے کی اجازت نہ دینا اخلاق و مروت کے خلاف ہے، تو اس کے بارہ میں با دنیٰ تامل تہہ تک پہنچا جا سکتا ہے کہ فقیروں کے وہ دروازے جو ہر اپنے غیر کے لیے ہر وقت کھلتے، ہر عامی و خاص کے لیے وا ہوتے ہیں وہ ہارون یا فضیل پر کیسے بند ہو سکتے ہیں لیکن اس میں تبلیغ و نصیحت کا پہلو تھا اور یہ باور کرانا مقصود تھا کہ حق کے علمبردار کبھی قربِ شاہی کے لیے بے قرار نہیں ہوتے، یہی وہ بے نیازی ہے جو بات میں قند و نبات، اور تقریر میں شہد و شیر کی مٹھاس بھر دیتی ہے اور دل کے لوہے کو مقناطیس کی طرح اپنی جانب

marfat.com

کھینچ لیتی ہے، یوں ایک تیر سے دو شکار ہو جاتے ہیں، اس واقعے کو پیش نظر رکھنے کے بعد اس الزام میں کتنا وزن باقی رہ جاتا ہے کہ صوفیائے کرام کو ملک اور ملکی حالات کی کچھ خبر نہیں ہوتی، کجا کہ انہیں دلچسپی ہو، عباسی خلافت ہی کے ایک تاجدار خلیفہ المنصور کا واقعہ ہے، حضرت سفیان ثوریؒ نے حج کے موقعہ پر منیٰ کے میدان میں خلیفہ المنصور کو پکڑ لیا اور کہا۔

"امیر المومنین! حضرت عمرؓ نے ایک حج کے عام مصارف پر سولہ دینار خرچ کیے تھے، آپ نے خدا اور امتِ محمدیہ کا بے شمار مال بغیر اجازت صرف کیا ہے، آپ اس کا کیا جواب دیں گے؛ منصور لاجواب ہو گیا بعد میں انہیں (سفیان ثوریؒ) سلسلہ حکومت میں منسلک کرنا چاہا تو وہ روپوش ہو گئے"۔ ۲۵

نامور، ذی جاہ، طاقتور اور باہیبت حکمران کے منہ آنے والا، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے والا، خلیفہ راشد ثانیؓ کے طریقے سے ہٹنے پر ٹوکنے والا، جوابدہی کا احساس ابھارنے والا، امتِ محمدیہ کی امانت یاد دلانے والا اور منصب حکومت کو ٹھکرانے والا کون تھا، یہ اسی گروہ کا نامور فرزند تھا جو آج تک طعن و تشنیع کے تیر کے سہتا آ رہا ہے کہ صوفیاء عافیت کوش، خلوت پسند اور امورِ دنیا سے گریزاں ہوتے ہیں۔

ملک شاہ سلجوقی کا بیٹا سلطان سنجر، پورے خراسان کا حاکم تھا، نمود و نمائش کا رسیا اور زرق برق لباس پہننے کا دلدادہ، جب نکلتا تو خدام و حشم کی فوج لے کر نکلتا، چوبداروں کی ایک جماعت ہٹو، بچو! کی صدائیں بلند کرتی، شاہانہ کرّ و فر اس کی ایک ایک بات سے ٹپکتا تھا، اسی نوع کی ایک تقریب میں امام غزالیؒ نے اسے خطاب کر کے کہا:۔

marfat.com

"افسوس! مسلمانوں کی گردنیں مصیبت اور تکلیف سے ٹوٹی جاتی ہیں اور
تیرے گھوڑوں کی گردنیں طوقہائے زریں کے بار سے" ؎

امام غزالیؒ بھی ان جفاکشان وستم رسیدگان میں سے ہیں جن کے مذہب کو "عزیمت" کے بجائے "عافیت" کا مذہب کہا جاتا ہے، آج امام غزالیؒ سلطان سنجر کے منہ آیا ہے، کل یہی غزالیؒ جامعہ نظامیہ (بغداد) میں قال اقول کی بحثوں میں مصروف، منطق وفلسفہ کی گتھیاں سلجھانے میں مشغول، علم کلام کے قضیوں اور کلیوں میں منہمک اشاعرہ ومعتزلہ کے نظری مسائل میں محو تھا، یہ وہ زندگی تھی جو "حریفوں" کے بقول معاملات زندگی میں دلچسپی سے بھرپور زندگی تھی، معاشرتی ومنصبی ذمہ داریوں کے احساس سے معمور زندگی تھی، مگر مکتب کی فضا سے باہر غزالیؒ نے کیا کیا تھا؟ حق گوئی کا داعیہ ابھرا، امر بالمعروف کا جذبہ اٹھا، نہی عن المنکر کا ولولہ پیدا ہوا تو کب؟ جب غزالیؒ خرقہ پوشوں کی صف میں شامل ہوا اور درویشوں کے کارواں سے آملا۔ خود آگاہی کے آداب، فلسفہ ومنطق نہیں عشق سکھاتا ہے اور یہی عشق ان بے نواؤں کا سرمایۂ حیات اور حاصل زندگی ہے، یہی عشق دنیا کی تنگ وتاریک وادیوں سے نکال کر دین کی سرسبز وشاداب اور وسیع روشوں پر چلنا سکھاتا ہے، غزالیؒ کے پہلے دور میں فلسفہ اور اس دور میں تلقین نمایاں ہے۔

جب بھی صوفیاء کرام نے دیکھا کہ اقتدار کی امانت کو نااہل ہاتھوں کے سپرد کیا جا رہا اور عوام کی گردنوں پر فاسق وفاجر کو بٹھایا جا رہا ہے تو ان کا ردِ عمل کیا تھا؟ اس سلسلہ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ایک واقعہ ہماری بہترین رہنمائی اور حقیقت حال کی وضاحت کرتا ہے، جب خلیفہ مقتفی لامر اللہ نے قاضی ابوالوفاء یحییٰ کو منصب قضا سونپا، تو اس واقعہ پر احتجاج کرتے ہوئے ایک اجتماع میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے برسر منبر خلیفہ کو سخت الفاظ میں مخاطب کر کے

marfat.com

فرمایا :-

"تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو حاکم بنایا ہے، جو اظلم الظالمین ہے، کل قیامت کے دن اس رب العالمین کو جو ارحم الراحمین ہے کیا جواب دوگے"۔ ۴۹

شیخ عبدالقادر جیلانی کی شخصیت جہاں ، متنوع ، ہمہ جہت اور عظیم ہے وہاں کاروانِ ولایت کے سالار کی حیثیت رکھتی ہے، ہزاروں انسانوں جتنا کام اس مردِ خدا نے تن تنہا ماحول کی ناسازگاری اور بادِ مخالف کی تندی کے باوجود کر دکھایا افسوس کہ اس مردِ مولا کو جہاں زندگی میں فضا سازگار میسر نہیں آئی وہاں وفات کے بعد بھی اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا، آپ کی کرامات کے چرچے تو زبان زد عام وخاص ہیں مگر کسی کو خدمات کا علم شاذ و نادر ہو، حالانکہ آپ کا وجود اسلام کے لیے بادِ بہاری تھا جس نے دلوں کے قبرستان میں غنچے کھلا دیے اور عالم اسلام میں ایمان اور روحانیت کی نئی لہر دوڑ گئی، آپ نے اگر ایک طرف بادشاہوں کا دامن پکڑ کر جھنجوڑا تو دوسری جانب ان عمامہ پوشوں کا تعاقب بھی کیا، جن کی علمی واخلاقی کمزوریوں کے باعث سلاطین وحکام دین کے معاملہ میں جری اور بے خوف ہو گئے تھے، ایک موقع پر اسی طبقہ کو خطاب کرکے فرمایا۔

"اے علم وعمل میں خیانت کرنے والو، تمہیں ان سے کیا نسبت؟ اے اللہ اور اس کے رسول کے دشمنو! اے راہزنو، تم کھلے ظلم اور نفاق میں میں مبتلا ہو، یہ نفاق کب تک رہے گا؟ اے عالمو، اے زاہدو شاہان و سلاطین کے لیے کب تک منافق بنے رہوگے، کہ ان سے دنیا کا زر و مال اور اس کی شہوات ولذات لیتے رہو، تم اور اکثر بادشاہ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کے مال اور اس کے بندوں کے متعلق ظالم اور

marfat.com

خائن بنے ہوئے ہیں"۔ ۵۵

شیخ کے اس خطاب میں اسلام کی غیرت، ایمان کی حمیت، مسلمانوں کی فلاح کی تڑپ، راہِ حق سے ہٹے ہوؤں کی اصلاح کے لیے بے قراری، نفاق وبندگیٔ زرومال اور کتمانِ حق کے استیصال کے لیے بے چینی بآسانی ملاحظہ کی جاسکتی ہے،

شیخ برہان الدین غریبؒ کے خلیفہ شیخ زین الدینؒ (م : ۸۰۱ھ) کے معاصر والیٔ دکن سلطان محمد شاہ بہمنی کا دور عروج واقبال ہے اور اسی رو میں منہیات شرعیہ کا ارتکاب کر بیٹھا، جس پر شیخ زین الدینؒ نے افسوس، غصے اور قلق کا اظہار فرمایا، ۷۶۷ھ میں جب سلطان فاتحانہ دولت آباد میں داخل ہوا تو حضرت شیخ کو پیغام بھیجا، یا تو آپ خود دربار میں حاضر ہوں، یا میری خلافت کی تحریر اپنے دستِ خاص سے میرے پاس بھیجیں، شیخؒ نے چونکہ سلطان کو منہیاتِ شرعیہ کا مرتکب پایا تھا اس لیے نہ حاضری روا تھی نہ تحریر خلافت جائز جانی، بہر حال جواب دینا تھا دیا، وہ ملاحظہ کیجیے یہ جواب، حق کے بیباکانہ اظہار وعظ ونصیحت، تنبیہ وتفہیم اور بے نیازی پر مشتمل تھا، آپ نے پہلے ایک حکایت سنائی پھر اپنا مدعا ظاہر فرمایا :

"ایک مرتبہ کسی تقریب سے ایک عالم، ایک سید اور ایک ہیجڑا کافروں کے ہتھے چڑھ گئے، انہوں نے فیصلہ کیا کہ انہیں بت خانہ میں لے چلیں، جو بُت کو سجدہ کرے گا اس کی جان بخشی کر دیجائے گی پہلے عالم کو لے گئے، انہوں نے اضطراری حالت میں، قرآن مجید کی رخصت پر عمل کیا، اور بت کو سجدہ کر کے جان بچالی، سید نے عالم کی پیروی کی جب ہیجڑے کی باری آئی، اس نے کہا، میری ساری زندگی ناشائستہ کاموں میں گذری، میں نہ تو عالم ہوں اور نہ سید کہ ان میں سے کسی فضیلت کی پناہ میں ایسا کام کر دں۔ اس نے قتل ہو جانا منظور کر لیا

marfat.com

مگر بُت کو سجدہ نہ کیا:

حکایت سُنانے کے بعد آپ نے لکھا "میرا قصّہ بھی اس سیہ بڑے کے قصّے سے مشابہت رکھتا ہے میں تمہارے ہر ظلم کو برداشت کرونگا لیکن نہ دربار میں حاضر ہوں گا، نہ تمہارے ہاتھ پر بیعت کرونگا"۔

بادشاہ کو سخت غصّہ آیا اور شہر سے نکل جانے کا حکم دیا، شیخؒ نے بلا توقف اپنی جائے نماز کاندھے پر ڈالی اور اپنے مرشد شیخ برہان الدینؒ کے مقبرے میں جاکر ان کی قبر کی پائنتی اپنی لاٹھی گاڑی اور جائے نماز بچھا کر بیٹھ گئے اور کہا اب کوئی مرد ہو تو مجھے اپنی جگہ سے ہلائے، بادشاہ نے شیخؒ کی استقامت دیکھی تو سخت شرمندہ اور پشیمان ہوا اور اپنے ہاتھ سے یہ مصرعہ لکھ کر شیخؒ کی خدمت میں صدر شریف کے ہاتھ بھیجا: ع

من زان توام تو زان من باش

شیخ نے فرمایا اگر سلطان محمد شاہ غازی شریعت کے طور و طریق کی حفاظت و ترویج کی کوشش کرے اور ممالک محروسہ سے شراب خانے یک قلم اٹھا دے اپنے باپ کی سنت پر عمل کرے اور قضاۃ، علماء اور صدور کو حکم دے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں سعی بلیغ سے کام لیں تو فقیر زین الدینؒ سے بڑھ کر بادشاہ کا کوئی خیر خواہ اور دوست نہ ہوگا اور یہ اشعار اپنے ہاتھ سے تحریر فرمائے۔

تا من بزیم بجز نکوئی نہ کنم — جز نیک دلی و نیک خوئی نہ کنم
آنہا کہ بجائے بد بہا کردند — تا دست رسد بجز نکوئی نہ کنم [۶]

سلطان محمد تغلق جب دم توڑ رہا تھا تو جانشینی کا مسئلہ پیدا ہوا، کافی دیر بحث و تمحیص ہوئی، اعیان مملکت کی مختلف آراء تھیں، بالآخر فیروز تغلق کی جانشینی پر اتفاق ہوا، اس میں خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کی رائے بھی شامل تھی اور اس

marfat.com

فیصلے میں آپ بھی شریک تھے، جب باقاعدہ حلف برداری اور تاج پوشی کی رسم ادا کی جانی تھی، شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ نے سلطان فیروز شاہ تغلق کو پیغام بھیجا، "تم وعدہ کرو کہ اپنے خلق سے مخلوق کے ساتھ عدل و انصاف کرو گے ورنہ ان بیکس بندگان خدا کے لیے دوسرا فرمانروا طلب کیا جائے"۔ سلطان فیروز تغلق نے جواب دیا۔

"میں خلقِ خدا کے ساتھ حلم و بردباری سے پیش آؤں گا اور اتفاق و محبت سے ان پر حکمرانی کروں گا۔"[۴۶]

یہاں انصاف کی نظر چاہیے جو دیکھے اور صحیح فیصلہ دے کہ آیا صوفیاء کرام آنکھوں پر پٹی باندھے اور کانوں میں تیل ڈالے، محض چلوں اور مراقبوں میں معروف رہتے تھے یا فرمانروایانِ مملکت سے بڑھ کر عوام کی فلاح و بہبود اور ملک میں ظلم و ستم کے استیصال کے لیے کوشاں اور فکر مند رہتے تھے؛ بادشاہ سے خلقِ خدا کے ساتھ حلم و بردباری کے سلوک کی ضمانت امور دنیا میں دلچسپی اور عامۃ المسلمین کے معاملات سے گہری رغبت کی غماز ہے یا اُن سے اعراض و تسامح کی ترجمان، اور پھر یہ کہ صوفیاء کرام باوجود اس کے کہ سرکار، دربار سے ہمیشہ دور رہے مگر بے خبر اور غافل نہیں رہے، انہوں نے اگرچہ سرکار کی ملازمت اور نوکری نہیں کی لیکن نگہبانی اور نگران کا فریضہ باحسن طریق سرانجام دیا اور جب محسوس کیا کہ بادشاہِ وقت جادۂ عدل سے ذرا سا ہٹ گیا ہے یا کسی درباری اور حاکم علاقہ کی چیرہ دستیوں سے عوام نالاں ہیں تو حق کہنے اور سمجھانے میں لمحہ بھر کا تامل روا نہیں رکھا، اگر سننے والے گوشِ نصیحت نیوش تھے تو بہتر ورنہ مشکلات اور مصائب کا سامنا بھی کرنا پڑا اور خندہ پیشانی سے سامنا کیا، مصائب و مظالم خواہ کتنے ہی سخت کیوں نہ تھے مگر صوفیاء جوانمردوں کے آئین سے ذرہ بھر اِدھر اُدھر نہیں ہوئے اور آئینِ جوانمرداں کیا ہے؛ بس انہی دو لفظوں سے عبارت یعنی حق گوئی و بے باکی!

marfat.com

اسی فیروز تغلق کے ایک وزیر خان تلنگی کا واقعہ ہے جو آپ کا بے حد معتقد تھا، وقتاً فوقتاً اظہارِ عقیدت کے لیے دربار میں حاضر ہوتا رہتا اور نیاز بجا لاتا، جب وزیر باقاعدہ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا تو اپنے مرشد (شیخ نصیر الدین دہلویؒ) سے عبادت و ریاضت کی تفصیل دریافت کی، جواب میں ذمہ دار اور حقائق پسند شخصیت کے مالک پیر نے تسبیح گردانی کا حکم نہیں دیا، سانس بند کر کے ذکر میں مشغولیت کی رائے نہیں دی، صائم الدھر اور قائم اللیل ہونے کی تلقین نہیں کی، کسی مخصوص وقت کسی مخصوص مجاہدے کی نصیحت نہیں فرمائی، چونکہ حق کہنے اور وعظ کرنے کا وزیر نے خود اچھا موقع مہیا کر دیا، سو آپ نے اس سے فائدہ اٹھایا، ایک طرف وزیر کی جاہ و حشمت کو خاطر میں لائے بغیر پوری بیباکی سے اسے کلمۂ حق کہا اور دوسری جانب وہ کام بتایا جو تمام عبادات سے بہتر اور صوفیا کرام کی تعلیمات کا خلاصہ اور لُبِ لباب ہے یعنی خدمتِ خلق، آپ نے وزیر سے فرمایا: "تم وزیر مملکت ہو، تمہاری عبادت یہی ہے کہ حاجت مندوں کی حاجت برآری میں انتہائی کوشش کرو، جب اُس نے اوراد و وظائف کے لیے بے حد اصرار کیا تو آپ نے فرمایا، جہاں تک ہو سکے باوضو رہو اور جو کام کرو عبادت سمجھ کر کرو"۔ ؎

سلطان شمس الدین التمش کی نیک خوئی، انصاف پروری، تقویٰ شعاری اور اولیاء دوستی سے زمانہ واقف ہے یہ بہ ظاہر بادشاہ بباطن درویش، نرالے مزاج کا آدمی تھا، اچھے اوصاف اور بہترین خوبیوں کا مالک بادشاہ اولیاء اللہ کی نظروں میں محبوب تھا اور اُسے بھی اُن سے بے پناہ محبت و عقیدت تھی، ملتان کے گورنر ناصر الدین قباچہ نے جب سلطان کے خلاف بغاوت کی تو شیخ بہاؤالدین ذکریا نے خط لکھ کر سلطان شمس الدین کو صورت حال سے آگاہ کرنا چاہا، خط راستے میں پکڑا گیا قباچہ سخت برافروختہ اور پیچ پا ہوا، جب پرسش ہوئی تو نہ صرف آپ

marfat.com

نے خط لکھنے اور بھیجنے کا اقرار و اعتراف کیا بلکہ گورنر کو اس کی غلط روش اور فاسد ارادے سے آگاہ بھی کیا اور تنبیہ بھی جس سے مسلمانوں کو ناجائز تکلیف اٹھانے اور پریشان ہونے کے کچھ حاصل نہ ہوتا، آپ نے فرمایا۔

"ہاں یہ خط میں نے لکھا ہے اور ارشادِ الٰہی کے مطابق لکھا ہے تمہاری (غلط) کوششوں سے سوائے مسلمانوں کے خون بہنے کے اور کچھ نہ ہوگا"۔ ۹ء

انہی شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کے پوتے شاہ رکن عالم ملتانیؒ نے ایک موقعہ پر مسلمانوں کے خون بہانے سے بادشاہ کو روکا اور یوں لوگوں کی جانیں بچیں، واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ کشلو خان نے سلطان محمد تغلق کے خلاف بغاوت کی سلطان نے اس بغاوت کو کچل دیا اور اہل ملتان کا خون بہانے اور قاضی شہر کی کھال کھینچنے کا حکم دیا، سلطان چونکہ آپ کا بے حد معتقد اور ارادتمند تھا، جب آپ کو پتہ چلا تو آپ فوراً بادشاہ کے پاس پہنچے، اسے نصیحت کے ساتھ تنبیہ بھی کی اور اس ظالمانہ ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے روکا، سفارش کی، اور اس طرح سے اہل ملتان کی جانیں بچائیں۔

ان واقعات سے کیا اُسی صوفی کا خاکہ اُبھرتا ہے جو تصوف کے ناقدین کے ہاں ملتا ہے، یعنی تحیر پسند، رہبانیت کیش، دنیا و مافیہا سے بے خبر اور عافیت کوش قسم کے صوفی کا خاکہ، یا ایسے صوفی کا تصور ذہن میں آتا ہے جو فی الواقع تصوف کی رو سے صوفی ہے، جو حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا بھی خیال رکھنے والا خالق سے واصل ہونے کے ساتھ ساتھ مخلوق سے بھی شاغل ہے، جس کا دل تمام مسلمانوں کے ساتھ دھڑکتا ہے، جس کی زبان باطل کے خلاف شمشیر بے نیام کا درجہ رکھتی ہے جو شاہی محلوں میں آوازہ حق بلند کرنے والا اور حق کی حمیت دغیرت میں بادشاہوں

marfat.com

کے دامن پر ہاتھ ڈالنے والا ہے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (م: ۱۵۳۷ء) سلسلہ چشت کے نامور اور صاحبِ اثر بزرگ شمار ہوتے ہیں، آپ نے ہندوستان میں جن حالات میں کام کیا وہ بڑے ہی نازک اور کٹھن تھے، صوبوں میں خود مختاری کی لہر، مستحکم مرکزی نظام کے خاتمے، سلطنت دہلی کے زوال اور سماجی ڈھانچے کے بے جان ہونے کے باعث فضا غیر یقینی اور ماحول انتہائی دشوار اور ناسازگار تھا، آپ مشائخ چشت کے دستور کے مطابق سرکار، دربار سے گریزاں اور قربِ سلطان کو آتشِ سوزاں جان کر علاحدہ رہے، لیکن بایں ہمہ وقتاً فوقتاً ملکی حالات کی درستگی واصلاح کے لیے کوششیں فرماتے اور اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتے رہے، جب تک سکندر لودھی حکمران رہا اسے برابر انصاف پروری عدل گستری، خدمتِ خلق اور رعایا کے ساتھ نیک سلوک کی تلقین کرتے رہے جب خاندان مغلیہ کا بانی سلطان ظہیرالدین بابر سریر آرا ہوا تو انہوں نے مغل شہنشاہ کو بھی خط لکھا اور اس میں نہایت صاف گوئی سے اوامر کی پابندی اور نواہی سے اجتناب کی نصیحت کے ساتھ ساتھ امراء، حکام و دیگر کار پردازانِ مملکت کے اخلاق سدھارنے پر زور دیا تاکہ اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر تک پورا معاشرہ اسلامی سانچے میں ڈھل جائے، آپ نے اپنے مکتوب میں لکھا۔

"منعمِ حقیقی کے اس احسان پر اظہار تشکر کے لیے ضروری ہے کہ پورے ملک پر عدل وانصاف کا چتر سج جائے اور کوئی شخص کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرے، تمام رعایا اور فوج وسپاہ جملہ شرعی اوامر ونواہی کی پابندی کریں، نماز باجماعت ادا کریں، علم اور اہل علم سے محبت رکھیں، ہر بازار اور قصبے میں محتسب مقرر کیے جائیں تاکہ کوچہ و بازار عدل شرع محمدی کے جمال سے سنور جائیں اور اس کے نور سے روشن و

marfat.com

منور ہو جائیں جیسا کہ اسلاف کے عہد اور خلفائے راشدین کے دورِ ہمایوں میں تھا۔" ۱۰

آپ نے مغل شہنشاہ کے علاوہ بعض امراء مثلاً خواص خان، ہیبت خان شیروانی کو بھی اس مضمون پر مشتمل خطوط ارسال کیے اور انہیں رعایا کے ساتھ حسن سلوک اور عدل و انصاف قائم کرنے کی تلقین فرمائی، مغلِ اعظم جلال الدین اکبر بادشاہ ایک بار عالم شباب میں جشن سالگرہ کی تقریب پر زعفرانی لباس پہن کر محل سرا سے باہر آیا تو شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے پوتے شیخ عبدالنبیؒ نے سرِ دربار ٹوکا اور اس شدت کے ساتھ ٹوکا کہ عصا کا سرا بادشاہ کو جا لگا اور اکبر چپ ہو رہا۔ ۱۱

شیخ نور الدین مبارکؒ (م: ۶۳۲ھ) سلطان شمس الدین التمش کے دور میں دہلی کے شیخ الاسلام رہے مگر بھرے دربار میں آزادانہ تنقید کرتے رہے۔ ۱۲

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کی داستان عزیمت و استقامت سے کون آگاہ نہیں، جنہوں نے نہ صرف دربارِ شہی کی ایک غیر شرعی رسم پر تنقید کی بلکہ عملاً اس کی مخالفت کر کے عرصے تک قلعہ گوالیار میں محبوس و نظر بند رہے، رخصت پر عزیمت کو ترجیح دی، اور حق گوئی و بے باکی کی نئی اور ولولہ انگیز تاریخ مرتب کر دی، بہی خواہوں کے مشوروں، اربابِ اقتدار کی دھمکیوں، ذاتی و خاندانی مصلحتوں اور دنیوی اور منصبی رعایتوں کو بالائے طاق رکھ کر آوازۂ حق اس شدت سے بلند کیا کہ ایوان شاہی کی بنیادیں ہل گئیں، آپ کی عزیمت و استقامت نے جہاں عہدِ جہانگیری کو متاثر کیا وہاں بعد میں بھی دیر تک اس کے اثرات محسوس ہوتے رہے جو بدعتیں اور غیر شرعی رسمیں مغلیہ خاندان کے سب سے مضبوط اور طاقتور ترین حکمران کی سرپرستی میں رائج ہوئی تھیں اور جن کی پشت پر اقتدار و سلطنت کی طاقت تھی، ایک فقیر خدا مست کی نولئے حق نے ان سب پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا، جب آپ نے سلطان

marfat.com

نور الدین جہانگیر سے سجدۂ تعظیمی کے مسئلہ پر اختلاف کیا اور بادشاہ کے موردِ عتاب ہو
ہدفِ ستم قرار پائے تو چھوٹے موٹے افراد چھوڑ شہزادہ شاہ جہان تک جو آپ کا معتقد
اور ارادتمند تھا آپ کو سمجھانے اور عتابِ شاہی کی صورت میں مشکلات و مصائب
بتانے میں پیش پیش تھا اور اس کی دلی خواہش تھی کہ شیخ اس کے والد اور سلطانِ وقت
کی اذیت سے محفوظ رہے، شاہجہان نے اپنی طرف سے پوری تندہی کے ساتھ
کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح شیخ مصالحت و مفاہمت پر آمادہ ہو جائیں، لیکن مشکل
یہ تھی کہ ایک طرف اگر شہنشاہ طاقت و سلطنت کے نشے میں دھت تھا تو دوسری
جانب شیخ بھی مئے حق کے نشے میں مست تھے، اِدھر غرور تھا تو ادھر سرور تھا، میر
اگر دستورِ شاہاں کا پابند تھا تو فقیر بھی آئینِ جوانمرداں کا محافظ تھا، شہزادہ شاہجہان
نے ایک بار مقامی علماء افضل خان اور خواجہ عبد الرحمٰن مفتی کو آپ کے پاس کتب فقہ
دے کر روانہ کیا، تاکہ بوقت ضرورت جان کے خوف سے از رہِ مصلحت شریعت کی
رخصت سے فائدہ اٹھا کر بادشاہ کو سجدۂ تعظیمی کریں آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا
"یہ مسئلہ ضعیف حکم رخصت ہے اور مسئلہ قوی عزیمت یہ ہے کہ غیر حق کو کبھی سجدہ
نہ کریں"۔ عزیمت و استقامت کے دیگر پہلوؤں سے آگاہی کے لیے ان کا مطالعہ
کریں جو آپ نے میر نعمان اور اپنے صاحبزادوں کے نام لکھے، مکتوبات کی جلد سوم کے
دوسرے مکتوب میں تفصیل دیکھی جائے۔

انہی شیخ مجدد کے صاحبزادے شیخ محمد معصوم سرہندیؒ (م: ۱۰۹۶ھ) نے جو آپ
کے خلیفۂ مجاز بھی ہیں، اپنے قابلِ فخر والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حق گوئی و بیباکی
کی تاریخ میں زریں اضافہ کیا اور ان خطوط و نقوش کو مزید واضح اور روشن کر دیا۔ جب
سلطانِ وقت اورنگ زیب عالمگیرؒ نے حضرت خواجہ محمد معصومؒ سے التجا کی کہ اپنا کوئی
خلیفہ میری ہدایت و توجہ کے لیے روانہ فرمائیں تو آپ نے اس درخواست پر اپنے

marfat.com

صاحبزادے سیف الدینؒ (م:۱۰۹۵ھ) کو دہلی بھیج دیا، چونکہ آپ نے حق گو طبیعت اور بیباک روح اپنے جدِ امجد اور والدِ گرامی سے میراث میں پائی، چنانچہ اس کا مظاہرہ قدم قدم پر ہوا، دہلی پہنچتے ہی آپ نے پوری شدت سے اصلاحِ احوال و تعمیرِ اخلاق کا کام شروع کر دیا، اب آپ دہلی پہنچے ہی تھے کہ پہلے قدم پر آپ کی حق گوئی کا امتحان ہوا، جس سے آپ سرخرو ہو کر نکلے اور آپ نے ثابت کر دیا کہ اللہ کے شیروں کو کبھی روباہی آ ہی نہیں سکتی، ہوا یوں کہ جب آپ نے دہلی میں قدم رکھا تو سلطان نے بنفسِ نفیس کا استقبال کیا اور بڑے اعزاز و اکرام سے آپ کو شہر میں لایا اور قلعہ میں لے گیا، جونہی آپ نے قلعہ کا دروازہ عبور کیا، دو ہاتھیوں کی مورتیں دیکھیں، جن پر فیلبان سوار تھے، بادشاہ کو مخاطب کر کے فرمایا، میں قلعہ میں تب داخل ہوں گا کہ یہ مورتیں توڑ دی جائیں، چنانچہ وہ ہاتھی اور فیلبان توڑ دیے گئے پھر آپ قلعہ میں داخل ہوئے، دوسرے روز آپ نے ارشاد فرمایا تمام گویوں گائیوں بے ریش رقاص لڑکوں اور تمام اہلِ بدعت کو ہندوستان کے محروسہ سے نکال دیا جائے، بادشاہ نے اس ارشاد کی بھی تعمیل کی، ایک روز بادشاہ نے حضرت شیخؒ کو حیات بخش باغ کی سیر کرنے کی تکلیف دی، وہ سونے کی مچھلیاں تھیں، جن کی آنکھوں میں جواہرات ٹنکے ہوئے تھے، حضرت شیخؒ نے یہ دیکھ کر فرمایا، جب تک یہ مچھلیاں توڑ نہ دی جائیں میں اس جگہ نہ بیٹھوں گا، باغ کے محافظوں نے نقصانِ شاہی کے خیال سے ان کے توڑنے میں تامل کیا، لیکن بادشاہ نے فوراً تڑوا دیں اور کہا کہ ارشادِ شیخؒ کی تعمیل میں زیادہ نفع ہے۔ .... بادشاہ اس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قیام سے بہت خوش ہوا، چنانچہ بادشاہ نے خواجہ محمد معصومؒ کی خدمت میں شکر گزاری کا عریضہ لکھا۔“ ؎۱۳

یہ ہیں وہ حقائق جنہیں پیشِ نظر رکھ کر اپنے ذہن کو تصوف و اربابِ تصوف

marfat.com

کے بارے میں پیدا شدہ یا پیدا کردہ غلط فہمیوں سے صاف کیا جا سکتا ہے، اگر نیک نیتی کے ساتھ دیکھا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ تصوف تعطل وجمود، عافیت کوشی اور سہل انگاری کا نام نہیں بلکہ تصوف ایک علمی، اخلاقی، روحانی اور معاشرتی تحریک ہے جس کے اثرات کا دائرہ بہت وسیع ہے، تصوف نے جو ذہن اور افراد تیار کیے ہیں وہ بیک وقت عبادت گزار اور تقویٰ شعار بھی ہیں اور علم واخلاق کے علمبردار بھی، اُنکے اندر علمی گہرائی بھی پائی جاتی ہے اور روحانی عظمت بھی، خدمت خلق اُن کا شیوہ ہے تو معاشرتی اصلاح اُن کا وتیرہ، اگر وہ معیت وقرب خداوندی کی طلب میں سرشار ہیں تو دوسری جانب اُن کے دل خلق خدا کی محبت وہمدردی سے لبریز بھی ہیں، ایثار ان کا نصب العین ہے اور مروّت ان کی متاع حیات، جہاں وہ صدق وصفا کے پیکر ہیں وہاں وہ بذل وعطا کے مجسمے بھی ہیں، دم گفتگو نرم نظر آتے ہیں مگر دمِ جستجو گرم بلکہ سرگرم دکھائی دیتے ہیں، حلقۂ یاراں میں ابریشم اور رزم حق وباطل میں مانند فولاد ہیں، ایک طرف وہ تبلیغی سرگرمیوں میں منہمک ہیں اور دوسری جانب استیصال باطل کے لیے مصروف عمل، غرضیکہ ایک ایک فرد بجائے خود انجمن اپنی ذات میں تحریک اور انسانی پیکر میں ایک انقلاب ہے، رات کو اُن کی آنکھیں خشیت خداوندی سے اشکبار ہوتی ہیں اور دن کو ظالم وجابر کی آنکھوں سے ملائی جاتی ہیں، نماز میں تضرع اور زاری سے جھکی گردنیں دربار میں اکڑی رہتی ہیں، شکستہ مسجد کے خستہ حال موذن کی تکبیر پر دوڑ پڑنے والے، یہ فقیر بادشاہوں کے ہزار بلاوے پر بھی اُدھر کا رُخ نہیں کرتے، خدا کے حضور کانپنے اور لرزنے والے یہ انسان ایوان شاہی میں پہاڑوں کی سی مضبوطی کے ساتھ بات کرتے ہیں، مزدور بن کر بیواؤں ضعیفوں اور مسافروں کا بوجھ اٹھانے والے، وقت کے بادشاہوں کی اطاعت کے حلقے کا بار گردن پر نہیں سہہ سکتے، یہ بندگانِ مولا صفات اور قدسی عادات،

marfat.com

یہ پاکباز و پاک نفس اپنی زندگی اس شان سے بسر کرتے ہیں کہ ان کی پوری زندگی خدا کی بندگی شمار ہوتی ہے، کیونکہ ان کا ہر قدم رضائے خدا تعالیٰ کی طلب میں اٹھتا ہے، اور ان کے ہر عمل کا منتہا، خدا کی خوشنودی ہے، ان کی نماز، ان کی قربانی ان کی زندگی اور ان کی موت سب "رب العالمین" کے لیے ہوتی ہے، حق و صداقت کے یہ پیکر جس راہ سے گذرے ان کے قدموں کی مٹی کا ہر ذرہ جادہ پیماؤں کے لیے مشعل راہ اور منزل کے لیے سنگِ میل ہوتا گیا اور ان کے ذراتِ راہِ دعوت و عزیمت کی تاریخ کا مستقل عنوان بنتے گئے جو قابل فخر بھی ہیں اور آنے والوں کے لیے قابل تقلید بھی۔

---

marfat.com

"فقرِ غیور"

جدید علمِ نفسیات میں عمل کے دو محرکات تسلیم کیے گئے ہیں ترغیب (TEMPTATION) اور ترہیب (PERSECUTION) اور عمل کے سلسلہ میں یہی دو مانعات بھی ہیں، یعنی اگر کسی کو کسی کام سے روکنا مقصود ہے تو دو ہی حربے استعمال کیے جا سکتے ہیں، یا لالچ دے کر خرید لیا جائے یا دھمکا کر خاموش کرا دیا جائے، مگر جن لوگوں کے مذہب و مسلک کی بنیاد "امانت داری" اور "اخلاص" پر ہو ان پر دونوں کا کچھ اثر نہیں پڑتا، ترغیب کی صورت میں وہ تاج سکندری پر ٹیڑھی نگاہ ڈالنا بھی پسند نہیں کرتے اور ترہیب کے ضمن میں ان کا عقیدہ یہ ہے :۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

ان کا ضمیر اور ان کی جان دونوں خدا کی امانت ہیں۔ بھاری سے بھاری قیمت کے عوض ضمیر بیچنا ان کے منشور زندگی میں نہیں کہ امانت ناقابل بیع و شرا ہوتی ہے جان کا خوف انہیں دامن کش نہیں ہوتا کہ وہ ؏

'جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی'

کے مسلک کے علمبردار ہیں اس لیے ترغیب و ترہیب دو ایسے ہتھیار ہیں جو ان پر کبھی کارگر ثابت نہیں ہوئے۔

marfat.com

"آئین جوانمرداں حق گوئی و بیباکی" کے عنوان کے تحت ہم واضح کر چکے ہیں کہ صوفیاءِ کرام نے نہ صرف خانقاہوں میں بیٹھ کر اصلاحِ اخلاق اور تزکیہ، نفس کی کوششیں کیں بلکہ ترہیب کے تمام تر فلسفے کے علی الرغم بادشاہوں، امیروں، تاجداروں اور کلاہ پوشوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی، بادشاہوں کے ایوانوں، امراء کے درباروں تاجداروں کی نخوت و تندی اور کلاہ پوشوں کی جاہ و حشمت کا صرف یہ ہی نہیں کہ صوفیاءؒ نے اثر قبول نہیں کیا بلکہ اسے سراسر ناٹک کا کھیل سمجھا۔

ہر وہ تحریک جو رضا کارانہ بنیادوں پر اٹھائی گئی ہو اس کی بنیاد میں اگر امانت و اخلاص موجود نہیں تو وہ کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی، دین کہ جس کا سارا دار و مدار قلب و روح کی آمادگی پر ہے اس کے لیے یہ دونوں شرطیں بہ طریقِ اولیٰ لازم ہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کی روحانی و اخلاقی فلاح کے لیے اور مسائلِ زندگی کی اصلاح کے لیے خداوندِ عالم کی جانب سے ایک لاکھ سے زیادہ نفوسِ قدسی الہام و وحی سے سرفراز ہوئے اور منصبِ نبوت پر فائز ہو کر لوگوں کو بھولی ہوئی بات اور فراموش کردہ عہد یاد دلایا، لیکن ان کے طریقِ کار کے سلسلہ میں مختلف امتوں اور مختلف زمانوں کے انبیاء کے درمیان جو قدرِ مشترک ہمیشہ موجود رہی وہ یہی امانت و اخلاص کی قدر تھی اس وقت امانت" کا ہمارے موضوع سے براہِ راست تعلق نہیں اس لیے اب دوسرا جزو ہم اپنے جائزے کے لیے مختص کرتے ہیں، ہر آنے والے بشیر و نذیر پر مبعوث ہونے والے نبی اور منصبِ رسالت پر فائز ہونے والی ذاتِ گرامی نے آتے ہی قوم کے سامنے اپنی بے غرضی، بے نفسی اور اخلاص کا یقین دلایا گویا وہ یہ جانتے تھے کہ جو پودا ہم لگانا چاہتے ہیں وہ بے غرضی اور اخلاص کے پانی کے بغیر کبھی نہیں اگ سکتا، اس لیے اس بات کا بار بار یقین دلایا اور لوگوں کے ذہنوں میں اسی بات کو راسخ کرنے کی برابر کوشش فرمائی، سورۂ شعراء کی متعدد آیات ملاحظہ کیجیے۔

marfat.com

"قوم نوح نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں تو خدا سے ڈرو، میرا کہا مانو اور اس کام کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو رب العالمین پر ہی ہے۔" [۱]

جناب ہود علیہ السلام نے فرمایا :-

"عاد نے بھی رسولوں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں، تو خدا سے ڈرو اور میری بات مانو اور میں اس خدمت کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا میرا معاوضہ تو جہانوں کے پروردگار کے پاس ہے۔" [۲]

جناب صالح علیہ السلام قوم سے مخاطب ہیں :-

"قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں، میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں تو خدا سے ڈرو اور میری بات مانو اور اس خدمت کا معاوضہ تم سے نہیں چاہتا میرا معاوضہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔" [۳]

حضرت لوط علیہ السلام اپنی حیثیت اور رسالت کی غرض و غایت واضح کرتے ہوئے گویا ہیں :-

"قوم لوط نے رسولوں کی تکذیب کی جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا تم تقویٰ کیوں نہیں اختیار کرتے میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں، تو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اپنے اس کام کا کوئی صلہ نہیں مانگتا میرا اجر جہانوں کے پالنہار کے پاس ہے۔" [۴]

حضرت شعیب علیہ السلام بھی دوسرے انبیاء کرام سے ہم آہنگ اور ان

marfat.com

کے ہمنوا ہیں اور فرماتے ہیں :۔

"میں تم سے اس کام کا کوئی بدلہ نہیں چاہتا، میرا اجر تو جہانوں کے پالنے والے پر ہے" [۵۵]

قرآن مجید میں ایک ایسا فرستادہ کا ذکر ملتا ہے جو شہر کے کنارے سے آیا تھا، اس نے جو بات جس درد اور سوز میں ڈوب کر کہی اور جس اخلاص اور اپنائیت سے کہی، ایک طرف وہ اس کے جذبۂ اطاعتِ حق کی غماز تھی اور دوسری جانب مقام رسالت و منصبِ نبوت کو واضح کرنے کے لیے دلیل قاطع اور برہان ساطع تھی' اس نے کہا :۔

"اے قوم رسولوں کی اتباع کرو، ان کی اتباع کرو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں" [۵۶]

اس نے بیک وقت دو باتیں کہیں کہ رسول کی صداقت کی دو ہی دلیلیں ہو سکتی ہیں، اس کے قول و فعل میں ہم آہنگی اور صلہ سے بے نیازی اور یہ دونوں چیزیں انبیاء کرام کی سیرتوں کا طرۂ امتیاز ہیں، اس نے اپنے کلام میں یہ کہہ کر زور پیدا کر دیا کہ اتباع تو کرنی بھی اس کی چاہیے جو داد و ستد سے بے پروا، حصولِ منفعت اور جلبِ زر سے گریزاں اور لالچ اور غرض سے پاک ہو۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس عقیدے کا اظہار بارہا فرمایا۔ [۵۷]

"آپ کہہ دیجئے میں تم سے اس خدمت کے لیے کسی معاوضے کا طلبگار نہیں"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار اپنے خطبوں میں لوگوں پر یہ امر واضح کیا کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں کسی صلہ کی تمنا، مزد و معاوضے کی خواہش اور داد و دہش کی آرزو کے بغیر کر رہا ہوں، بلکہ آپ نے زندگی بھر اس امر کا اہتمام کیا کہ کسی سے کوئی چیز اس طرح نہ لی جائے چاہے وہ عاریتہً ہو یا قرضِ حسنہ کے طور پر، جس میں اجر و معاوضہ

marfat.com

کا کوئی شائبہ تک موجود ہو۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نفسی اور بے غرضی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ اولاً آپ نے کوئی میراث نہیں چھوڑی، ثانیاً اگر کوئی اقل قلیل چھوڑی بھی ہے تو کسی کو اپنا وارث نہیں ٹھہرایا اور ثالثاً تمام صدقاتِ واجبہ کو اپنی اولاد پر حرام قرار دے دیا، ادنیٰ سے ادنیٰ شائبہ بھی اگر پیدا ہونے کا امکان تھا تو اس کی راہ بھی مسدود کردی بخاری کی ایک روایت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے عالم میں وفات پائی کہ آپ کی زرہ تیس صاع جو کے بدلے ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی"۔

یہودی سے قرض لینے کی مصلحتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے شارحین حدیث اور علماء نے مختلف آراء پیش کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ :

"آپ اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی بچنا چاہتے تھے کہ آپ کے ذریعہ اہلِ ایمان کو دین کی جو دولت ملی، اس کے عوض آپ کوئی حقیر سے حقیر بھی دنیوی فائدہ ان سے اٹھائیں اس لیے ضرورت کے موقع پر آپ قرض بھی غیر مسلموں سے لینا چاہتے تھے"۔

اسی اخلاص و امانت کو تصوف کے حلقوں میں "فقرِ غیور" کہا جاتا ہے جو ہمارا عنوان بحث ہے، صوفیاء کرام نے جن کٹھن حالات، ناسازگار ماحول اور مخالف فضا میں تبلیغ و اشاعت کا مشکل ترین اور صبر آزما فریضہ سرانجام دیا اس کا جائزہ ایک مستقل عنوان کے تحت لیا گیا ہے، لیکن اس سب کے باوجود صوفیاء کا دامن لالچ اور حرص سے پاک ہے، قدموں میں عہدے ڈالے گئے، ہاتھوں میں جاگیروں کے قبالے دیے گئے، مراعات و وظائف کے پروانے پیش کیے گئے، آزمائش و امتحان

marfat.com

کے طور پر زر و جواہر ڈھیر کیے گئے شاید آنکھیں ان کی چکا چوند سے خیرہ ہو جائیں قبولِ منصب کی صورت میں حاصل ہونے والے فوائد اور انکار کے نتیجے میں پیش آنے والے مصائب و شدائد گنوائے گئے، بیک وقت دو متضاد کیفیتوں سے دوچار کر کے انعام و اکرام قبول کرانے کی کوششیں کی گئیں، قریبی عزیزوں اور عزیز دوستوں کو درمیان میں لا کر "قفسِ زر" میں ان "طائرانِ لاہوتی" کو بند کرنے کے جتن کیے گئے، مگر ان کی روح کی آزادی، دل کے غنا اور فقر کی غیرت انہیں کسی چیز کی طرف آمادہ و مائل نہ کر سکی، انہوں نے پھونس کے جھونپڑے کو ایوانِ شاہی، ٹاٹ کی ٹوپی کو کلاہ خسروی، کھدر کی پوستین کو قبائے سلطانی، جو کے ان چھنے آٹے کی روٹی کو مرغ و ماہی کی قابوں، فرشِ خاک کو سنجاب و سمور کے بستروں اور بوریہ نشینی کو صدر نشینی کے عوض نہ بیچ کر غیرتِ فقر کی لاج رکھی اور یہی ان کی کل کائنات تھی، صوفیائے کرام کو ہمیشہ یہ منفرد اعزاز حاصل رہا ہے کہ انہوں نے دنیا کو پاؤں کی ٹھوکر اور بندگانِ دنیا کو جوتے کی نوک پر رکھا ان کا مٹی کا لوٹا بوسیدہ چاٹی، ٹوٹی تسبیح اور پھٹی ٹوپی شاہوں کے تخت و تاج سے زیادہ قیمتی تھی، جنہیں فرشِ خاک پر اور فقیروں کے درمیان بیٹھنے کا لطف میسر آیا، انہیں مسندِ امارت پر اور خدام و حشم کے جلو میں بیٹھنا کیسے راس آسکتا تھا، اس لیے جب سلطان سنجر نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کو نیم روز کی گورنری پیش کی تو آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا"۔ ۵

صوفیائے کرام جہاں بھی گئے فقر و استغناء کی مثالیں قائم کر آئے، جو خدمت سرانجام دی بلا مزد و معاوضہ سرانجام دی، تبلیغ کو پیشہ نہیں بلکہ فریضہ سمجھ کر ادا کیا، لوگوں کو ایمان و ایقان کی لازوال دولت سے نوازنے کے باوجود ان کی دولت میں خود کو کبھی حصہ دار نہ جانا، بادشاہ ان کے جھونپڑوں کا طواف کرتے رہے مگر انہوں نے کبھی شاہ کے در دولت پر دستک دے کر غیرتِ فقر کو مجروح نہیں کیا یہی وجہ

marfat.com

ہے کہ دنیا پرست علماء جو بادشاہوں کے گرد شہد کی مکھیوں کی طرح بھنبھناتے تھے اور اُن کے اشارۂ ابرو پر ضمیر و ایمان کے سودے چکاتے تھے، باوجود منصب و جاہ اور سرکاری تحفظ و مراعات کے لوگوں کے دلوں میں وہ مقام پیدا نہ کر سکے جو ان بے نواؤں کو حاصل ہے اور آج تجربہ شاہد ہے کہ لوگ فوراً اس سے بدظن ہو جاتے ہیں جو امراء کے ارد گرد منڈلاتا ہو اور وہ شخص دُنیائے دل کے تخت پر متمکن ہو جاتا ہے ہے جس نے اپنا پیوند کسی کے پاس گروی نہ رکھا ہو۔

بادشاہوں نے اپنی سی کوشش کر ڈالی، امراء کی التجاؤں سے گِگھی بندھ گئی سرمایہ دار خاک چاٹتے رہے، جاگیر دار پیشانیاں رگڑتے رہے، نواب در پر پڑے رہے، رئیس کھہ کھہ کر عاجز آگئے، مہاراجوں کے تالو خشک ہو گئے، کسی نے نذر دینی چاہی کسی نے ہدیہ پیش کرنا چاہا، کسی نے جاگیر بخشنی چاہی، کسی نے منصب سونپنا چاہا، کسی نے وظیفہ جاری کرنا چاہا، مگر کسی ایک کی بھی پیش نہ گئی اور یوں صوفیائے کرام نے غیرتِ فقر کے فانوس کو بجھنے نہ دیا،

شیخ نور ترکؒ اعلیٰ پایہ کے بزرگ گزرے ہیں، بابا فریدالدین گنج شکرؒ، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، خواجہ میر خوردؒ، اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے آپ کا ذکر بڑے احترام اور شاندار الفاظ میں کیا ہے، آپ رضیہ سلطانہ (عہدِ حکومت ۶۳۴ھ تا ۶۳۷ھ) کے عہد میں ہو گذرے ہیں، بڑی بے نیاز اور غیور طبیعت پائی تھی، کسی سے طمع اور کسی سے تمنا آپکی سرشت میں نہ تھی، نہ دولت کے لیے ہاتھ پھیلائے اور نہ آنکھ اٹھا کر دیکھا، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ دہلویؒ نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا: ایک بار رضیہ سلطانہ نے زرِ نقد بھیجا، یہ اچھی خاصی رقم تھی، آپ نے اسے لینے سے انکار کر دیا۔ اُن کے ہاتھ میں اس وقت ایک چھڑی تھی انہوں نے اس چھڑی کو زرِ نقد پر مارا اور فرمایا یہ کیا ہے؟ اسے میرے سامنے سے لے جاؤ"۔ ؎

اسی رضیہ سلطانہ کے والد سلطان شمس الدین التمش کے دور کا واقعہ ہے۔ یہ بادشاہ ایک فقیر منش، نیکوکار اور تقویٰ شعار بادشاہ تھا، بزرگوں سے بے حد عقیدت و محبت رکھنے اور ان سے خندہ پیشانی سے پیش آنے والا تھا، ذاتی طور پر بے حد شریف اور متقی انسان تھا، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سمیت معاصر بزرگوں اور صوفیوں سے اس کے نیازمندانہ اور عقیدت کیشانہ تعلقات تھے، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ کسی صوفی اور بزرگ کے لیے شاہ کی دوستی کبھی مسئلہ نہ بنی، ملنے بلانے کی حد تک بزرگوں نے اخلاص مگر لینے لوانے کے معاملہ میں استغنار کا ثبوت پیش کیا، حالانکہ سلطان نے جو کچھ پیش کیا، لالچ کے طور پر نہیں ازراہِ عقیدت پیش کیا مگر "فقرِ غیور" اسے بھی برداشت نہ کرسکا۔ شیخ حامد بن فضل اللہ جمالیؒ رقمطراز ہیں:۔

> "ایک بار سلطان شمس الدین التمش نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو دہلی کی "شیخ الاسلامی" کا منصب پیش کیا تو آپ نے اس پیشکش کی جانب مطلق توجہ نہ کی"۔[۱]

اس دور میں "شیخ الاسلامی" کا منصب مذہبی اور سیاسی نقطۂ نظر سے کوئی معمولی منصب نہ تھا، تفصیل کا موقعہ نہیں ورنہ بتایا جاتا کہ اس منصب کے لیے کتنے "عبادار" اور "عمامہ پوش" بے چین اور سرگردان تھے اور حرص کے دل کے کسی بھی گوشے کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھا جائے تو کہیں ذرا سی بے چینی نظر نہیں آتی، عہدہ اسے دیا جا رہا ہے مگر اُسے "شیخ الاسلام" سے نہیں "اسلام" سے غرض تھی، اس کی تو خواہش تھی کہ زندگی اگر "خادمِ اسلام" کی حیثیت سے گزار جاؤں تو زہے نصیب، "شیخ الاسلام" ہونا تو بڑی بھاری ذمہ داری ہے، اُسے محض "نمبرداری" نہیں بلکہ "ذمہ داری" کا احساس تھا۔

عام لوگ جب صاحبِ منصب وجاہ بن جاتے ہیں تو ان کی گردنیں فخر سے تن جاتی ہیں، کسی کو جاگیر مل جائے تو اس کا قدم زمین پر نہیں پڑتا، کسی کو زمین کا قطعہ حاصل

marfat.com

ہو جائے تو اس کے سر میں عجب غرور آجاتا ہے، مگر فقر غیور جن کا سرمایہ حیات ہو وہ ان چیزوں کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ ملاحظہ فرمائیے، خواجہ حسن دہلوی، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی ایک مجلس منعقدہ ۱۹ ار جمادی الاول ۷۱۲ھ کی روئیداد قلمبند کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"سعادت قدم بوسی میسر آئی، انہی دنوں کسی رئیس نے دو باغیوں کے اور اسباب و آلات سمیت بہت سی زمین کی ملکیت کے کاغذات آپ کی خدمت میں بھجوائے تھے اور آپ کے ساتھ اپنے اخلاص کا اظہار کیا تھا، حضرت خواجہؒ نے قبول نہ کیا، حضرت اس باب میں فرمار ہے تھے کیا میں باغ، کھیتی اور زمین والا چوہدری بن جاؤں، آپ تبسم فرمار ہے تھے اور کہہ رہے تھے میں یہ قبول کر لوں تو لوگ کیا کہیں گے، یہی کہ شیخ باغ کو جارہا ہے، شیخ کھیتوں اور اراضی کے معائنہ کے لیے جارہا ہے، یہ عجیب و غریب فعل ہوگا، اس کا کوئی محل ہے؟ یہ کہتے کہتے آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمانے لگے، ہمارے خواجگان اور ہمارے مشائخ میں سے کسی نے بھی اس طرح کا کام نہیں کیا۔"[۱۵]

کسی نے سچ کہا ہے :-

جو بھی تیرے فقیر ہوتے ہیں آدمی بے نظیر ہوتے ہیں

ہم چند سطور قبل خواجہ بختیار کاکیؒ کے ضمن میں لکھ آئے ہیں کہ انہوں نے شیخ الاسلامؒ کے منصب کو لائق اعتنا نہ سمجھا، شیخ کاکیؒ کے مرید و خلیفہ بابا فرید الدین گنج شکر ہیں اور ان کے مرید و خلیفہ خواجہ نظام الدین دہلویؒ ہیں، یہ شیخ الشیوخ کی سیرت کا پر تو خواجہ نظام الدین دہلویؒ کے آئینہ میں دیکھئے۔ سلطان غیاث الدین بلبن نے جو خواجہ نظام الدین دہلوی کے عقید تمندوں اور ارادت کیشوں میں سے تھا، آپ سے "شاہی امامت" قبول کرنے

marfat.com

کی درخواست کی تو فرمایا "ہمارے پاس سوائے نماز کے اور کیا ہے؟ بادشاہ یہ چاہتا ہے کہ وہ بھی جاتی رہے"۔ ۱۳۵

غنا مال و اسباب سے حاصل نہیں ہوتا، اس کا مقام دل ہے، غنا کا تعلق شکم سیری سے نہیں چشم سیری سے ہے، جس کی آنکھ سیر اور دل غنی نہیں اس کا پیٹ صرف قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے لیکن جسے "مقام غنا" حاصل ہے وہ خالی ہاتھ ہونے کے باوجود مٹھی میں دونوں جہان کے خزانے رکھتا ہے، غنا، کمیت کا نام نہیں، کیفیت کا نام ہے، اس کیفیت کے پیدا کرنے میں روح اور قلب کی آزادی کا خاصہ حصہ ہوتا ہے، دل کی آزادی ہی تو شہنشاہی ہوتی ہے، جو چیز "مردان احرار" کو حاصل ہے وہ "شاہانِ تاجدار" کے نصیبوں میں کہاں؟ چٹائی پر بیٹھ کر "سدرہ نشینی" کا لطف مردانِ احرار کی قسمت میں ہوتا ہے، ایسے ہی راہ نشین اور غنی دل رکھنے والے فقیر کا ایک واقعہ ہے جسے میر خورد نے سیر الاولیاء میں نقل کیا ہے اور ہم اُسے "تاریخ مشائخ چشت" کے حوالے سے لکھ رہے ہیں۔

> "ایک بار والیُ ناگور نے شیخ حمید الدین ناگوریؒ کو شاہِ وقت کی جانب سے کچھ زمین اور نقد روپیہ پیش کیا اور قبول کرنے کی درخواست کی، آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا "ہمارے خواجگان میں سے کسی نے ایسی چیز قبول نہیں کی، ایک بیگھ زمین جو میرے پاس ہے، میرے لیے کافی ہے"۔ ۱۳۶

اورنگزیب عالمگیر کا ایک بیٹا صوفیاء اور اولیاء سے عقیدت رکھنے والا تھا اور اُسے برابر کسی بزرگ اور صوفی کی تلاش رہی تاکہ زیارت سے فیض یاب ہو سکے، عالمگیر کو اس کی ان سرگرمیوں کا پورا علم تھا چنانچہ اس نے ایک مفصل خط میں بیٹے کو لکھا کہ ہر ہاتھ اس قابل نہیں کہ اُسے پکڑ لیا جائے اور ہر دامن اس لائق نہیں کہ اُسے تھام لیا جائے

marfat.com

بڑے بڑے دعویدار اکثر و بیشتر بہت چھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ فلہذا اس معاملہ میں احتیاط و حزم اختیار کرو اور آخر میں ایک ایسے بزرگ کا واقعہ لکھا جو فقر و استغنا کا پیکر تھا جس کا اثر شہنشاہ نے دل کی گہرائیوں میں محسوس کیا، اورنگ زیب لکھتا ہے:۔

"میں نے ایک بار شیخ عبداللطیف برہان پوری کو گاؤں قبول کرنے کی درخواست کی تو فرمایا":۔

؎ شاہ ما را دہ دہد منت نہد　　　رازق ما رزق بے منت دہد

(بادشاہ ہمیں گاؤں دیتا ہے اور احسان دھرتا ہے، ہمارا رازق ہمیں بغیر منت جتلائے رزق دیتا ہے)۔

شیخؒ نے بڑی لطافت اور خوبی سے اپنی بے نیازی کا اظہار بھی کر دیا اور مصنوعی اور حقیقی خداؤں میں فرق بھی واضح کر دیا، دل کی بات زبان پر لانے اور حسن تدبر سے بات سمجھانے کا ڈھنگ کوئی ان سے سیکھے۔

حضرت مرزا جانجاناںؒ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک امیر نے ایک حویلی اور خانقاہ تیار کر کے اور فقراء کی وجہ معاش مقرر کر کے آپ کی خدمت میں عرض کیا اور قبولیت کی درخواست پیش کی آپ نے ان مراعات کو قبول نہ فرمایا اور جواب دیا:۔

"چھوڑ جانے کے لیے اپنا اور بیگانہ مکان برابر ہیں، فقیروں کا خزانہ صبر و قناعت ہے"۔ [۵۹]

انہی کے متعلق ایک اور ایمان افروز اور حقیقت کشا واقعہ ہے کہ ایک دن سخت جاڑے میں آپ ایک پرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے، نواب خان فیروز جنگ دربار میں حاضر تھا۔ یہ حال دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اس نے اپنے ایک مصاحب سے کہا کہ ہم گنہ گاروں کی کیسی بدقسمتی ہے کہ وہ بزرگ جن کی خدمت میں ہمیں ارادت ہے ہماری نیاز قبول نہیں کرتے، آپ نے فرمایا:۔

marfat.com

فقیر نے روزہ رکھا ہوا ہے کہ امیروں کی نیاز قبول نہ کروں گا اب جبکہ آفتاب غروب ہونے کے قریب پہنچ گیا ہے ایسی اپنا روزہ کیوں توڑ دوں" [۱۱۶]

آپ کی سیر و سوانح پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ واقعی آپ نے کبھی اپنا روزہ نہیں توڑا اور زندگی بھر اپنے عہد پر قائم رہے۔

مرزا جانجاناںؒ کے عقیدتمندوں میں جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں اچھے خاصے رئیس اور متمول آدمی تھے، مگر ان کی ہر مالی پیش کش آپ کی غیرتِ فقر کی نذر ہوگئی، آپ کی اس ظاہری تنگدستی کو دیکھ کر ایک بار نواب نظام الملک نے بھی کچھ پیش کرنے کی جسارت کی تھی مگر اس کی درخواست کو درخودِ اعتنا نہ سمجھا گیا، آپ کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ:

"ایک بار نواب نظام الملک نے تیس ہزار روپیہ بطور نیاز پیش کیا آپ نے حسبِ عادت قبول نہ فرمایا تو نواب نے عرض کیا آپ انہیں لے کر راہِ خدا میں فقیروں کو بانٹ دیں، آپ جلال میں آگئے فرمایا میں تمہارا خانساماں ہوں؟ یہاں سے تقسیم کرنا شروع کردو گھر پہنچنے تک ختم ہو جائیں گے" [۱۱۷]

اہلِ زر چیونٹی کی مانند اپنا رزق زمین میں تلاش کرتے ہیں اور یوں رینگنے والے حقیر کیڑے بن کر رہ جاتے ہیں مگر اہلِ فقر عقاب کی مانند نو سپہر کو نگاہ میں نہیں لاتے بلکہ ان کی نگاہ تو فضاؤں سے بھی ورے ہوتی ہے، وہ خود کو اللہ کا عیال سمجھ کر رزق کا ذمہ اللہ کو سونپ دیتے ہیں جب وہ رزق میں اس خدا کو اپنا کفیل بنا لیتے ہیں جو کبھی نہ ہاتھ سکڑتا ہے نہ اس کا خزانہ خالی ہوتا ہے اور نہ ہی کبھی بھولتا ہے تو پھر ان کی نظر میں شاہوں اور راجاؤں اور رئیسوں کی حیثیت مار و مور سے زیادہ نہیں رہتی نہ تو زرق برق لباس ان کی آنکھوں کو خیرہ کرتے ہیں، زریں طشت ان کا دل بہلاتے ہیں اور نہ کھنکتے سکے ان کے دل کی دھڑکن تیز کرتے ہیں، بلکہ ان کی بے نیازی میں ایک اور

marfat.com

شان پیدا ہو جاتی ہے۔ شاہ توکل انبالوی کے بارے میں پروفیسر نور بخش توکلی لکھتے ہیں :-

"ایک بار مہاراجہ جموں نے طشت میں نذر رکھ کر پیش کی، فرمایا یہ کیا ہے عرض کیا پانسو بیگھہ زمین کے کاغذاتِ ملکیت، ایک نوٹ اور کچھ اشرفیاں ہیں فرمایا میں زمین لے کر کیا کروں گا یہ تو فساد کی جڑ ہے، ان روپوں کی بھی مجھے ضرورت نہیں اور پھر آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا "دیکھ وہ ہمارا لنگر ہے، وہاں سے روپیہ پیسہ اور اناج چلا آ رہا ہے۔"[۱۸]

حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادیؒ اس دور کے باخدا اور نہایت ہی روحانی بزرگ گذرے ہیں، آپ کا حلقہ ارادت دور دور تک پھیلا ہوا تھا، باوجود اس کے کہ آپ متاخرین میں سے ہیں مگر جو اخلاص، درد، سوز، فقر، تقویٰ، پارسائی اور استغناد آپ کے ہاں ملتا ہے اس سے آپ متقدین میں ایک نمایاں فرد نظر آتے ہیں، مادہ پرستی کے اس دور میں یہ روحانی وجود عطیۂ الٰہی سے کم نہیں، آپ بیک وقت سریر آرائے علم وفضل اور زیب سجادہ تقویٰ وولایت تھے، آپ کی سوانح میں بکثرت ایسے واقعات ملتے ہیں جو آپ کے فقرِ غیور، کی نشاندہی کرتے ہیں، آپ کے ہاں آنے والوں میں عامی وعالم، رعایا وحاکم اور چھوٹے بڑے ہر طبقۂ زندگی کے لوگ شامل تھے بلکہ آپ کے ارادتمند مسلمانوں کے علاوہ ہندو اور انگریز بھی تھے اور وقتاً فوقتاً حاضری دیا کرتے تھے، یوپی اور اودھ کے انگریز لیفٹیننٹ گورنر نے متعدد بار آپ کی زیارت کی، اس سب کے باوجود وہی سامان گدایانہ اور انداز شاہانہ برقرار رہا آپ کے سوانح نگار مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔

"ایک مرتبہ الٰہ آباد سے ہائی کورٹ کا ایک انگریز جج اس تحقیق کے لیے آیا تھا کہ آپ کے پاس ہر ملک کے لوگوں کا مجمع کیوں رہتا ہے؟

marfat.com

(کیونکہ اس زمانہ میں حیدر آباد سے نواب خورشید جاہ آپ کے پاس آئے تھے) آپ نے فرمایا توبہ کے لیے آتے ہیں، ہم اُن کے گواہ ہو جاتے ہیں تم بھی شرک سے توبہ کرو ہم گواہ ہو جائیں گے"۔ انگریز اس صاف گوئی پر بڑا خوش ہوا اور کہا آپ کی خانقاہ کے لیے اگر فرمائیں تو ملکہ معظمہ کو لکھوں، فرمایا "کیا ضرورت ہے، ہمارے پاس خدا کے فضل سے دو جوڑے کپڑے، دو لوٹے مٹی کے اور دو گھڑے موجود ہیں"۔ ۳۴

صوفیاء کرام کا کہنا ہے کہ کوئی شخص اس وقت فقیر نہیں بن سکتا جب تک کہ اس کی نظر میں سونے کی ڈلی اور مٹی کا ڈھیلا برابر نہ ہو جائے، بعینہ یہی بات ہمیں صوفیاء کے کردار میں نظر آتی ہے کہ چمکتے کھنکتے سکے ان کی نظر میں ٹھیکریوں اور گھونگوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے، مال و دولت کا ذکر سن کر صوفیاء کبھی پہلو بدلنے پر مجبور نہیں ہوئے جس سے ان کی بے تابی کا احساس ہو، ابھی شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے بارے میں مذکور رہے، مولانا محب اللہ لمرد ہوی فرماتے ہیں :-

"ہم نے شاہ فضل رحمٰنؒ کی خدمت میں عرض کیا، کبھی رامپور تشریف لے چلئے نواب کلب علی خان (والئ رامپور) آپ کے دیدار کے بڑے مشتاق ہیں (آپ کے تشریف لے جانے کی صورت میں) ایک لاکھ روپیہ نذر کریں گے، آپ جس طرح سے بات کر رہے تھے اسی طرح کرتے رہے اور اس پیش کش کو معمولی بات کی طرح ٹال دیا، اور فرمایا کہ میاں لاکھ روپے پر خاک ڈالو اور بات سنو،

جو ہم دل پہ اسکا کرم دیکھتے ہیں ۔۔۔ تو دل کو بہ از جام جم دیکھتے ہیں
اور پھر وہی سوز و عشق کی کہانی کرتے رہے"۔ ۳۵

سچ ہے خدا کے در پر دامن پھیلانے والے دو عالم سے بے نیاز ہو جاتے ہیں

marfat.com

اور اس کی گلی میں بستر لگانے والے پھیری لگانے سے بے پروا ہو جاتے ہیں۔

حضرت شاہ غلام علیؒ (المتوفی ۱۲۴۰ھ) بھی اُس قبیلے سے تعلق رکھنے والے ایک خدار سیدہ بزرگ ہیں جو زمانے میں "فقرِ غیور" کے حوالے سے متعارف ہیں جس طرح شعلہ و شبنم کی یکجائی عجوبۂ روزگار ہے اسی طرح میر و فقیر کی ہم آغوشی بھی باعثِ ہزار تعجب ہے اسی لیے فقر و زر کی آپس میں کبھی نہیں بنی بلکہ ٹھنی رہی ہے امارت نے بارہا سنہرے جال تنے، مگر فقر کا "مرغِ وحشی" بہت کم ہی زیرِ دام آیا اگر ایسا ہوا ہے تو وہ فقر میں ابھی "پر نارستہ" ہوگا ورنہ طائرِ لاہوتی اور اڑ کے آئے ایک دانے کے لیے، یہ قطعاً ممکن نہیں، حضرت شاہ غلام علیؒ بھی ایسے "ہزار دام" سے ایک "جنبش" میں نکل آئے تھے، اور یوں فقرِ غیور کی تاریخ میں ایک سنہرے باب کا اضافہ کر دیا، سر سید احمد خانؒ لکھتے ہیں:۔

"ایک دفعہ نواب امیر الدولہ امیر محمد خان والیٔ ٹونک نے بہت التجا سے درخواست کی کہ کچھ وظیفے کا تقرر منظور فرما لیا جائے اس کے جواب میں آپ نے صرف یہ شعر لکھ کر بھیج دیا۔"

ع ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم | با میر خان بگوی کہ روزی مقرر است[۱۴۱]

ان الفاظ پر اس موضوع کو ختم کیا جاتا ہے اور ایک بار پھر ہم اس بات کا اعادہ کریں گے کہ ذرا توجہ اور گہرائی سے جاننے کی کوشش کیجئے کہ تصوف کیا ہے؟ ارباب تصوف کیا تھے؟ ان کی سیرتیں اور شخصیتیں کس پائے کی تھیں، جب ساحل سے کبھی اندازۂ طوفاں نہیں ہو سکتا، جب شناوری کے بغیر کبھی موتی ہاتھ نہیں آسکتا، تو یہ ناانصافی صرف تصوف سے کیوں برتی جاتی ہے؟

---

marfat.com

تاجِ شہی فقر کے قدموں پر

ہم "فقرِ غیور" کے عنوان میں وضاحت سے لکھ آئے ہیں کہ صوفیا کرام کی عظمت و جلالت کا راز اُن کے فقرِ غیور میں پوشیدہ تھا، جب فقر آدابِ خود آگاہی کا معلم بنتا ہے تو انسان کو اپنی منزل آسمانوں سے بھی پرے نظر آتی ہے، فقر بجائے خود فخر ہے فقر کے حسین چہرے کو مزید کسی غازے کی ضرورت نہیں ہوتی، فقر کے روئے دلآرام کو مشاطۂ فطرت خود سنوارتی نکھارتی ہے۔

تاریخِ تصوف کا جہاں ہر باب بصیرت افروز ہے وہاں دلچسپ بھی ہے، ایسی ایسی باتیں سامنے آتی ہیں کہ عقل ورطۂ حیرت میں ڈوب ڈوب جاتی ہے، یہ تو بارہا ہوا کہ قصرِ مرمر سے نگاہیں کٹیا کی طرف اٹھیں مگر ایسا ہرگز نہیں ہوا کہ جھونپڑی کی درز سے کبھی نظروں نے فلک بوس محلوں کا طواف کیا ہو، یہ نظارہ تو ہزاروں لوگوں نے دیکھا کہ مرمریں محل سے اکتا کر شاہانِ وقت گھاس پھونس کی جھونپڑی میں آکر عافیت کے طالب ہوئے مگر اس کا ایک بھی گواہ نہیں کہ بوریا نشین نے شاہوں کی چوکھٹ پر سرِ نیاز جھکایا ہو، داراشان کے وجم تو تاج و تخت سے اکتا گئے مگر بوذرؓ و سلمانؓ کے مسند نشین کبھی دل برداشتہ نہ ہوئے، تاریخ نے شاہوں کو آتے دیکھا لیکن گداؤں کو جاتے نہیں دیکھا امیروں کو کھدر کے چیتھڑے راس آگئے لیکن فقیروں کو حریر و پرنیاں، کانٹوں کا اوڑھنا لگنے۔

marfat.com

تاج زر اور خرقہ فقر کی داستان بڑی ہی عجیب و غریب ہے، تخت کے موتی اور ہیرے وہ کچھ نہ دے سکے جو بیابان کے ذروں نے دیا، کلاہ خسروی اس قدر دماغ کو اونچا نہ کر سکی جتنا کہ دُوتی کی ٹوپی نے کر دیا، سکندر گھڑی گھڑی بدلتے رہے مگر قلندر جہاں تھے وہیں رہے کیوں کہ یہی انسانیت کی معراج کبریٰ ہے، سکندر کو تخت و تاج سیر چشمی نہ دے سکے مگر قلندر کو فقر نے تونگر بنا دیا، اب آئیے تاریخ کے دامن پر بکھرے موتی چنیئے، سید اشرف جہانگیر، شیراز کے حاکم اعلیٰ، ۸۰۸ھ میں وفات پائی، آپ کے بارہ میں آتا ہے۔

"آپ نے اپنی والدہ کی اجازت سے سمنان (شیراز) کے تخت سلطنت کو چھوڑ کر فقر و درویشی اختیار کی"۔[۱]

حاکم شاہ، کیچ مکران کے گورنر تھے، ۱۳۶۸ء میں وفات پائی، آپ کی کایا کلپ کا حال ملاحظہ ہو، ڈاکٹر شیخ اکرام لکھتے ہیں۔

"شاہ رکن عالم ملتانیؒ کے مرید بنے، گورنری چھوڑ کر ارشاد و ہدایت اور تبلیغ اسلام میں مصروف ہو گئے، اوچ اور سکھر کا درمیانی علاقہ آپ کا مرکز بنا"۔[۲]

وقت کے صاحب جلالت، ہیبت بادشاہ فقیروں سے ملنے کا شوق دل میں پیدا کیے رہے مگر اللہ والوں کے دل میں کبھی شاہ کی ملاقات نے چٹکی نہیں لی، ان کے نزدیک لوگوں کے دین کے لیے دنیا اور دنیا داروں کا قرب بکریوں کے لیے بھیڑیئے کی نسبت زیادہ نقصان دہ تھا، بادشاہ کے کر و فر نے فقیر کے دل کو نہیں لبھایا لیکن ارباب تخت و تاج ان کے ہاں حاضری کو دنیا و آخرت کی سعادت سمجھتے رہے،

حضرت شیخ برہان الدین مرغینانیؒ صاحب الہدایہ کے شاگرد، شیخ برہان الدین

marfat.com

بلخیؒ کے بارہ میں شیخ مرغینانیؒ کی پیشین گوئی تھی،

"یہ بچہ اس قدر عظیم و جلیل ہوگا کہ بادشاہ اس کے دروازے پر حاضری کو سعادت سمجھیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا، سلطان غیاث الدین بلبن ہمیشہ جمعہ کی نماز کے بعد شیخ برہان الدین بلخیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا" ؎

حضرت شیخ قطب الدین کاشانیؒ جہاں ایک طرف مرجع عوام تھے وہاں وہ مرجع خواص بھی تھے، حلقۂ ارادت میں ممتاز مشائخ سے لے کر جلیل القدر بادشاہ تک شامل تھے، ہزاروں لاکھوں لوگوں کے مرشد و رہنما خواجہ بہاء الدین ذکریاؒ بھی ان میں سے تھے جن کے دل شیخ کاشانیؒ کی عقیدت اور محبت سے لبریز تھے، یہی وجہ ہے کہ شیخ کاشانیؒ ایک دوسرے کے موقع پر جب تک ملتان ٹھہرے رہے، خواجہ بہاء الدین زکریاؒ روزانہ صبح کی نماز ان کے پیچھے جاکر پڑھتے اور نیاز حاصل کرتے، شیخ کاشانیؒ جب ملتان کے راستے دہلی تشریف لے گئے تو سلطان شمس الدین التمش شہنشاہِ ہند نے بنفس نفیس باہر نکل کر آپ کا استقبال کیا اور دعائیں حاصل کیں"۔

انہی سلطان شمس الدین کا بیٹا شہزادہ ناصر الدین بھی اپنے والد کی طرح اللہ والوں کا عقیدتمند تھا جب وہ ملتان اور اوچ کے دورہ پر گیا تو اجودھن (پاک پٹن) میں شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی قدمبوسی کی"۔

سلطان شمس الدین التمش، باوجود شہنشاہ ہونے کے خود بھی متقی اور متشرع انسان تھا اگر وہ خلعتِ شاہی کے بجائے صوف کا خرقہ اور کلاہِ خسروی کی جگہ کلاہ فقر اوڑھ لیتا تو وقت کا صوفی اور شیخ ہوتا تاہم اس کے صالح، پرہیزگار اور متدین ہونے پر ایک زمانہ متفق ہے، سلطان کو منجملہ دیگر بزرگوں کے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ خلیفہ اوّل خواجہ معین الدین حسن چشتیؒ سے خصوصی عقیدت تھی، دار الحکومت دہلی میں جب شیخ ملتان سے آئے تو سلطان نے خدا کا شکر ادا کیا اور شہر سے باہر نکل کر آپ کا

marfat.com

خیر مقدم کیا خواجہ حامد بن فضل اللہ جمالیؒ شیخؒ اور سلطان کے باہمی روابط اور سلطان کی مخلصانہ عقیدت کے متعلق تحریر کرتے ہیں :۔

"سلطان ہفتے میں دو بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ سے فیض حاصل کرتا۔ چونکہ آپ کی قیام گاہ شہر سے باہر اور ذرا فاصلے پر تھی، سلطان نے عاجزی سے درخواست کی کہ اگر براہِ کرم وعنایت آپ شہر کے نزدیک قیام پذیر ہوں تو بہت بہتر اور نہایت خوب ہو آپ نے سلطان کی درخواست منظور کرلی"۔ [۴۹]

آپ ان واقعات سے اندازہ فرماتے جائیے، شان فقر اور عظمتِ فقر کا اور تاجِ شہی فقر کے قدموں پر" کی جھلکیاں ملاحظہ کرتے جائیے۔

شیخ رکن الدین ابو الفتحؒ جنہیں دو بادشاہوں کا زمانہ ملا۔ بایں ہمہ فقیر نے کبھی شاہوں کی جانب التفات نہ کیا مگر شاہ "بابِ فقیر" سے مستغنی نہ رہ سکے، دراصل وہ خوب جانتے تھے کہ نعم الامیر علیٰ باب الفقیر ——— میں دونوں کی عزت ہے، صاحب سیر العارفین شیخ ابو الفتح کی دہلی آمد کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

"شیخ دو مرتبہ سلطان علاؤ الدین اور تین بار سلطان قطب الدین کے زمانے میں دہلی تشریف لائے سلطان علاؤ الدین باوجودیکہ آشوب چشم میں مبتلا تھا مگر آپ کے استقبال کے لیے سوار ہو کر گیا اور نہایت اعزاز کے ساتھ آپ کو شہر میں لایا"۔ [۵۰]

سیر العارفین کے مصنف، شیخ ابو الفتح کی بادشاہوں سے ملاقات، اسکی غرض اور شاہوں کے طرزِ عمل کی روداد کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ صوفیا اگر کبھی شاہوں کے دربار میں گئے تو دو مقاصد کے علاوہ تیسرا کوئی مقصد نہ تھا، ایک تبلیغ حق اور وعظ نصیحت دوسرے حاجتمندوں کی حاجت برآری کے لیے

marfat.com

ورنہ صوفیاء کرام کو نہ کبھی شاہی دربار سے دلچسپی رہی اور نہ شاہوں سے ملاقات کا شوق تاریخ کی گواہی دیکھئے۔

"شیخ رکن الدین ابوالفتح سلطان قطب الدین سے ملنے شاہی محل جاتے تو لوگوں کی ڈھیروں عرضیاں ہمراہ رکھتے، تیسری دہلیز پر سلطان آپکا استقبال کرتا اور اندر لے جاتا، دو زانو ہو کر باادب آپ کے سامنے بیٹھ جاتا اور آپ کی تشریف آوری کو بہت بڑی عنایت اور نعمت تصور کرتا، آپ اپنے خادم کو حکم دیتے کہ وہ لوگوں کی عرضیاں لائے، سلطان تمام عرضیوں کو پڑھتا، مناسب حکم دیتا اور آپ اس وقت تک واپس نہ جاتے جب تک مخلوق کے تمام معاملات طے نہ ہو جاتے"۔ ؎

اسی مصنف نے شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے ساتھ سلطان شمس الدین التمش کے حسن عقیدت کی منظر کشی ان الفاظ میں کی ہے۔

"شیخ تبریزیؒ بغداد سے دارالخلافہ دہلی آئے تو سلطان شمس الدین التمش نے دہلی سے باہر آکر آپ کو خوش آمدید کہا جب آپ ابھی دور ہی تھے، سلطان کی نظر پڑی تو احتراماً گھوڑے سے اتر پڑا اور والہانہ انداز میں مصافحہ کیا"۔ ؎

تاریخ کے صفحات میں ہمیں ایسے واقعات جا بجا ملتے ہیں جو اس امر کی مستند گواہی کی حیثیت رکھتے ہیں کہ بیسیوں شہنشاہ ان بندگان خدا کی خدمت اور ارادت کو اپنا قیمتی اثاثہ تصور کرتے اور ان سے تعلق کو عزت سمجھتے تھے، سچ ہے جو خدا کا ہو گیا دنیا اسی کی بن گئی، جو اس سے پھرا دنیا بھی پھر گئی، ان حقائق کا انکار کیوں کر ممکن ہے کہ وقت کے باجبروت سلاطین نے صوفیاء و اولیا کی عقیدت کا قلادہ اپنے گلے میں ڈالا اور اسے موتیوں کا ہار سمجھا، ہر چھا جانے والی رات اور نکلنے والا دن انکی عقیدت

marfat.com

ارادت میں برابر اضافہ کرتا جاتا، شہنشاہِ ہند فیروز تغلق کو شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی سے بے حد عقیدت تھی، سلطان علاؤ الدین خلجی، خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا مرید تھا، جلال الدین خلجی بھی آپ سے نیاز مندی کا شرف رکھتا تھا، سلطان احمد خان بہمنی، سید محمد گیسو دراز کا ارادت مند تھا، والیٔ ہرات شاہ حسین خواجہ عبید اللہ احرارؒ کا معتقد اور باقاعدہ آپ کے سلسلے سے منسلک تھا۔ حاکم بیجاپور ابراہیم عادل شاہ ثانی پیر ہاشم گجراتیؒ کا ارادت کیش تھا، سلطان نصیر الدین ہمایوں شیخ حامد بن فضل اللہ جمالیؒ کے عقیدتمندوں میں سے تھا، یہ اور ایسی سینکڑوں مثالیں ہمارے مدعا کو واضح کرتی ہیں کہ بوریہ نشینی میں عرش نشینی کا مزہ صوفیاء نے لوٹا ہے اور یوں فقر کی لاج رکھی ۔

سلطان محمد جلال الدین اکبر جسے منتظم، مدبر، صاحب کرّ و فر اور شان و شکوہ کے لحاظ سے "مغلِ اعظم" کہا جاتا ہے، اپنی تمام تر سطوت و وجاہت کے ساتھ فقراء کی جھگیوں کا طواف کرتا اور اس طرح تاریخ کا ایک نیا اور زریں باب رقم ہوتا، وقت کا شہنشاہ جو پچاس برس تک پورے دبدبے سے حکومت کرتا رہا۔ فقیروں کے ہاں یوں نظر آتا کہ وہ خادموں میں سے ایک ہے، جب آتا تو ذہن سے سکندری نکال کر آتا اور دل میں بجز ارادت و جذبۂ خدمت کے اور کچھ نہ ہوتا، صدر الصدور شیخ عبد النبیؒ کے ساتھ اکبر کی ارادت و عقیدت کا یہ عالم تھا کہ :-

"ایک دفعہ جوتے اُن کے سامنے اٹھا کر رکھے" [۸]

ولیُ الہند خواجہ اجمیریؒ کے ساتھ عقیدت و ارادت ذیل کے الفاظ سے ملاحظہ کی جا سکتی ہے ۔

"اکبر سال بسال اجمیر جاتا کوئی مہم ہو یا اس کے علاوہ بھی، ایک منزل سے پیادہ پا جاتا اور بعض منتیں (خصوصاً جہانگیر کے تولد سے پہلے تو ایسی بھی ہوئیں کہ فتح پور یا آگرے سے اجمیر تک پاپیادہ گیا۔" [۹]

marfat.com

اکبر بادشاہ شیخ سلیم چشتیؒ کا بھی بے حد معتقد تھا، شیخ سلیمؒ ہی کے نام پر اپنے بیٹے کا نام سلیم رکھا جو بعد میں شہنشاہ نورالدین محمد جہانگیر کے نام سے مشہور ہوا، شیخ سلیم بابا فرید شکر گنجؒ کی اولاد سے ہیں، حجاز، روم، بغداد اور نجف کی سیاحت فرمائی، بعد ازاں فتح پور سیکری میں اقامت پذیر ہوئے۔ اکبر نے سلیم کی پیدائش کے دو برس بعد شیخ سلیم چشتیؒ سے اپنی عقیدت کا اظہار اس طریقے پر کیا۔

"خانقاہِ شیخ کو روحانی و عرفانی چشمہ جان کر وہاں ایک شہر تعمیر کروایا چنانچہ ۱۵۷۱ء میں فتح پور کی شاندار عمارتیں بننی شروع ہوئیں اور یہ معمولی گاؤں شہنشاہِ ہند کا پایۂ تخت ہوگیا۔" ۱۰

خواجہ محمد زبیر سرہندیؒ المتوفی ۱۱۵۱ھ سے امراء اور اعیان سلطنت کی عقیدت وارادت کی یہ کیفیت تھی۔

"جب شیخؒ مکان سے مسجد تشریف لے جاتے تو امراء راستہ میں دوشالہ اور رومال بچھا دیتے کہ آپ کا پاؤں زمین پر نہ پڑے۔" ۱۱

حجۃ اللہ فی الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اپنے بزرگوں کا ذکر کرتے ہوئے مختلف مشائخ کرام سے بڑے بڑوں کی ارادت کا حال بیان فرماتے ہیں، شاہ ولی اللہ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیمؒ کا کہنا ہے:

"جب شیخ آدم بنوریؒ کی شہرت عام ہوئی تو دھوم شاہجہان تک پہنچی، شاہ نے وزیر سعد اللہ خان اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کو بھیجا تاکہ حقیقت حال کا علم ہو، دونوں شیخ کی خدمت میں پہنچے، شیخ مراقبہ میں تھے، کافی دیر دروازے پر بیٹھے رہے، جب شیخ حالتِ مراقبہ سے باہر نکلے تو دونوں آپ کے حجرے میں داخل ہوئے، شیخؒ ان کی تعظیم بجا نہ لائے یہ دیکھ کر دونوں بگڑ گئے، سعد اللہ خان نے کہا میں تو اہل دنیا میں سے

marfat.com

ہوں مگر ملا عبد الحکیم تو عالم دین ہیں ان کی تعظیم ضروری ہے آپ نے جواباً ارشاد فرمایا حدیث میں وارد ہے :-

العلماء امناء الدین مالم یخالطوا الملوک ماذا خالطوهم فهو اللصوص۔

(علماء دین متین کے پہریدار اور محافظ ہیں جب تک صحبتِ امراء سے دور رہیں جب انہیں صحبتِ امراء راس آجائے تو وہ چور ہیں) "[۱۲]

"ایک دن بہمن یار خان لباس فاخرہ زیب تن کر کے حضرت خواجہ میر خوردؒ (صاحب سیر الاولیاء) کی خدمت میں آیا۔ اس وقت آپ کے گھر میں کوئی فرش نہیں تھا لوگ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے، بہمن یار خان بھی زمین پر بیٹھ گیا۔ حاضرین میں سے کوئی شخص اٹھا اور خواجہؒ کے کان میں کہا "یہ بہمن یار خان ہے اس کی تعظیم کرنی چاہیے"۔ خواجہ صاحب نے باآواز بلند فرمایا" اگر یار ہے تو محتاجِ تعظیم نہیں اگر غیر ہے تو لائق تعظیم نہیں"۔ [۱۳]

حضرت میاں میر قادری لاہوریؒ کے دروازے پر بھی کئی بادشاہوں نے دستک دی اور نیاز بجا لائے، آپ کے عقیدتمندوں میں سرِ فہرست شاہجہان کا نام ہے۔ آپ کے ساتھ شاہجہان اور شہزادہ بلند اقبال کی عقیدت کس قدر تھی؟ تاریخ میں اس کا متعدد جگہوں پر ذکر ملتا ہے، تذکرۂ مشائخ قادریہ کے مولف لکھتے ہیں :-

"جب شاہجہان لاہور آیا تو شہزادہ بلند اقبال بھی اس کے ساتھ حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، دوسری بار دس مہینے بعد جب شاہجہان حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت بھی شہزادہ ہمراہ تھا اس وقت شہزادہ کی ارادتمندی کا یہ عالم تھا وہ آپ کے مکان کی دوسری منزل میں جہاں آپ کا قیام تھا برہنہ پا گیا اور جو لنگ وہ چبا کر پھینکتے جاتے

marfat.com

تھے انہیں اٹھا کر کھاتا رہا"۔ ؎

حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ جو اس صدی کی بڑی با اثر روحانی شخصیت گذری ہیں اپنی درویش منشی، سادگی، غیرتِ فقر اور للہیت کے باعث خاصی مشہور ہیں، آپ کے درِ دولت کو نجانے کتنے امیروں، رئیسوں، نوابوں اور منصب داروں نے چوما کتنے کج کلاہ سلامی دینے آئے اور کتنے سر پر آرا، جاروب کش بنے، آپ کی کشش کا یہ عالم تھا کہ ایک زمانہ امنڈا چلا آتا، مسلمان امراء کا تو کیا کہنا غیر مسلم ارکانِ سلطنت کو بھی آپ سے ملنے کا اشتیاق رہا اور دل میں جذبۂ عقیدت موجزن رہا، برصغیر پاک و ہند کے نامور مصنف اور عالم دین مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔

"ایک دفعہ صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کے لیفٹیننٹ گورنر نے آپ سے ملنے کی اجازت چاہی آپ نے لوگوں سے فرمایا میں تو ایک فقیر آدمی ہوں ان کے بیٹھنے کا کیا انتظام ہوگا! اچھا ایک کرسی منگا لینا، لیفٹیننٹ گورنر کی طرف سے تاریخ اور وقت بھی مقرر ہوگیا اور آپ لوگوں سے یہ کہہ کر بھول بھی گئے، یہاں تک کہ لیفٹیننٹ گورنر مع چند حکام اعلیٰ آموجود ہوئے سب کھڑے تھے ایک میم بھی کھڑی تھی شیخؒ نے اسی گھڑے کی طرف اشارہ فرمایا کہ "بی تو اس پر بیٹھ جا" لیفٹیننٹ گورنر نے کچھ تبرک مانگا۔ آپ نے ایک خدام سے فرمایا کہ بھائی دیکھو میری ہنڈیا میں کچھ ہو تو ان کو دے دو، اس میں سے کچھ چورا مٹھائی کا نکلا بس سب کو تھوڑا تھوڑا تقسیم کر دیا، سب نے ادب اور خوشی سے قبول کیا اور تھوڑی دیر بیٹھ کر اجازت چاہی اور رخصت ہو گئے چلتے وقت نصیحت کی درخواست کی فرمایا "ظلم مت کرنا" ؎

ان تمام تاریخی، مستند اور مضبوط حوالوں سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ من تواضع للہ رفعہ اللہ ، جو خدا کے ہاں سرنگوں ہو، خدا اُسے سربلند کردیتا ہے، خادم بن کر رہنے سے خدا مخدوم بنا دیتا ہے، صوفیاء نے بلاشبہ یہی طریقہ اختیار کیا تو اللہ نے انہیں عزیز جہاں بنا دیا ۔

marfat.com

تعلیمات تصوّف

اب تک ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ تصوف شریعت کے علاوہ یا اس سے ہٹ کر کوئی ادارہ یا تحریک نہیں بلکہ شرعی احکام و مسائل کے ضمن میں لوگوں کے اندر آمادگی اور شوق ابھارنا تصوف کا اصل کام ہے یوں تو نماز ادائے ارکان کے ساتھ مکمل ہو جاتی ہے لیکن تصوف حضور قلب پیدا کرنا چاہتا ہے، روزے کے ساتھ ضبطِ نفس کا اہتمام تصوف کا منشاء ہے، زکوٰۃ ادا کرتے وقت سب کچھ خدا کی راہ میں لٹا دینے کا عزم تصوف کے پیش نظر ہے، تصوف حج کو دنیا کے غیر ضروری مشاغل اور جھنجھٹوں سے آزاد کر دینے کا ذریعہ بنا دینا چاہتا ہے، اسی طرح دیگر تمام فرائض و واجبات کے سلسلہ میں تصوف کی نظر اس کی اصل غایت اور روح پر رہتی ہے۔

اسلام جب ایک تحریک اور انقلاب کے طور پر دنیا کے سامنے آیا اور دنیا کے بیشتر حصے میں حکمران دین کے طور پر متعارف ہوا تو یہ باقاعدہ ایک ایسا ادارہ بن گیا۔ جس کے کئی شعبے ہوں اسلام محض مذہب ہوتا تو اس کے پیروکاروں کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ زاہد مرتاض، عبادت گذار، شب بیدار اور تسبیح خوان بن جائیں لیکن یہ دین تھا اور انسانی زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی اور محیط تھا، اس دین کے لیے ضروری تھا کہ اس کے ماننے والوں میں جرنیل بھی ہوں اور سیاستدان بھی، عابد و زاہد بھی ہوں اور عالم اور محقق بھی، مفسرین کی ایک جماعت بھی ہونی چاہیے اور محدثین کی بھی، متکلمین

marfat.com

اسلام کے گروہ کی ضرورت بھی تھی اور فلسفیانِ اسلام کی بھی، سو وقت گزرنے اور دائرہ اسلام وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ یہ تمام شعبے خود کفیل ہوتے چلے گئے، تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام، فلسفہ، منطق، مناظرہ، سیاسیات، سپہ گری اور سفارت کاری یہ اور ایسے دیگر علوم و فنون مستقل حیثیت اختیار کر گئے، اسلام بین الاقوامی دین بنا تو بین الاقوامی تقاضے بھی پیدا ہو گئے، اُن سے عہدہ برآ ہوتے کے لیے بے پناہ صلاحیت کار کی ضرورت تھی، اس امر سے ہر شخص متفق ہے کہ جو چیز جتنا اپنا دائرہ اثر وسیع کر لیتی ہے اس میں اتنی ہی کمزوری پیدا ہوتی چلی جاتی ہے، اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں فطرتاً ایسا ہو ہی جاتا ہے، یہ کچھ اسلام کے اندر بھی ہوا، اسلام کا اصل مدعا اور مقصودِ حقیقی دنیا کے لیے بہترین اور باصلاحیت انسان فراہم کرنا تھا اور اسلام نے اس مقصد کو کبھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیا، لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ مختلف شعبے اپنے نام کے ساتھ تو قائم رہے لیکن مقصدیت کا فقدان صاف طور پر محسوس ہونے لگا، اسلام صرف لشکر و سپاہ ہی پر اکتفا نہیں کرتا، وہ لشکر و سپاہ کو "جند اللہ" کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہے، اسلام قرآن اور اس کی تفسیر کے ضمن میں محض شان نزول، اقسام وحی، تقسیم سُور، ناسخ و منسوخ، آیاتِ مکیہ و مدنیہ، تاویل و تعبیر، حروف مقطعات اور محکمات و متشابہات کے علم کو کافی نہیں سمجھتا، جب تک کہ روحِ قرآن دل میں نہ اتر جائے، وہ ایسے محدثین چاہتا ہے جو احادیث کے ضعیف و قوی، صحیح و حسن اور ناسخ و منسوخ جاننے کے ساتھ ساتھ مزاج شناس رسول ہوں تاکہ اطاعت میں محبت کی کیفیت پیدا ہو جائے، اسلام فقہا اصل میں انہیں سمجھتا ہے جو نرے طہارت و وضو، بیع و شرا، قراض و رہن اور لعان و ظہار کے مسائل ہی نہ جانتے ہوں۔ بلکہ انہیں دین کی حکمت سے پوری واقفیت ہو اور دل و جان سے اس علم پر عمل کرنے والے ہوں اور اسی طرح اسلام کا فلسفے اور علم کلام کے ضمن میں بھی اپنا ہی مزاج ہے، مگر

marfat.com

اسلامی حکومت کی حدود میں وسعت، پیروکاروں کی ان گنت تعداد، مختلف ملکوں کے تمدن کے اثرات، دیگر قوموں کی عادات اور مقامی رسوم و روایات کی وجہ سے مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے پر مختلف اثرات مرتب ہوئے، نتیجے کے طور پر صورت میں تو چنداں تبدیلی نہ آئی البتہ معنی بدل گئے، یوں تو مسلمانوں میں اچھے جرنیل بھی تھے، مفسر اور محدث بھی، متکلم بھی اعلیٰ درجے کے اور مناظر بھی بلند پایہ، فقہا کی کمی بھی نہ تھی اور سیاستدانوں کی بھی بہتات، لیکن معیاری انسان کم سے کم تر ہوتے چلے گئے، ایسے انسان جن میں تقویٰ، اخلاص، مروت، صبر، سماحت، فتوت، انکساری، بذل و سخا، سوز و گداز، رفق و لطف، عفو و درگذر، للہیت، قناعت، صدق، سادگی، توکل اور تسلیم و رضا کے اوصاف بدرجہ اتم ہوں، کہ یہی معراج انسانیت اور مقام آدمیت ہے۔

تصوف کو باقاعدہ ایک ادارے اور تحریک کی شکل دینے کی ضرورت محض اس لیے پیش آئی کہ وہ متذکرہ صدر کام سرانجام دے کہ جو شخص جیسا اور جس شعبے میں ہے وہیں رہے لیکن اس میں بنیادی انسانی اوصاف و خصائص اور اخلاق فاضلہ کا ہونا سب سے اہم چیز ہے۔

تصوف نے جو بھی خدمات سرانجام دیں اور جس بھی درجے میں اپنے اثرات چھوڑے اس سے یہ تو نہیں ہوا اور نہ تصوف اس کا دعویدار ہے کہ تفسیری نکات اور محدثانہ اصطلاحات میں اضافہ ہوا ہو، فقہی ابواب کی از سر نو ترتیب ہوئی ہو، علم کلام کے نئے ادارے وجود میں آئے ہوں البتہ اس سے انکار بہت ہی دشوار ہے کہ تصوف نے دنیا کو مخلص، بے ریا، باخدا، متواضع، راستباز، دردمند، غیور و جسور، متوکل قانع، صابر و شاکر، سادہ اور ایثار پیشہ انسان مہیا کیے ہیں۔

مختلف علوم و فنون پر جب ہزاروں کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جانے لگیں لیکن ان کا انسانی اخلاق سے براہ راست کوئی تعلق نہ تھا زیادہ سے زیادہ انہیں داد تحقیق ہی

marfat.com

دی جا سکتی تھی توصوفیاء نے اسے عبث کام سمجھتے ہوئے لوگوں کو ہدایت کے بنیادی سرچشموں یعنی قرآن و حدیث کی تعلیمات سے روشناس کرایا ایک محقق جب کتاب لکھتا تو ان مسائل کی تحقیق و جستجو کرتا، جبر و قدر، خلق قرآن، ملائکہ اور جنات کا وجود، جنت کی ماہیت، رفع عیسیٰ، ولادتِ مسیح اور ایسے ہی دیگر مسائل، لیکن صوفیاء نے ان مسائل کے مقابلے میں توبہ و انابت، زہد و ورع، خشوع و خضوع، تسلیم و رضا، صبر و شکر توکل علی اللہ، عجز و انکسار، فقر و قناعت، عزم و استقامت، ایثار و اخلاص، صدق و صفا خوف و خشیت اور حکمت و بصیرت ایسے مضامین کو اپنی کتابوں کی زینت بنایا۔

اب یہ ہر معقول شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ انسانیت کو کن مضامین اور ایک معیاری انسان بننے کے لیے کن مسائل کی ضرورت ہے۔

بنا بریں ہم نے "روح تصوف" کے ضمن میں ضروری سمجھا کہ تصوف کی اصل تعلیمات کا ایک باب بھی ہونا چاہیے تاکہ تعلیمات کے ذریعے تصوف کا اصل تعارف ہمارے سامنے آجائے چونکہ اخلاق عالیہ کی ایک لمبی فہرست ہے اور ہر عنوان پر بحث بات کو طویل بنا دے گی، اس لیے چند ایک عنوانات منتخب کر لیے گئے ہیں اور ان پر بھی مختصر گفتگو کی گئی ہے، ان میں توکل، فقر، توبہ، تقویٰ، اخلاص، صبر، فتوت شامل ہیں۔

توکّل

توکّل تصوف کی تعلیمات میں سب سے نمایاں اور اہم مقام 'توکل' کو حاصل ہے بلکہ یوں کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ توکل فی الاصل تصوف کا دوسرا نام ہے، یہی وہ صفت ہے جو انسان کے اندر خود اعتمادی پیدا اور قوت کار میں اضافہ کرتی ہے، اور ثمرات کی شیرینی اور لذّت کے لحاظ سے اس سے بڑھ کر کوئی 'شجر طیب' نہیں، اس لیے کہ بندہ اپنی تمام محنت و مشقت، جدوجہد اور سعی و کاوش کے بعد جب نتائج اللہ پر چھوڑ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سان و گمان سے بڑھ کر اپنے بندہ کو عطا کرتا ہے، صفت توکل کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ قرآن مجید میں اسلام اور ایمان دونوں کو توکل کے ساتھ لازم و ملزوم دکھایا گیا ہے؛ مثلاً۔

فعلیہ توکلوا ان کنتم مسلمین۔

اس پر توکل کرو اگر تم مسلمان ہو۔[1]

نیز ارشادِ خداوندی ہے:-

وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین۔

پس اللہ پر توکل کرو اگر تم ایمان والے ہو۔[2]

توکل کا نہ صرف اسلام اور ایمان کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا خلاصہ بھی یہی ہے، انبیاء علیہم السلام جہاں اپنے لیے توکل علی اللہ کو ضروری قرار دیا وہاں اپنی امت کو بھی اسی کی تعلیم دی، حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا۔

marfat.com

فعلی اللہ توکلت

پس میں نے اللہ پر توکل کیا [۳]

حضرت شعیبؑ کا فرمانا ہے :۔

علی اللہ توکلنا

ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں [۴]

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو توکل کی تعلیم دیتے ہوئے کہتے ہیں ۔

یا قوم ان کنتم آمنتم باللہ فعلیہ توکلوا ۔

(اے میری قوم) اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل کرو [۵]

اسی طرح سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اسی توکل علی اللہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا قرار دے لیا تھا اور آپ ہر مقام پر پیکرِ توکّل نظر آتے ہیں قال اور حال دونوں میں توکل کا رنگ نمایاں ہے، کہیں آپ کو اللہ پر توکل کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، کہیں آپ کی زبان سے اللہ پر توکل کرنے کا اظہار کروایا جا رہا ہے ۔

ایک جگہ ارشادِ ربانی ہے :۔

وتوکل علی العزیز الرحیم

اور آپ خدائے قادر و رحیم پر توکل کیجیے [۶]

دوسرے مقام پر آتا ہے :۔

قل ھو ربی لا الٰہ الا ھو علیہ توکلت والیہ متاب

آپ فرما دیجیے وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے اسی پر توکل کر لیا اور اسی کے پاس مجھے جانا ہے) [۷]

غرضیکہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنے طور پر خود بھی متوکل علی اللہ رہے اور دوسروں کو بھی اسی کی برابر تعلیم دیتے رہے ۔

marfat.com

اب ہمیں تفصیل میں جائے بغیر دیکھنا یہ ہے کہ توکل کا حقیقی مفہوم کیا ہے ؟ قرآن وسنت توکل کے بارے میں کیا رہنمائی کرتے ہیں ؟ کیا تصوف میں توکل کی تعلیم قرآن وسنت کے عین مطابق ہے ؟ سب سے پہلے ذہن کو اس بارہ میں یکسو ہو جانا چاہیے کہ توکل اپاہج بن کر رہنے، معطل الاعضا بن جانے، کام چوری، سستی، کاہلی، ہنگامہ کائنات سے فرار اور معاشرتی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کا نام ہرگز نہیں بلکہ مختصر الفاظ میں توکل تمام ذرائع و وسائل کو استعمال میں لاکر، امورِ معاشرت میں پوری دلچسپی لے کر، کامل تندہی اور مکمل عرق ریزی سے کام کر کے نتائج کو اللہ کے سپرد کر دینے کا نام توکل ہے، اور یہ یقین اور ایمان اپنے اندر پیدا کر لینا کہ یہ تمام مظاہر محض وسائل ہیں حقیقی نتیجہ خیزی صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، چنانچہ قرآن مجید میں توکل کا مفہوم یہی ہے کہ پوری کوشش اور محنت کے بعد نتائج اللہ پر چھوڑ دینا، مثلاً حضرت شعیب علیہ السلام نے مدتوں ان کو تبلیغ و تلقین کی، اور اس سلسلے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا حضرت نوح علیہ السلام مسلسل کئی برسوں تک لوگوں کو تلقین و تبلیغ کرتے رہے اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، جتنا ایک انسان کے بس میں ہو سکتا تھا وہ شعیب علیہ السلام نے کیا اور پھر آخر میں فرمایا :-

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت والیہ انیب ۔

(میں نے تو جہاں تک ممکن ہے اصلاح کا ارادہ کیا ہے اور مجھے توفیق اللہ ہی سے ملی ہے اس پر میں نے توکل کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں) [۲۵]

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں ہے ۔

وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ

marfat.com

(اور تم حکومت کے معاملات میں مسلمانوں سے مشورہ کر لیا کرو (اور اس کے نتیجے میں) جب کسی بات کا پکا ارادہ کر لو تو پھر اللہ تعالےٰ پر توکل کرو) [لله]

الختصر قرآن مجید میں کہیں عزم کے بعد کہیں بقدر وسعت و طاقت اصلاحِ قوم کے بعد توکل کا اعلان کیا گیا ہے، پتہ چلا کہ کوشش نہ کرنا اور وسائل کام میں نہ لانا اور پھر اُسے توکل کا نام دینا قرآنی نصوص کے خلاف ہے۔ اعقلہا تم توکل کی حدیث زبان زد خاص و عام ہے، اس کائنات میں سرورِ عالم سے بڑھ کر کون متوکل ہو گا مگر کسب آپ کی سنت ہے اور آپ برابر اس کی تلقین فرماتے رہے۔ اس ضمن میں امام ابوالقاسم قشیریؒ نے بڑی بصیرت افروز اور خوبصورت بات کہی ہے۔

ان التوکل محلہ القلب والحرکۃ بالظاہر لا تنافی التوکل بالقلب۔

(توکل کا مقام دل ہے لہٰذا اس صورت میں ظاہری حرکات توکل کے منافی نہ ہوں گی)[لله]

توکل دو حالتوں سے کبھی خالی نہیں ہوتا، ایک صبر، دوسرے شکر، اگر عام نتائج متوکل کی منشاء کے مطابق پیدا ہوں تو شکر کا مقام ہے اگر ایسا نہ ہو تو صبر کرنا چاہیے ظاہر ہے دونوں باتیں ایمان کی شاخیں ہیں۔ بنا بریں شیخ ابوسعید خرازؒ نے توکل کو اضطراب بلا سکون اور سکون بلا اضطراب کا نام دیا ہے۔

جب ہم اہلِ تصوف کی سیرتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ میں توکل یوں رچا ہوا تھا۔ جیسے رگوں میں خون! یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ ہر حال میں خوش و خرم رہے، مصائب و آلام کی آندھیاں انہیں متزلزل نہ کر سکیں، مشکلات اور رکاوٹیں ان کا راستہ نہ روک سکیں، خدا پر اعتماد اور توکل کا نتیجہ تھا کہ زندگی بھر اُن کی پیشانی کسی امیر کے دروازے کی آلودگی سے بچی رہی، کسی بادشاہ کے شرمندۂ

marfat.com

احسان نہ ہوئے، وہ جو کے ان چھنے آٹے کی روٹی میں مرغ ماہی کی لذت محسوس کرتے رہے۔ ببول کے کانٹوں سے اٹے راستوں پر چلتے ہوئے باغ کی روشوں پر آہستہ خرامی کا مزہ لیتے رہے، ایک ہی پھٹی پرانی کمبل کو اوڑھنا بچھونا بنا کر لیٹنے کے باوصف سنجاب وسمور کے نرم وگداز بستروں کا لطف اٹھاتے رہے، کھاری اور گرم پانی حلق سے انڈیلنے پر آبِ کوثر وتسنیم کا حظ حاصل کرتے رہے، گھاس پھونس کی شکستہ جھونپڑی میں شاہی ایوان ومحل کا نظارہ کرتے رہے، وہ پاک باز اور قدسی صفات لوگ اپنا سب کچھ خدا کے سپرد کر کے خود داریج جھمیلوں سے آزاد ہو گئے۔ دنیا میں رہتے ہوئے بھی اس میں آلودہ نہ ہوئے اور خلق سے تعلق جوڑ لینے کے باوجود بھی مخلوق سے بے تعلق نہ ہوئے، وسائل کو مصرف میں لائے، ذرائع اختیار کیے مگر نظر ذاتِ خدا پر رہی، پانی سے پیاس بجھائی ضرور مگر ساقیٔ حقیقی خدا کو جانا، روٹی سے پیٹ ضرور بھرا مگر رازق برحق خدا کو سمجھا، بیماری میں علاج ضرور کرایا مگر شافیٔ مطلق خدا کو کہا، یہ ہے وہ توکل جو تصوف کے عناصرِ ترکیبی کا نمایاں عنصر ہے، اگر اسے فرار، کاہلی، کم کوشی، عافیت پسندی اور سہل انگاری کا نام دے لیجے تو ایسا ضرور کیجے مگر دنیا کو بتلا دیجے کہ حقیقی توکل کیا ہے، اب ہم قدیم صوفیاء کرام کی مستند تالیفات وتصنیفات سے واضح کریں گے کہ ان کے نزدیک توکل کا کیا مفہوم تھا؟ کیا ان کی تشریحات قرآن وسنت کے معیار پر پوری اترتی ہیں تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔ مشہور صوفی حضرت سہل بن تستری فرماتے ہیں:-

"اللہ کے سامنے ایسا ہونا کہ جدھر چاہے کھینچ لے جائے توکل کہلاتا ہے"۔[1]

ابو عبداللہ قرشی فرماتے ہیں:-

"توکل یہ ہے کہ تو اللہ کے سوا اوروں کے پاس پناہ لینا چھوڑ دے"۔[2]

marfat.com

جناب ابوبکر شبلیؒ کا کہنا ہے :۔

"توکل عمدہ قسم کی گداگری ہے"۔ [۱]

جناب سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں :۔

"متوکل کی تین قسمیں ہیں ، نہ تو کسی سے مانگے ، نہ رد کرے ، اور نہ جمع رکھے"۔ [۲]

حضرت یحییٰ بن معاذؒ سے پوچھا گیا انسان متوکل کب بنتا ہے ؟ فرمایا :۔

"جب وہ اللہ کو اپنا وکیل بنانے پر راضی ہو جائے"۔ [۳]

امام ابوعمر کا کہنا ہے کہ :۔

"خدا کے سوا ہر شے سے ترکِ تعلق کا نام توکل ہے"۔ [۴] نیز فرماتے ہیں کہ :۔

"بندہ اپنے بدن کے قِوام اور تنگی و تکلیف کا خدا کے سوا کسی سے ذکر نہ کرے"۔ [۵]

صوفیاء کرام نے اسباب و ذرائع کی اہمیت کو کبھی نظر انداز نہیں کیا تاہم اسباب میں مسبب الاسباب کو بھول جانا ، اُن کے نزدیک بدترین فعل ہے اسی لیے شیخ جنید بغدادیؒ کے مرشد حضرت ابوجعفر حدادؒ کے بارہ میں آتا ہے ، انھوں نے فرمایا :۔

"میں نے بیس برس تک اپنے توکل کو ظاہر ہونے نہ دیا اور ہر روز کسبِ معاش کے لیے بازار میں جاتا رہا"۔ [۶]

بعض اجل صوفیاء کا کہنا ہے کہ متوکل کی مثال اس بچے کی سی ہے جو اپنی والدہ کے پستانوں کے سوا کسی جائے پناہ کو نہ جانتا ہو ۔ یہی حال متوکل کا ہے اُسے راہ ملتی ہے تو صرف خدا کی"۔ [۷]

صوفیاء کرام کے نزدیک توکل کے مختلف درجات ہیں اسی طرح متوکلین کے بھی ، شیخ ابوعلی دقاقؒ اُن کی تقسیم یوں کرتے ہیں ۔

"پہلا مرتبہ توکل ، دوسرا تسلیم اور تیسرا تفویض ، اللہ کے وعدہ پر اطمینان

marfat.com

کہ وہ ضرور حاجت پوری فرمائے گا، یہ توکل ہے، یہ عقیدہ کہ اللہ کو میری حالت کا بخوبی علم ہے اسے تسلیم کہا گیا، خدا کے ہر حکم پر رضامندی، خواہ موافق ہو یا مخالف یہ درجہ تفویض ہے"۔[۳۹]

صوفیائے کے سالار کارواں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ رقمطراز ہیں :۔

"اگر تو اپنے آپ کو اللہ کے آگے ڈال دے تو تجھے تیرے حال کے موافق بے واسطہ روزی دے گا جیسے ایک طبیب مشفق اور حکیم حاذق مریض کو اس کے حسبِ حال غذا دیتا ہے"۔[۴۰]

ایک شخص حضرت ابوبکر شبلیؒ کے پاس آیا اور کثیر العیال ہونے کی شکایت کی، آپ نے فرمایا :۔

"ان افراد کو گھر سے نکال دو جن کا رزق اللہ کے ذمہ نہیں"۔[۴۱]

حضرت سلیمان دارانی نے مکہ میں ایک شخص کو دیکھا جو سوائے آبِ زمزم کے چند گھونٹ کے علاوہ کچھ کھاتا پیتا نہ تھا، ایک دن آپ نے فرمایا فرض کرو، آبِ زمزم خشک ہو جائے تو پھر کیا کرو گے ؟ اس پر اس شخص نے اٹھ کر آپ کے سر پر بوسہ دیا اور کہا خدا تمہیں نیک جزا دے تو نے مجھے راہِ راست پر لا کھڑا کیا میں تو کئی دنوں سے آبِ زمزم کو پوجتا تھا"۔[۴۲]

وہب بن منبہ فرماتے ہیں :۔

اگر آسمان لوہے کا اور زمین کانسی کی ہو جائے (یعنی کچھ بھی پیدا نہ ہو) اور میں دیکھوں کہ روزی کا غم میرے دل میں پیدا ہو گیا ہے تو میں مشرک ہو جاؤں گا۔[۴۳]

حضرت امام غزالیؒ نے توکل کے تین درجات بتائے ہیں :۔

۱۔ متوکل حال اس شخص کی مانند ہو جس نے مقدمے میں کسی زیرک ذہین، فصیح،

marfat.com

بے باک اور مخلص وکیل کو مقرر کر لیا ہو اور اس پر کامل اعتماد کرتا ہو۔

۲۔ متوکل کی حالت اس بچے کی سی ہے جو اپنی ماں کے علاوہ کسی اور کو جانتا ہی نہیں۔

۳۔ متوکل اس مردے کی طرح ہو جو غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔"[۵]

حضرت بایزید بسطامیؒ نے کسی امام کے پیچھے نماز پڑھی، بعد از فراغت امام نے پوچھا یا حضرت آپ مانگتے بھی کسی سے نہیں اور کرتے بھی کچھ نہیں تو گذر بسر کیسے ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا ٹھہرو میں نماز کا اعادہ کر لوں کیونکہ جو اپنے رازق کو نہیں پہچانتا اس کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔"[۶]

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے ایک راہب سے پوچھا کھاتے کہاں سے ہو؟ جواب ملا اس سے پوچھو جو کھانے کو دیتا ہے کہ وہ کہاں سے بھیجتا ہے مجھے کیا علم؟[۷]

یہ ہیں وہ جواہر پارے جنہیں بغیر کسی اضافی تشریح اور حواشی کے من و عن پیش کر دیا گیا ہے جن سے ایک خاکہ ہمارے سامنے ابھرتا ہے اور صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ تصوف میں توکل کا بعینہٖ وہی مفہوم ہے جو قرآن و حدیث کی روشنی میں ہمیں نظر آتا ہے مختلف اقوال اور واقعات سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ توکل درحقیقت اسباب کے پردے میں مسبب الاسباب پر نگاہ رکھنے کا نام ہے اور اپنے آپ کو کلیتہً اللہ کی سپردگی میں دے دینا روحِ توکل ہے، اللہ پر کامل اعتماد اور یقین ہی دنیا و آخرت کی کامیابی و فلاح کا ضامن ہے، اسی لیے شیخ عبداللہ انصاری نے لکھا ہے کہ "توکل یقین کا پل، ایمان کا ستون اور اخلاص کی منزل ہے۔"[۸]

---

[۵] کیمیائے سعادت: ۱۰۷۶، [۶] تذکرہ مشائخ نقشبندیہ: ۵۲، [۷] کیمیائے سعادت: ۱۰۶۰، [۸] صد میدان: ۵۵

marfat.com

"فقر"

لفظ "فقر" تنگدستی، غربت اور مفلسی کے معنوں میں آتا ہے، یہی مفہوم قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ملتا ہے تاہم ایک حدیث میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر کو اپنے لیے فخر قرار دیا، ظاہر ہے فقر کے مذکورہ بالا مفہوم میں جو تحقیر ہے اُسے آپ اپنے لیے باعثِ توقیر قرار نہیں دے سکتے۔ اس لیے فقر کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) فقرِ اختیاری (۲) فقرِ اضطراری

فقرِ اختیاری واقعتہً قابلِ فخر ہے اور فقرِ اضطراری خدا کے عذاب کی ایک شکل اسی بحث کو اب ہم مزید طول نہیں دینا چاہتے، صرف فقرِ اختیاری پر دو چار ضروری باتیں کر کے ہم آگے چلیں گے۔

فقرِ اختیاری کا مطلب یہ ہے کہ انسان تعیش و تکلف اور آسائش و آرائش کے جملہ لوازمات حاصل ہونے کے باوجود درویشانہ زندگی بسر کرے، دولت جمع کرنے پر ایثار کو ترجیح دے، اس سلسلہ میں ہمارے سامنے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ایک نمایاں مثال ہے، مدنی زندگی کے آخری دور میں فتوحاتِ و غنائم کے علاوہ خراج کی بڑی مقدار آپ کے ہاں پہنچ رہی تھی مگر اس سب کے ہوتے ہوئے آپ کی زندگی درویشی اور فقیری کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ اگرچہ آپ بادشاہِ عرب و عجم تھے مگر

marfat.com

وہی گھاس پھونس کا جھونپڑا، وہی پیوند لگا لباس، وہی روکھا سوکھا کھاجا، اور وہی درویشانہ انداز زندگی، ظاہر ہے اگر یہی چیزیں یونہی مسلط ہو جائیں تو ایک عذاب ہیں، مگر انہیں از خود اختیار کر لیا جائے تو سراسر سکون و اطمینان ہے، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے فقر و تنگدستی کا اندیشہ محسوس نہیں کیا بلکہ خوش بسری اور مرفہ الحالی کو دین کے لیے فتنہ قرار دیا، آپ برابر لوگوں کو قال اور حال سے فقر اختیار کرنے کی تلقین فرماتے رہے، اپنا یہ عالم تھا کہ ہفتہ ہفتہ چولہا ٹھنڈا رہتا رصاحبزادی کے ہاتھوں میں کام کی کثرت کے باعث آبلے پڑ گئے مگر غلام عطا کرنے کے معاملے میں بدر کے یتیموں کو ترجیح دی، خود فاقے سے ہیں مگر کوشش رہی کہ کوئی سائل دروازے سے خالی نہ جانے پائے، اسی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کی ارواح مقدسہ بھی فقر اختیاری کے قالب میں ڈھل گئی تھیں اور اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دینا ان کا شعار بن گیا تھا۔ سارا دن روزے سے رہے مگر افطار کے وقت جب لقمہ منہ میں ڈالنے والے تھے کہ اچانک سائل کی صدا گونجی، لقمہ اٹک گیا اور ماحضر سائل کو پیش کر دیا، اور پھر بغیر افطار و سحر کے دوسرا روزہ، دوسرے دن کسی یتیم کی ضرورت مقدم رکھی گئی، تیسرے دن قیدی کی حاجت پوری کرنا ضروری سمجھا گیا۔ یہ سب واقعات فقر اختیاری کے عمدہ نمونے ہیں۔ تصوف میں اس فقر کو ایک اہم حیثیت حاصل ہے، صوفیا کرام نے اپنی پوری زندگی میں ہمیشہ تمول و تعیش پر فقر کو ترجیح دی، لیکن یہ غلط فہمی پیدا نہ ہونے پائے کہ فقر صرف ترک دنیا و مال کا نام ہے اور اپنے نفس کو خواہ مخواہ دکھ میں رکھنا مقصود ہے بلکہ فقر دراصل دل کے غنا کا نام ہے، حقیقی فقیر تب بنتا ہے جب اس کے لیے دنیا و اسباب دنیا کا ہونا نہ ہونا برابر ہو، چنانچہ اس ضمن میں حضرت داتا گنج بخش کا یہ فرمان ایک خاص اہمیت کا حامل ہے: "فقر کی اصل متاع دنیا کا ترک اور اس سے علیحدگی نہیں بلکہ دل کو اس کی محبت سے خالی اور بے نیاز کرنا ہے، فقر وہ ہوتا ہے

جو متاعِ دنیا سے بالکل بے نیاز ہو۔ اس کے پاس خواہ سرے سے کچھ موجود نہ ہو۔ یا اس کے پاس دنیا کے سارے اسباب موجود ہوں دونوں میں سے کسی حالت میں کوئی خلل نہ آئے نہ کسی چیز کے مفقود ہونے پر اُسے پریشانی لاحق ہو اور نہ جملہ اسباب موجود ہونے پر وہ اپنے آپ کو دولت مند محسوس کرے۔" لے

اگر بتعمق نظر دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ فقر کچھ مل جانے پر شکر اور نہ ملنے پر صبر کا نام ہے، نہ تو تنگدستی اور مفلسی فقر پر اثر انداز ہوتی ہے اور نہ خوش لسری اور اور مرفہ الحالی، کیونکہ فقر اسباب کے مفقود ہونے سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس کا براہِ راست رابطہ دل کے ساتھ ہے چنانچہ اس ضمن میں حضرت شیخ علی الہجویری داتا گنج بخش فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کو فقر اور مصیبت کی حالت میں کمال صبر کے باعث "نعم العبد" قرار دیا اور حضرت سلیمانؑ کو شکر نعمت کی بدولت "نعم العبد" فرمایا گویا صبر ایوبؑ اور شکر سلیمانؑ دونوں بارگاہِ الہیٰ میں یکساں ہیں۔" لے

اس سلسلے میں ضیاء الدین سہروردی کی رائے بہت ہی وقیع اور مفید ہے فرماتے ہیں۔

"فقر فاقہ کرنے یا کچھ نہ رکھنے" کا نام نہیں بلکہ "فقر محمود" یہ ہے کہ خدا پر بھروسہ رکھے اور جو کچھ خدا دے اس پر راضی رہے۔" سلہ

یہی وہ خدا کی رضا پر راضی ہونا ہے جسے بجا طور پر "غناء" (بے نیازی) کہا جاسکتا ہے جیسا کہ شیخ ابوبکر کتانیؒ فرماتے ہیں۔

"جب انسان حقیقی طور پر اللہ ہی کا محتاج ہو جاتا ہے تو پھر وہ حقیقی طور پر غنی باللہ، ہو جاتا ہے۔" سمہ

جب انسان فقر اختیار کر لیتا ہے تو دارین کے دھندوں اور جھمیلوں سے نجات

marfat.com

پالیتا ہے اور زندگی میں جو سکھ اور چین اسے نصیب ہوتا ہے اسے بادشاہوں نے خواب میں بھی نہیں دیکھا ہوتا، شیخ ابوبکر وراق نے بڑی دل لگتی اور خوبصورت بات کہی ہے، فرماتے ہیں،

"دنیا اور آخرت دونوں جہان میں فقیر کے لیے خوشخبری ہے، لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا، اس لیے کہ دنیا میں بادشاہ اس سے خراج نہیں لیتا آخرت میں خدا حساب نہیں مانگے گا۔"

فقیر اس اعتبار سے لائق تحسین ہے کہ اس کے اور اللہ کے مابین تعلق میں کبھی خلل واقع نہیں ہوتا اور تقرب کی کیفیات میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے کیونکہ دو چیزیں ہی ایسی ہیں جو اس تعلق و تقرب میں خلل انداز ہوتی ہیں، نعمت مل جانے پر مغرور ہونا اور چھن جانے پر شکوہ کرنا، فقیر کے ہاں ان دونوں کا گذر نہیں ہوتا، کچھ نہ ملے تو وہ سکون محسوس کرتا ہے مل جائے تو اپنے لیے کچھ نہیں رکھتا جیسا کہ شیخ ابوالحسین نوریؒ فقیر کی تعریف میں کہتے ہیں:۔

"جب اس کے پاس کچھ نہ ہو تو اُسے سکون حاصل ہو اور جب کچھ مل جائے تو خرچ کر دے۔"

مال و اسباب کے موجود و مفقود ہونے کی دونوں حالتوں میں فقیر کی نگاہ کا مرکز ذات خداوندی ہوتی ہے، فقیر کو لاکھوں کروڑوں مل جائیں تو وہ اپنے دل کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھتا ہے اُسے اپنے دل کے کسی گوشے میں غیر معمولی خوشی اور خدا سے غفلت کی کوئی رمق نظر نہیں آتی اگر اس سے تن کے کپڑے بھی چھین لیے جائیں تو اپنا چہرہ گھور گھور کر دیکھتا ہے مگر اس پر بے چینی اور شکایت کا اثر دور دور تک بھی دکھائی نہیں دیتا، حضرت داتا گنج بخشؒ نے شیخ ابوالقاسم قشیریؒ کے بارے میں لکھا ہے:۔

"میرے اُستاد قشیریؒ نے فرمایا مجھے اگر خداوند تعالیٰ غنی کرے تو میں

marfat.com

غافل ہونے کے بجائے اس کا شکر ادا کروں گا اور اگر وہ مجھے فقیر بنا دے تو حریص اور منہ پھیرنے والا بننے کے بجائے صبر کروں گا۔"[۳۶]

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ فقیر دراصل دنیا میں دل کے نہ اٹکنے اور کھُبنے کا نام ہے، اس حقیقت کو شیخ ابوبکر شبلیؒ نے ان الفاظ کا روپ دیا ہے "فقر الی اللہ کی ادنیٰ علامت یہ ہے اگر اس کے پاس ساری دنیا ہو اور پھر وہ اسے ایک دن میں خرچ کر ڈالے اور اس کے بعد اگر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ وہ ایک دن کی خوراک رکھ لیتا (تو بہتر ہوتا) تو یہ فقر نہیں۔"[۳۷]

یہ عجب اتفاق ہے کہ جس نے دنیا سے منہ موڑا اس کے قدموں پر دنیا ڈھیر ہوئی جس نے لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کا سوچا۔ لوگوں کا اژدہام اس کی جانب دوڑا، جس نے فقر کو تونگری پر ترجیح دی، تونگری نے اس کے قدم چومے، بڑی بصیرت افروز بات کہی ہے، جناب علی مرتضیٰ نے کہ دنیا سائے کی مانند ہے۔ پیٹھ دے کر چلو تو خود بخود پیچھے آئے گی، اسی باعث حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کو کہنا پڑا۔

"ہم نے فقر مانگا تو مالداری نے ہمارا استقبال کیا، لوگوں نے مالداری مانگی تو فقر (محتاجی) نے اُن کا استقبال کیا۔"[۳۸]

اس بحث کے خاتمے پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کی مستند کتابوں سے کچھ ایسے مختصر اور چند واقعات نقل کر دیے جائیں جس سے بآسانی پتہ چل سکے کہ فقیر جب گدڑی اوڑھ کر بیٹھتا ہے تو وہ اپنے آپ کو کیا محسوس کرتا اور کہاں موجود پاتا ہے، فقیر الی اللہ جب دنیا سے "غنی" بن کر فرشِ خاک پر بیٹھتا ہے تو وہ خود کو سدرہ نشین تصور کرتا ہے، ہاتھ خالی ہونے کے باوجود دولتِ دنیا کو پاؤں کی ٹھوکر میں سمجھتا ہے اس کی آنکھ سیر، اس کا ذہن مطمئن اور اس کا دل غنی ہوتا ہے، فاقوں پر فاقے ہوں تو سالنی کبھی کھٹکتی محسوس نہیں ہوتی، اور دجواہر قدموں پر نچھاور ہوں تو دل کی دھڑکن کبھی تیز نہیں

marfat.com

ہوتی، حقیقت یہ ہے کہ یہ دلق پوشی، بستے چہروں اور بکھرے بالوں والے، شاہان بے تاج اور خسروان بے کلاہ ہوتے ہیں۔ جب گدڑی پہن لیتے ہیں تو دنیا بائیں اور آخرت دائیں بغل میں ہوتی ہے۔ اُن کی شانِ قلندری، تاجِ سکندری کو ترچھی نگاہ کا مستحق نہیں جانتی، ان کی فقیری، کونین کی امیری کو پرکاہ کی حیثیت نہیں دیتی، ایسا کیوں نہ ہو، یہ لوگ خدا کے فقیر جو ہوئے، آدمی بے نظیر کیوں نہ ٹھہریں، اب آئیے اُن واقعات کی طرف جو ایک طرف بصیرت افروز ہیں تو دوسری جانب وجد آفریں اور ذوق افزا بھی۔ جن کے ایک ایک شوشے سے غیرتِ فقر جھلکی پڑتی ہے۔ یہ شیخ ابو القاسم قشیریؒ رقمطراز ہیں:۔

"شیخ ابو علی دقاقؒ کے پاس ایک فقیر آیا جس نے ٹاٹ کا کرتہ اور ٹاٹ کی ٹوپی پہن رکھی تھی، ساتھیوں میں سے ایک نے تفریح طبع کے طور پر کہا یہ ٹاٹ کتنے میں خریدا ہے؟ فقیر نے جواب دیا: "دنیا دے کر خریدا ہے"۔ اور بیچنے والے نے مجھ سے کہا اسے پھر میرے پاس بیچ دو۔ اور آخرت لے لو مگر میں نے نہیں بیچا"۔ ؎

ملاحظہ فرمائیں ٹاٹ کے کرتے اور ٹوپی کی قیمت! ع

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

دنیا اگر فقیر خدامست کے قدموں میں ہوتی ہے تو پیش نظر آخرت بھی نہیں ہوتی بلکہ اُسے پسِ پشت رکھا جاتا ہے اُن کی نگاہ تو صرف مالک دنیا و مالک یوم الدین پر پڑتی ہے۔

امام ابوبکر اسحاق کلاباذی لکھتے ہیں:۔

"شیخ ابو الحسین دراجؒ نے سرمہ دانی کی تلاش میں اپنے اُستاد کے برتن کو ٹٹولا تو اس میں چاندی کا ایک ٹکڑا پایا، فرماتے ہیں۔ مجھے اس پر سخت حیرت

marfat.com

ہوئی، جب استاد آئے تو میں نے عرض کیا، آپ کے برتن میں مجھے چاندی کا ایک ٹکڑا ملا ہے، انہوں نے فرمایا تم نے دیکھ لیا ہے، اسے وہیں رکھ دو، پھر کہا اسے تم لے لو اور اس سے کچھ خرید لو، اس پر میں نے کہا، آپ کو اپنے معبود کی قسم! اس ٹکڑے کا کیا قصہ ہے؛ فرمایا اللہ نے اس کے سوا کوئی اور سونے اور چاندی کا ٹکڑا نہیں دیا تو میں نے چاہا میں وصیت کروں کہ اسے میرے کفن کے ساتھ باندھ دیا جائے تاکہ میں اسے اللہ کو واپس کر دوں۔"[۱۱۱]

یہ رہی ان کی غیرت فقر!

یہ لوگ اپنی شان و آن فقر کی کس قدر حفاظت کرتے تھے، اور انہوں نے کس طرح فقر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا تھا اور ان کا قال و حال کیوں کر فقر کا نمونہ تھا۔ اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے:

"شیخ ابو محمد جلیسؒ فرماتے ہیں میں نے شیخ احمد بن یحییٰ الجلاءؒ سے فقر کے متعلق سوال کیا۔ آپ خاموش رہے لوگ اٹھ کر چلے گئے، پھر آپ اپنی جگہ پر جا کر تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے اور فرمایا، میرے پاس چار دانگ (۴/۶ درہم)، تھے اس لیے مجھے اللہ سے شرم آئی کہ میں فقر کی بات کروں۔"[۱۱۲]

فقر کے بارہ میں مندرجہ صدر تشریحات و توضیحات کے بعد اس میں کونسی ایسی چیز ہے جسے ہدفِ طعن بنایا جا سکے بلکہ یہ صفات اگر پوری امت اپنا لے تو اس کے لیے دوبارہ اپنا کھویا ہوا مقام و وقار بحال کرنے میں آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔ یہی وہ فقر ہے جو تصوف کی تعلیمات میں بنیادی اہمیت کا حامل اور صوفیاء کا طرۂ امتیاز و افتخار ہے۔

marfat.com

توبہ

جب ہم تصوف کی مستند اور امہات کتب کا مطالعہ کرتے اور صوفیاء کرام کی مجالس و محافل کے بارے میں پڑھتے ہیں، تو وہاں "توبہ" کی تلقین و تعلیم کا بکثرت ذکر ملتا ہے، بلکہ صوفیاء کرام کے ہاں خصوصی تقرب حاصل کرنے کا طریقہ ہی یہ تھا کہ انسان تمام آلائشوں سے مصفیٰ، تمام لغزشوں سے معرا، تمام فروگذاشتوں سے مبرا اور تمام گناہوں سے تائب ہو کر اُن کی خدمت میں پہنچے، توبہ کا صوفیاء کے ہاں کیا مقام و مرتبہ ہے اور کتنی اہمیت و فضیلت ہے، اس کا اندازہ شیخ عبداللہ انصاریؒ کی تحریر کے درج ذیل اقتباس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے:۔

"توبہ راستے کا نشان، باریابی کی راہ نما، خزانے کی کلید، وصال محبوب کی شفیع، عظیم وسیلہ، قبولیت کی شرط اور تمام مسرتوں کا سرچشمہ ہے۔" لہ

قرآن مجید کے مطالعہ سے توبہ کے بارے میں جو خاکہ اُبھرتا ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ انسان، جہالت و نادانی کی بنیاد پر گناہ کر بیٹھے، پھر اُسے اپنے گناہ کا شدید احساس ہو، بعد ازاں وہ فوراً اس کی تلافی کر دے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب فاولئك يتوب الله عليهم وكان الله عليما حكيما ۔

marfat.com

توبہ جن کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے وہ تو ان ہی کی ہے جو جہالت سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں، پھر فی الفور توبہ کر لیتے ہیں سو ایسوں کی خدا تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ علیم حکیم ہے۔[۲]

اس سے اگلی آیت میں گناہ پر اصرار کرنے اور اسی حالت میں مرجانے والوں کی توبہ قبول نہ کرنے کا ذکر ہے، گویا توبہ کے تین عناصر ترکیبی ہیں۔ احساس و اعتراف جرم، تلافیٔ مافات اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم بالجزم، جیسا کہ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر تصریح کے ساتھ آیا ہے:

ثم ان ربک للذین عملوا السوء بجہالۃ ثم تابوا من بعد ذلک و اصلحوا، ان ربک من بعد لغفور رحیم۔

پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لیے جنہوں نے جہالت سے برا کام کیا، پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور (آئندہ کے لیے) اپنے اعمال درست کر لیے تو آپ کا رب اس کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا اور بڑی رحمت کرنے والا ہے۔[۳]

ان دونوں آیات کو بیک وقت سامنے رکھ کر یا ملا کر پڑھنے سے توبہ کا مکمل اور حقیقی مفہوم سامنے آتا ہے، توبہ کے بارے میں امام غزالیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق اور قابل فخر کتب کیمیائے سعادت اور منہاج العابدین میں مفصل بحث کی ہے جس میں کوئی پہلو تشنہ نہیں رہا، تفصیل کے طالب ان کتابوں کا ضرور مطالعہ کریں۔

احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی توبہ کی فضیلت اور تائب کی عظمت پر خاصہ زور دیا گیا ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں ایک ہی حدیث اپنے مدعا کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

marfat.com

نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے توبہ کرنے سے اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے اگر تم میں سے کسی کی لق و دق صحرا میں سواری گم ہو جائے جس پر اس کا کھانا پینا ہو اور وہ اس سے ناامید ہو جائے اور وہ ایک درخت کے سائے کے نیچے ناامید ہو کر (موت کے انتظار میں) سو رہا تو اس نے اچانک اپنی سواری کو دیکھا کہ اس کے نزدیک کھڑی ہے، اس کی مہار پکڑ کر خوشی سے کہنے لگا یاالٰہی تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں خوشی کی وجہ سے (آداب مراتب) بھول گیا۔" ۳۹

قرآن مجید اور حدیث سے توبہ کی فضیلت اس کے طریقہ اور قبولیت کی شرائط کا بخوبی پتہ چل گیا، اب اس ضمن میں اہل تصوف کی آرا دیکھنی چاہئیں، کہ وہ توبہ کا کیا مفہوم لیتے ہیں؟ اور ان کے ہاں توبہ کا مرتبہ کیا ہے؟ قرآن مجید کی دو مندرجہ صدر آیات میں سے جو توبہ کا مفہوم نکلتا ہے اسے ذہن میں رکھیے اور شیخ عبداللہ انصاری کی رائے ملاحظہ کیجئے کہ انہوں نے کس عمدگی سے قرآن مجید کے مفہوم کی ترجمانی کی ہے لکھتے ہیں:۔

"توبہ کے تین ارکان ہیں، دل میں نادم ہونا، زبان پر معذرت کا اظہار، بدی اور بدوں سے انقطاع۔" ۴۰

توبہ کیا ہے؟ شیخ جنید بن محمد فرماتے ہیں:۔

"گناہ کا بھول جانا توبہ ہے۔" ۴۱

شیخ ابوبکر بن ابو اسحاق کلاباذیؒ شیخ جنیدؒ کے قول کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جنید کے قول کے معنی یہ ہیں کہ تو اس فعل کی لذت کو اپنے دل سے اس طرح نکال دے کہ تمہارے باطن پر اس کا کوئی نشان باقی نہ رہے۔"

توبہ کیوں کی جائے اور کیوں ضروری ہے؟ صوفیاء کے ہاں اس کی مختلف

marfat.com

وجوہات ہیں، خدا کا خوف، خدا سے حیاء، ثواب کا طمع، خدا کی قربت کا احساس حکم کی پابندی وغیرہم، لیکن آراء وافکار کے اختلاف کے باوجود روح سب کی ایک ہے، شیخ مغاذلیؒ سے جب توبہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا "توبۃ الانابہ" کے بارے میں پوچھ رہے ہو یا "توبۃ الاستجابۃ" کے متعلق، سائل نے کہا 'توبۃ الانابہ' کیا ہے فرمایا تجھے اللہ کا ڈر اس لیے رہے کہ وہ تم پر قادر ہے، سائل نے کہا پھر توبۃ الاستجابۃ کیا ہے؟ فرمایا تو اللہ سے اس لیے حیاء کرتا رہے کہ وہ تیرے قریب ہے۔ ۵۴

شیخ ابو علی دقاقؒ نے توبہ کی تین قسمیں بتائی ہیں۔

"توبہ، انابہ، اوبہ، جو سزا کے خوف سے کی جائے وہ توبہ ہے، جو ثواب کی خاطر کی جائے وہ انابہ ہے اور جو حکم کی پابندی کو ملحوظ رکھ کر کی جائے وہ اوبہ ہے۔ ۵۵

امام غزالیؒ نے توبہ کی جامع مگر مختصر اور دلنشین تعریف کی ہے لکھتے ہیں :-

"دل کا گناہ سے پاک ہو جانا توبہ ہے"۔ ۵۶

توبہ کرنے سے پہلے اور توبہ کرنے کے بعد کی حالت میں کیا نمایاں فرق ہونا چاہیے اس کی تشریح بڑے خوبصورت پیرائے میں شیخ ابراہیم دقاقؒ نے فرمائی ہے شیخ ابوبکر بن ابو اسحاق کلاباذیؒ آپ کے حوالے سے لکھتے ہیں :-

"توبہ یہ ہے کہ جس طرح تو پہلے اللہ کی طرف پشت کیے ہوئے تھا اور ادھر توجہ نہیں دیتا تھا اب تو ہمہ تن توجہ بن جائے اور اس کی طرف پشت نہ کرے"۔ ۵۷

ہم پہلے شیخ عبداللہ انصاریؒ کے حوالے سے لکھ آئے ہیں کہ توبہ تمام مسرتوں کا سرچشمہ ہے، یہ کیسے ہے اور کیوں ہے؟ اس کا پتہ لگانے کے لیے توبہ سے پہلے کی کیفیت معلوم کی جائے تاکہ مسرتوں کے سرچشمہ کی حقیقت واضح

marfat.com

ہو سکے۔ شیخ ذوالنون مصریؒ توبہ سے پہلے کی حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں۔

"زمین باوجود اپنی فراخی کے تمہارے لیے اس قدر تنگ محسوس ہو کہ تمہیں چین نہ آئے بلکہ تمہارا نفس تمہارے لیے تنگ ہو جائے"۔ [۱۱]

شیخ بوشجنیؒ نے جنید بن محمدؒ کی توبہ کی تعریف کے بارے میں تائید کی ہے اور دونوں بزرگوں کا نقطہ نظر ایک ہے، یعنی گناہ کا بھول جانا اور اس کی لذت کا اثر زائل ہو جانا، بوشجنی فرماتے ہیں :۔

"جب تو گناہ کا ذکر کرے اور تجھے اس کے ذکر سے اس کی مٹھاس محسوس نہ ہو تو یہی توبہ ہے"۔ [۱۲]

شیخ ابو حفصؒ سے دریافت کیا گیا توبہ کرنے والا دنیا سے بغض کیوں رکھتا ہے؟ فرمایا اس لیے کہ دنیا وہ گھر ہے جہاں اس نے گناہ کیا ہے، سائل نے پھر پوچھا، دنیا وہ گھر بھی تو ہے جہاں اسے توبہ کا موقع ملا، تو فرمایا اُسے اپنے گناہ کا تو قطعی علم ہے مگر قبول توبہ کے متعلق اُسے کھٹکا ہے"۔ [۱۳]

یہ ہیں وہ اقوالِ صوفیا، جو ہمیں تصوف کی معتبر اور مستند کتابوں میں ملتے ہیں، جن میں توبہ کی فضیلت، توبہ کے محرکات، قبولیت کی شرائط، تائب کی توبہ سے پہلے اور بعد کی کیفیات کا ذکر ہے، انہیں پڑھ کر کون یہ کہہ سکتا ہے کہ صوفیاء کی تلقین و تبلیغ قرآن وسنت سے مختلف ہے؟ بلکہ جو باتیں اصول و قواعد کے طور پر قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہیں، اہل تصوف نے ان میں مزید کشش اور تاثیر پیدا کر دی ہے، اُن کے حسنِ بیان اور اچھوتے اندازِ تعبیر نے ان باتوں کو عام ذہن کے قریب اور دل کو ان سے مانوس کر دیا ہے، اب اگلے صفحات میں ہم "تقویٰ" پر گفتگو کریں گے۔

---

marfat.com

تقویٰ

تقویٰ قرآن وسنت کی ایک جامع اصطلاح ہے اور اس کے سلبی اور ایجابی دو پہلو ہیں، نافرمانی سے بچنا اور احکام خداوندی کی حفاظت و رعایت کرنا، اسلام میں از اول تا آخر جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے وہ یہی تقویٰ ہے، حصول ہدایت[1] قبولیت اعمال[2]، معیت خداوندی[3]، محبوبیت کاملہ[4]، دینوی واخروی فلاح[5]، سب تقویٰ پر منحصر ہیں، اسلام کے تمام ارکان وشعائر میں اسی تقویٰ کی جلوہ آرائی اور زندگی کے تمام پہلوؤں میں اسی کی کارفرمائی ہے، روزہ کی غایت روح تقویٰ کی بیداری[6] ہے۔ قربانی کا اصل مقصد تقویٰ[7] ہے، مسجد کی عمارت میں تقویٰ بطور بنیاد شامل ہے[8]، حج اور شعائر اللہ کے احترام میں تقویٰ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے[9]، اسلام

---

[1] (یہ قرآن) تقویٰ والوں کو راہ دکھاتا ہے (البقرہ: ۲) [2] اللہ تو تقویٰ والوں ہی سے قبول فرماتا ہے (المائدہ: ۲۷) [3] اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے (البقرہ: ۱۹۴) [4] تو اللہ بے شک اہل تقویٰ سے محبت کرتا ہے (التوبہ: ۴) [5] بلاشبہ تقویٰ والوں کے لیے کامیابی ہے (نبا: ۳۱) [6] تم پر روزہ اسی طرح فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر تاکہ تم متقی بن جاؤ (البقرہ: ۱۸۳) [7] خدا کے پاس قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا لیکن تمہارا تقویٰ اس کو پہنچتا ہے (الحج: ۳۷) [8] البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر قائم ہے (التوبہ: ۱۰۸) [9] جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے (الحج: ۳۲)

marfat.com

کا نظام اخلاق تقویٰ سے عبارت[۱] اور اسلام کا نظام عدل تقویٰ پر مشتمل ہے[۲] معاشرے میں باہمی تعاون کی اساس تقویٰ ہی کو قرار دیا گیا ہے[۳] نظام تعزیرات کی غرض تقویٰ ہے[۴] تقویٰ فی الحقیقت حدود کے اندر رہنے اور ان کی صدقدلانہ پابندی اور رعایت کا نام ہے، یہ تقویٰ جہاں ہمیں عالم انفس میں نظر آتا ہے، وہاں عالم آفاق میں بھی محسوس ہوتا ہے، دریا ہوں یا سرسبز و شاداب گل بوٹے، ہر کہیں تقویٰ کا نظارہ کیا جا سکتا ہے جانوروں تک میں اس کے اثرات ہیں، شیر کا گھاس اور بکری کا گوشت نہ کھانا یہ فطرت کی حدود میں پابند رہنا (تقویٰ) ہے، کھاری اور میٹھے سمندروں کا ٹکرانا مگر باہم نہ ملنا بھی وہی حدود کی رعایت موجود ہے، سورج کا چاند کو نہ جا ملنا اور پانی کا نشیب کی طرف ہمیشہ بہنا تقویٰ کی عمدہ اور عملی تفسیر ہے، انبیاء کرام کی تعلیمات میں تقویٰ سر فہرست نظر آتا ہے، نیز اللہ کے نزدیک کسی کا عزیز و کریم ہونا اسی تقویٰ کے باعث ہے، تقویٰ تین چیزوں کو جنم دیتا ہے، خدا کی موجودگی کا احساس، خدا کے حضور حاضر ہونے کا خوف اور رب تعالیٰ کے غضبناک ہونے کا ڈر، یہ تین چیزیں انسانی سیرت کا لازمہ بن جائیں تو اندرونی و بیرونی دشمن یعنی نفس امارہ اور شیطان لعین پر بآسانی قابو پایا جا سکتا ہے۔ تقویٰ کی ساری بحث کا لب لباب اور خلاصہ یہی ہے کہ حدود شرعیہ کی پابندی پورے اخلاص اور صدق دلی کے ساتھ کی جائے، قرآن مجید نے ایک مقام پر واضح انداز میں حدود کی پابندی کو تقویٰ کہا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان

۱۔ اور تمہارا معاف کر دینا تقویٰ کے قریب ہے (البقرہ: ۲۳۷) ۲۔ انصاف کرنا تقویٰ سے قریب تر ہے (المائدہ: ۸) ۳۔ تعاون کرو نیکی اور تقویٰ کی بنیاد پر (المائدہ: ۲) ۴۔ تمہارے لیے بدلہ میں زندگی ہے اے عقل والو تاکہ تم تقویٰ شعار بن جاؤ (البقرہ: ۱۷۹)

marfat.com

(تم نیکی اور تقویٰ کی بنیاد پر ایک دوسرے سے تعاون کرو نا کہ گناہ اور سرکشی پر)[۱۴۸]

یہاں تقویٰ کو عدوان کے مقابلہ میں لایا گیا ہے اور عدوان کا مفہوم حد سے تجاوز کرنا ہے، یعنی حد سے نکل جانا عدوان اور حد کے اندر رہنا تقویٰ ہے، بنا بریں شیخ ابو عثمان مغربیؒ فرماتے ہیں،

"تقویٰ یہی ہے کہ بندہ حدود کے اندر رہے نہ کوتاہی کرے نہ تجاوز کرے"[۱۴۹]

تقویٰ کے بارہ میں اس عام تاثر کی کوئی دلیل قرآن وسنت میں نہیں ملتی جو معاشرے میں رائج اور قائم ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہر وہ شخص متقی ہے جو اپنی زندگی کے ہر گوشے میں فرائض وواجبات اور مامورات ومنہیات کا احترام کرے ہر اس کام کو پورے جوش وخروش سے کرے جس کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ہر اس کام سے رک جائے جس سے روکا گیا ہے، تقویٰ کی بحث میں اس امر کا خیال بھی ضروری ہے کہ تقویٰ کا زیادہ تر تعلق کمیت سے نہیں کیفیت سے ہے، اعمال و اشغال کی کثرت سے تقویٰ پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ تو خالصتاً دل کا فعل ہے، دل کی یہی آمادگی واخلاص معمولی عمل کو اللہ کے نزدیک غیر معمولی بنا دیتے ہیں، ایک انسان ترک دنیا کر کے حدود اللہ کو فراموش کرتے کا مرتکب ہو سکتا ہے اور دوسرا شخص امور دنیا میں مشغول ومنہمک ہو کر بھی حدود اللہ کی رعایت باحسن طریق کر سکتا ہے، خلوت و جلوت میں اللہ کے حدود کی پابندی کا اہتمام تقویٰ ہے۔

شیخ بہاءالدین نقشبندؒ فرماتے ہیں، میں زندگی میں دو مرتبہ سخت حیران ہوا، ایک شخص کو کعبہ کے طواف کے دوران خدا سے غافل پایا تو بہت حیران ہوا مگر اس سے زیادہ حیرت اس وقت ہوئی، جب بخارا کے تاجر کو کپڑا بیچتے وقت یادِ خدا میں مصروف پایا۔[۱۵۰]

بعض لوگوں نے صرف کثرتِ نوافل اور اوراد وظائف میں حد درجہ دلچسپی وانہماک

marfat.com

کو تقویٰ کا اصلی کام قرار دے دیا ہے اور اس کے علاوہ دین کے جتنے اہم اور عظیم کام ہیں، اُن سے بے رحمانہ بے رخی برتی گئی ہے نتیجہ یہ نکلا کہ تقویٰ جس کا اصل مقصد توازن واعتدال ہے، خود توازن کے دائرے سے نکل کر بے اعتدالی کی راہ پر پڑ گیا، تصوف کی زبان میں ہم اس مسئلہ کو یوں سمجھ سکتے ہیں، بقول شیخ ابوالحسن سیروانیؒ "صوفی اوراد سے نہیں واردات سے ہوتا ہے"[۴۴] جس حد تک عبادات کو قرآن و سنت جائز اور مناسب قرار دیتے ہیں، ان کی ادائیگی اور حزم واحتیاط یہ روح تقویٰ ہے، ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کو بڑی خوبصورتی سے واضح فرمایا ہے۔

"حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس تین جماعتیں آپ کی عبادت کا حال پوچھنے آئیں، جب اُن کو آپ کی عبادت کا پورا پورا حال بتایا گیا تو کچھ ایسا ظاہر ہوا کہ ان کی نظر میں بہت کم ہے، پھر وہ بولے ہمارا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقابلہ؟ آپ کو تو اگلی اور پچھلی خطائیں نہ ہونے کے باوجود معاف کر دی گئی ہیں، پھر اُن میں سے ایک شخص بولا میں ہمیشہ رات بھر عبادت کروں گا، دوسرا بولا میں ہمیشہ روزے رکھوں گا، تیسرے نے کہا میں عورتوں سے بالکل قطع تعلق کر لوں گا اور کبھی نکاح نہ کروں گا، اتنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے، آپ نے فرمایا تم لوگ یہ یہ کہہ رہے تھے، خدا کی قسم میں تم سے کہیں زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس سے تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں لیکن اس کے باوجود روزے بھی رکھتا ہوں ناغہ بھی کرتا ہوں، نمازیں بھی پڑھتا ہوں آرام بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں جس نے میرے طریقہ سے انحراف کیا وہ میری امت میں سے نہیں"[۴۵]

marfat.com

یہ حدیث بذاتِ خود اپنی تشریح آپ ہے، تقویٰ کے مفہوم میں جہاں یہ بات شامل ہے کہ حدود سے تجاوز نہ کیا جائے وہاں اس امر کا بھی اہتمام ملتا ہے کہ حتی الوسع حزم و احتیاط سے کام لیا جائے، یعنی جس مقام سے معصیت کی حد شروع ہوتی ہے عین اسی مقام کے آخری کناروں پر گھومنا آدمی کے لیے خطرناک ہے، یہی مضمون ایک حدیث میں ارشاد ہوا ہے۔

> نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر بادشاہ کی ایک 'حمیٰ' (وہ چراگاہ جسے کوئی بادشاہ رعایا کے لیے ممنوع قرار دے دیتا ہے) ہوتی ہے اور اللہ کی حمیٰ اس کی وہ حدیں ہیں جن سے اس نے حرام و حلال اور طاعت و معصیت کا فرق قائم کیا ہے جو جانور حمیٰ کے گرد چرتا رہے گا، ہوسکتا ہے کہ ایک روز وہ حمیٰ کے اندر داخل ہو جائے۔" ؎۶

اسی حدیث کی صدائے بازگشت امیر عمر رضی اللہ عنہ کا وہ قول ہے جسے شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے نقل فرمایا ہے: "ہم (محلِ شبہ میں) حلال کی دس (چیزوں) میں سے نو حرام میں پڑ جانے کے خوف سے چھوڑ دیتے تھے۔" ؎۷

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے تقویٰ کے بارہ میں پوچھا گیا، آپ نے سائل سے فرمایا اگر تم ایسی راہ سے گزر رہے ہو جس کے دائیں بائیں خار دار جھاڑیاں ہیں تو کیسے گزرو گے؟ جواب دیا میں اپنے کپڑے سمیٹ لوں گا، فرمایا یہی حزم و احتیاط، تقویٰ ہے۔

اس بات کی تائید ہمیں اہل تصوف کے ہاں سے ملتی ہے، شیخ ذوالنون مصریؒ سے پوچھا گیا، بندے کے لیے خوف کی راہ کب آسان ہوتی ہے؟ فرمایا جب وہ اپنے آپ کو بمنزلہ بیمار سمجھے تو وہ اس ڈر سے کہ کہیں بیماری طول نہ پکڑ جائے، ہر چیز سے پرہیز کرتا ہے۔" ؎۸

تقویٰ کی تعریف، مفہوم اور اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد

marfat.com

ہم صوفیاء کرام کے ان اقوال پر نظر ڈالتے ہیں جو ہمیں اس موضوع پر ملتے ہیں، تقویٰ میں خوف ایک بنیادی عنصر کی حیثیت سے شامل ہے، حدود اللہ کی پابندی کے اصل محرکات کیا ہیں؟ اس کے دو ایجابی اور سلبی پہلو ہیں، نافرمانی کے باعث درجات میں کمی اور عذاب میں ابتلاء' اس لیے صوفیاء کرام نے اپنے پیروکاروں میں زیادہ سے زیادہ خدا کا خوف پیدا کرنے کی کوشش کی، اگر یہ چیز پیدا ہو جائے تو معصیت و عدوان سے ایک گونہ وحشت اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے، بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن پر معاشرہ حد یا تعزیر نافذ کر سکتا ہے مگر بعض گناہ وہ ہیں جن پر گرفت کی صورت ممکن نہیں مثلاً حسد، بغض، کینہ، ریاء وغیرہم ان پر صرف اپنے اندر خوف خدا پیدا کر کے قابو پایا جا سکتا ہے، یہ چیز احساس و ادراک کی اصلاح سے ہوتی ہے کیونکہ احساس و ادراک پر کسی قسم کا کوئی پہرہ نہیں بٹھایا جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کی ساری کوششوں کا محور و مرکز انسان کا احساس و ادراک رہا، وہ جانتے تھے کہ تمام نیکیوں اور برائیوں کا سوتا یہی ہے، اسی لیے اس کی درستی میں پورے جسمانی بلکہ معاشرتی نظام کی درستی مضمر ہے، ایک شخص اگر گناہ کا ارادہ کرتا ہے مگر یہ خیال آتے ہی رک جاتا ہے جس کا رزق کھاتا ہوں اس کی نافرمانی کتنی بڑی احسان فراموشی ہے تو بس یہی خیال تقویٰ بن جاتا ہے، اگر گناہ سے اس لیے باز آجاتا ہے کہ خدا ہر کہیں موجود ہے اس کی موجودگی میں اس کی نافرمانی کتنا بڑا اور سنگین جرم ہے، تو یہی احساس تقویٰ بن جاتا ہے، اگر گناہ سے اس لیے پہلوتہی کی کہ کوئی جگہ ایسی نہیں جو خدا کی حدود مملکت سے باہر ہو لہٰذا اس کی مملکت میں اس کی نافرمانی گویا خود موت کو دعوت دینا ہے تو یہی سوچ تقویٰ بن جاتی ہے، اگر گناہ سے کنارہ کشی کا سبب یہ امر بن جاتا ہے کہ خواہ کہیں اور کسی حال میں گناہ کروں، قیامت کے دن اس کی باز پرس سے نہیں بچ سکوں گا تو بس اسی کا نام تقویٰ ہے، صوفیاء کرام کے نزدیک خدا کا خوف ہی گناہ کے مقابلے میں ڈھال کا کام

marfat.com

دیتا ہے، اس لیے اُن کے مواعظ اور اُن کی مجالس و محافل میں زیادہ تر گفتگو خوفِ الٰہی اور خشیت خداوندی کے موضوع پر ملتی ہے، اور وہ یہ سمجھتے تھے اور تھے بھی حق بجانب کہ خدا کا خوف ہی وہ تازیانہ ہے جو انسان کو ہر وقت متنبہ اور خبردار رکھتا ہے اور کبھی غفلت کے گڑھے میں نہیں گرنے دیتا، بنا بریں خواجہ حسن بصری سے پوچھا گیا "ان لوگوں کی مجلس کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے جو ڈرا ڈرا کر ہمارے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کیے دیتے ہیں، ارشاد فرمایا، ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرنا جو تمہیں آج ڈرا کر کل کے خوف سے نجات دلا دیں ان لوگوں کی صحبت سے بہتر ہے جو آج تمہیں بے خوفی کا درس دے کر کل دردناک خوف میں مبتلا کر دیں" ۔[۹]

صوفیاء کرام کے ہاں کسی بھی مقام پر خدا سے بے خوفی کی اجازت نہیں، وہ ہر لمحے خود احتسابی کا سبق دینے میں مشغول رہتے تھے اور چوکنا رہنے کی تلقین کرتے رہتے تھے، اُن کے ہاں کوئی شخص، کوئی مقام اور کوئی ساعت ایسا نہیں جسے کر کے انسان یہ محسوس کرے کہ اب میں معصیت و نافرمانی سے بالکل محفوظ ہو گیا ہوں، بلکہ اسے ہر وقت ان دیکھے خوف میں مبتلا رہنا چاہیے، خبر نہیں کس وقت پاؤں پھسلے اور عمر بھر کی کمائی اکارت چلی جائے، حضرت حاتم اصم ؒ فرماتے ہیں تو کسی نیک جگہ پر دھوکا نہ کھا کیونکہ جنت سے بڑھ کر کوئی نیک جگہ نہیں ہو سکتی، پھر بھی اس میں حضرت آدم علیہ السلام پر جو گذری سو گذری نہ کثرت عبادت پر غرور کر، کیونکہ ابلیس کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ بھی اس قدر طویل عبادت کے بعد ہوا، صالحین کی صحبت و دیدار پر بھی بھروسہ نہ کر کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کس کی شان ہو سکتی ہے؟ مگر آپ کے رشتہ دار آپ کے دیدار سے فائدہ نہ اٹھا سکے" ۔[۱۰]

خوف و تقویٰ اختیار کرنے کے ضمن میں نہ صرف شیطان پر نظر رکھنا کافی ہے کہ کہیں کوئی اوچھا وار کر کے چت نہ گرا دے، بلکہ اس سے کہیں زیادہ اپنے نفس کی

marfat.com

نگرانی ضروری ہے جو تلوار ہاتھ میں لیے بغیر لڑتا ہے، خارجی دشمن سے یہ داخلی دشمن کہیں زیادہ خطرناک ہے، اندر سے پیدا ہونے والی بیماری باہر کے لگے زخم سے زیادہ تشویشناک ہوتی ہے اس لیے حضرت ابو عمرو دمشقیؒ نے متقی اور خائفؒ کی تعریف میں فرمایا:۔

"خائف وہ شخص ہے جو اپنے نفس سے اپنے دشمن (شیطان) کی بہ نسبت زیادہ خوف کھاتا ہو"۔[۱۱]

خوف و تقویٰ کی اقسام بیان کرتے ہوئے امام غزالیؒ لکھتے ہیں۔

"شہوت سے باز رہنا عفت، حرام سے دور رہنا ورع اور مشتبہ حلال سے رکنا تقویٰ ہے"۔[۱۲]

خوف و خشیت کے بار بار تذکرہ سے یہ غلط فہمی ہرگز پیدا نہیں ہونی چاہیے کہ انسان ہر وقت بید کی لکڑی کی طرح لرزتا رہے، اس کی آنکھوں کے کنارے ہمہ وقت تر رہیں، آواز میں خاص قسم کی رقت آجائے، لب و لہجہ میں مسکینی ٹپکتی محسوس ہو، وضع قطع سے کسی مستقل بیماری کا شائبہ ابھرتا ہو اور چہرہ مہرہ کسی حسرتناک مایوسی میں لپٹا دکھائی دے بلکہ خوف و خشیت کا جو مفہوم قرآن و سنت میں آیا ہے، یعنی منہیات و منکرات سے پرہیز بعینہٖ وہی کچھ ہمیں صوفیاء کرام کی تعلیمات میں ملتا ہے اس کو امام ابو القاسم قشیریؒ لکھتے ہیں:۔

"خائف اسے نہیں کہتے جو رو رہا ہو اور اپنی آنکھیں پونچھتا ہو، بلکہ خائف تو اُسے کہیں گے جو اس چیز کو جس پر اسے عذاب کا ڈر ہے ترک کر دے"۔[۱۳]

اب ہم آخر میں چند ایسے ایمان افروز اور رقت انگیز واقعات نقل کرینگے، جن سے پتہ چلتا ہے کہ خوفِ خدا رکھنے والے لوگ کس طرح اپنے نفس کا محاسبہ جاری رکھتے ہیں۔

حضرت احنف بن قیسؒ کا کہنا ہے کہ میرے دل میں گناہ کا خیال ابھرا میں نے اپنی

marfat.com

انگلی جلتے دیے پر رکھ دی اور کہا نفس تو ایک چراغ کی آگ تو سہہ نہیں سکتا۔ جہنم کی آگ کو کیسے برداشت کرے گا اور اس طرح میرے ذہن سے گناہ کا خیال یکدم محو ہو گیا، انہی کا واقعہ ہے کہ بیٹھے بیٹھے نہ جانے کیا خیال آیا اپنی عمر کا اندازہ لگایا تو ساٹھ برس نکلی اور اکیس ہزار پانچ دن بنے، اور ——— ایک دن میں ایک گناہ کا صدور فرض کر لیا جو آپ کے خیال میں کم سے کم تھا یوں اکیس ہزار اور پانچ گناہ سرزد ہوئے، یہ سوچنا تھا کہ غش کھا کر گرے اور بے ہوش ہو گئے۔

شیخ جنید بغدادیؒ کے حقیقی ماموں اور مرشد طریقت شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"میں روزانہ اپنے چہرے پر نظر ڈال کر دیکھتا ہوں کہ کہیں روسیاہ تو نہیں ہو گیا ہوں۔"[۴]

حضرت شیخ جنید بغدادیؒ کی روایت کے مطابق شیخ سری سقطیؒ نے متعدد بار اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں بغداد کے علاوہ کسی اور شہر میں مرنا چاہتا ہوں، پوچھا گیا، کیوں فرمایا مجھے ڈر ہے کہیں میری قبر مجھے قبول نہ کرے تو رسوا نہ ہو جاؤں۔"[۵]

سچ ہے خدا کا خوف ہو تو کوئی پل غفلت میں نہیں گذر سکتا اور حقیقت یہ ہے کہ اگر دل میں خوفِ خدا ہو تو بڑے سے بڑے حملہ آور کو اس قلعہ میں محفوظ رہ کر ناکام لوٹایا جا سکتا ہے۔ بھاری سے بھاری ہتھیار کو اس ڈھال پر کند کیا جا سکتا ہے اور مہلک سے مہلک زہر کے لیے اس سے تریاق کا کام لیا جا سکتا ہے، جیسا کہ شیخ عبد اللہ انصاری فرماتے ہیں،

"خوف الٰہی ایمان کا قلعہ، ہوا و ہوس کے لیے تریاق اور مومن کا ہتھیار ہے۔"[۶]

---

[۴] کیمیائے سعادت: ۴۴۹، [۵] رسالہ قشیریہ: ۳۱ [۶] صد میدان۔

اخلاص

اسلام میں تمام اعمال کا دار و مدار اخلاص پر ہے، وہ عمل، عمل نہیں جس میں اخلاص نہ ہو، زندگی بھر کی عبادت اس وقت اکارت ہو جاتی ہے جب اس میں اخلاص نہ رہے انسانوں کے تعلقات بھی اگر اخلاص پر استوار ہوں تو پائیدار رہتے ہیں تو آخر بندے کا خدا کے ساتھ تعلق اخلاص کے بغیر کیسے قائم رہ سکتا ہے، انبیاء کرام نے آغازِ کار ہی میں واضح کر دیا مَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْراً اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰه (میں تم سے کوئی حق الخدمت نہیں لوں گا میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے) قرآن مجید ریاکارانہ عمل کو منافقین کا فعل قرار دیتا ہے، کوئی شخص اگر دکھلاوے کو مال خرچ کرے تو وہ کسی اجر و ثواب کا مستحق نہیں ہوتا۔ قرآن مجید اس کے اس عبث فعل کی وضاحت ان الفاظ میں کرتا ہے،

ترجمہ: جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ آخرت پر، اس کے خرچ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک چٹان تھی جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی اس پر جب زور کا مینہ برسا تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی"۔ [۱]

حدیث میں وارد ہے، جو شخص دکھانے کو نماز پڑھے مشرک ہے۔ جو شخص دکھاوے کا روزہ رکھے وہ شرک کا مرتکب ٹھہرتا ہے اور جس

marfat.com

نے لوگوں کو دکھانے کے لیے صدقہ دیا وہ بھی مشرک ہے۔" ؎

الغرض دین خلوص اور اخلاص کا دوسرا نام ہے، جس میں اخلاص نہیں اس میں دین نہیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہو یا صدقہ، جہاد ان سب کی بنیاد اخلاص نہیں تو کچھ بھی نہیں، شیطان کے کارگر داؤں میں سرفہرست یہی داؤ ہے کہ انسان کو رحمان کے معاملے میں اخلاص سے محروم کر دے اور نتیجے کے طور پر نماز محض ڈیوٹی بن کر رہ جائے، روزہ بغیر بھوک پیاس برداشت کرنے کے کلیتہً بے ثمر رہے، زکوٰۃ صرف تاوان ہی سمجھی جائے اور حج سفر اور سفر کی کلفتوں کا مجموعہ بن جائے، جہاد دلوں شجاعت دینے کا ذریعہ اور صدقہ شہرت کا وسیلہ،

تجربہ شاہد ہے کہ وہ بوٹا اُگ ہی نہیں سکتا جسے پانی نہ ملے بعینہٖ وہ عبادت نتیجہ خیز ہو ہی نہیں سکتی جس کی بنیاد اخلاص نہ ہو، حضرت علیؓ فرماتے ہیں: ما الٰھی عبدتک من خوف نارک ولا طمعاً فی جنتک ولکن وجدتک اھلاً لعبادۃ نعبدتک

یا الٰہی میں جہنم کے ڈر یا جنت کے طمع میں تیری عبادت نہیں کرتا بلکہ تو عبادت کا مستحق ہے اس لیے تیری عبادت کرتا ہوں - یہ ہے اخلاص کی عمدہ مثال -

صوفیاء کرام نے بھی ہمیشہ اسی اخلاص کو لوگوں میں عام کرنے کی کوشش کی تصوف نے جب اپنے کام کا آغاز کیا تو یہ نہ تھا کہ نماز پڑھنے والے اور روزہ رکھنے والے لوگ نہ تھے، سب کچھ تھا لیکن محض عرفاً اور رسماً، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں -

کن مع اللہ کاَنْ لا خلق وکن مع الخلق کاَنْ لا نفس

خدا کے ساتھ بغیر مخلوق اور مخلوق کے ساتھ بغیر نفس کے معاملہ کر -

یعنی عبادات مخلوق کی خوشنودی کے بغیر ہوں اور معاملات نفس کی خواہش کے علی الرغم، اخلاص پر مبنی ہوں -

شیخ عبداللہ انصاری الہرویؒ اخلاص کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں -

marfat.com

"اخلاص کی تین قسمیں ہیں، اخلاصِ شہادت وہ اسلام میں ہے، اخلاص خدمت وہ ایمان میں ہے، اخلاص معرفت وہ حقیقت میں ہے اخلاص شہادت کے تین گواہ ہیں، اللہ کی عبادت میں مخلوق کو نہ دیکھنا یعنی ریا سے پرہیز، کارِ حق میں سنت مطہرہ کی پاسداری اور اطاعت الٰہی میں حلاوت پانا، اور اخلاص معرفت کے بھی تین گواہ ہیں، وہ خوف جو گناہ سے روکنے والا ہو، وہ امید جو طاعت پر ثابت قدم رکھے وہ محبت جو حکم الٰہی کے ساتھ موافقت رکھنے والی ہو"۔ ؎۴

علم پر نازاں اور زہد ان خشک ہمیشہ "خود بینی" کے مرض میں مبتلا رہے ہیں، مگر صوفیاء کرام نے اپنے دائرہ اثر میں خود شکنی کو رواج دیا کیوں کہ اخلاص کا یہی تقاضہ ہے۔

ابو محمد رویم البغدادیؒ فرماتے ہیں :۔

"اخلاص یہ ہے کہ تو اپنے عمل کو دیکھنا چھوڑ دے"۔ ؎۵

انسانیت کے ماتھے پر بدترین داغ یہ ہے کہ انسان کے ظاہر و باطن میں مطابقت نہ ہو، زبان پر "عشق" کا دعوی مگر دل میں "فسق" بھرا ہوا ہو۔ ماتھے پر بظاہر عبادت کے باعث سیاہ رنگ کا محراب ہو لیکن دل پر اس سے بھی زیادہ سیاہ نقطہ ہو، انسان کی جلوت رحمانی مگر خلوت شیطانی ہو، دیکھنے میں انسان اور پرکھنے پر حیوان ثابت ہو، دن "خشک" گزریں اور راتیں "تر" بسر ہوں، اسی بے آہنگی اور عدم مطابقت کو صوفیاء نے ہم آہنگی اور یکسانیت میں بدلنے کی کوشش کی، حذیفہ مرعشیؒ فرماتے ہیں۔

"اخلاص یہ ہے کہ بندے کے ظاہر و باطن میں یکسانیت ہو"۔ ؎۶

ذوالنون مصریؒ اخلاص کی علامات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

marfat.com

"اخلاص کی تین نشانیاں ہیں، عوام کی مدح یا مذمت بندے کے نزدیک یکساں ہو، اعمال میں اپنے اعمال کو دیکھنا بھول جائے، آخرت میں اپنے صلہ کا بیقراری سے منتظر نہ ہو" ۸ھ

اخلاص عمل کے ضمن میں عمدہ ترین تشریح شیخ ابو یعقوب سوسی نے کی ہے۔ فرماتے ہیں:-

"خالص عمل وہ ہے جس کا فرشتوں تک کو پتہ نہ ہو، کہ لکھ سکیں اور نہ شیطان کو خبر ہو کہ بگاڑ سکے اور نہ ہی نفس کو علم ہو کہ اس پر فخر کر سکے" ۹ھ

کسی بھی کام کو محض خوشنودیٔ رب اور رضائے الٰہی کے لیے کرنا اگرچہ کٹھن ہے لیکن اخلاص کا مرتبہ یونہی نہیں مل جاتا، اس کے لیے بہرکیف نفس اور خواہشاتِ نفس کو قربان کرنا پڑتا ہے، اس امر کا ہر ایک کو احساس ہے کہ جب نفس کو لذات و حظوظ سے محروم رکھا جاتا ہے تو وہ زخمی درندے کی طرح پلٹ پلٹ کر حملے کرتا ہے غراتا اور جھپٹتا ہے، مگر منزلِ اخلاص پانے کے لیے یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے، نفس کے لیے ہر وہ عمل گراں ہوتا ہے، جس کا محرک اخلاص ہو ایسا کیوں ہوتا ہے، سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں:-

"دریافت کیا گیا نفس پر کونسی چیز گراں ہے؟ فرمایا اخلاص! کیوں کہ اس میں نفس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا" ۱۰ھ

اب ہم آخر میں علی بن الموفقؒ المتوفی ۲۶۵ھ کی مناجات کا ایک حصہ یہاں پیش کرتے ہیں جس سے یہ سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی کہ اربابِ تصوف اپنے ہر عمل کو خالص کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرتے تھے بلکہ یوں کہیے کہ کوئی عمل خدا کے حضور پیش بھی کیا جا سکتا ہے جو کھوٹا اور آلودہ ہو، رب العزت کے حضور عرض پرداز ہیں۔

marfat.com

میرے مولا! اگر تو یہ جانتا ہے کہ میں تیری عبادت تیری بنائی ہوئی جہنم کے خوف سے کرتا ہوں تو تو مجھے اس کا ایندھن بنا دے، اگر تو جانتا ہے کہ میں تیری عبادت جنت کے طمع میں کرتا ہوں تو تُو مجھے اس سے یکسر محروم کر دے اور اگر تو جانتا ہے کہ میری عبادت صرف تیرے شوق دیدار میں ہے تو پھر تیرا جو جی چاہے میرے ساتھ سلوک کر۔"

یہ اخلاص کی معراج اور نقطۂ کمال کی بہترین مثال ہے جو اس مناجات سے ہمارے سامنے آتی ہے، گویا اُن کے نزدیک شوق جنت اور خوفِ جہنم بھی ایک آلائش ہے جس سے عمل کو آلودہ نہ ہونے دیا جائے، ان کی نظر میں طمع دنیا کا ہو یا آخرت کا بہرحال طمع ہی ہے اور طمع ہوتے ہوئے اخلاص امر محال ہے۔

---

marfat.com

صبر

صبر بہت سے اہم ترین اخلاقی اوصاف کے لیے ایک جامع عنوان کی حیثیت رکھتا ہے اور حقیقت میں یہ وہ "شہ کلید" ہے جس سے مصیبت کا ہر قفل کھل جاتا ہے یہ وہ منیارہ نور ہے جہاں سے منزل صاف طور پر دکھائی دینے لگتی ہے یہ وہ مشعل ہے جسے ہاتھ میں تھام کر راہ کے ہر روڑے، ٹھوکر اور کھائی سے بچا سکتا ہے، صبر کے بغیر کوئی شخص کسی مقصد میں کامیاب ہو ہی نہیں سکتا، نیکی کے راستے پر چلنے میں اگر کوئی دشواری محسوس ہو رہی ہو تو قرآن مجید اس دشواری کا علاج "صبر" بتاتا ہے:۔ "واستعینوا بالصبر"

صبر دراصل روکنے اور باندھنے کو کہتے ہیں، لیکن اس سے مراد ارادے کی وہ مضبوطی، عزم کی پختگی اور خواہشاتِ نفس کا وہ انضباط ہے جس سے ایک شخص نفسانی ترغیبات اور بیرونی مشکلات کے مقابلے میں اپنے قلب و ضمیر کے پسند کیے ہوئے راستے پر بدستور بڑھتا چلا جائے، اگر راہِ حق کا راہی انسان صبر کو اپنا زادِ راہ بنا کر چل دے تو وہ کسی نقصان یا مصیبت سے ہمت نہیں ہارتا، کسی ناکامی سے دل شکستہ نہیں ہوتا، کسی لالچ سے پھسل نہیں جاتا اور کسی بھی حالت میں راستی اور سچائی کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتا، قرآن مجید میں بار بار صبر اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے کبھی طاعت پر، کبھی بیماری اور تکلیف میں، کبھی راہِ حق میں اور کبھی دشمن کے مقابلے پر، الغرض جہاں بھی ڈولنے یا پھسلنے کا خطرہ ہو وہاں صبر ہی قدم میں ثبات

marfat.com

پیدا کرتا ہے۔

آزمائش کے مراحل کے لیے اس کی ضرورت قرآن مجید نے یوں بیان کی ہے۔

"مسلمانو! تمہیں مال اور جان دونوں کی آزمائشیں پیش آکر رہیں گی اور تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت تکلیف دہ باتیں سنو گے اگر ان سب حالات میں تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو تو یہ بڑے حوصلے کا کام ہے۔"[۵۱] (آل عمران، ۱۸۶)

تنگی مصیبت اور جنگ کے وقت قرآن مجید صبر کا حکم دیتا ہے۔

"اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں یہ ہیں راستباز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔"[۵۲]

حق و باطل کی کش مکش کے دوران صبر کی اہمیت قرآن مجید کی روشنی میں،

"کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں۔"[۵۳]

دشمنوں کے شر سے بچاؤ کے لیے قرآن مجید کون سا کارگر ہتھیار فراہم کرتا ہے ملاحظہ ہو۔

"اگر تم صبر اور خدا ترسی اختیار کرو تو تمہارے دشمنوں کی کوئی تدبیر تمہارے خلاف کامیاب نہیں ہو سکتی۔"[۵۴]

قرآن مجید کے بعد احادیث بھی صبر کی اہمیت اور ضرورت کو واضح کرتی ہیں بیسیوں مقامات ایسے ہیں، جہاں صبر کے فضائل، خوشگوار نتائج اور بہترین ثمرات کا ذکر ملتا ہے۔

قرآن مجید کی تصریحات کے علاوہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صحابہ کی سیرتیں

marfat.com

صبرو استقامت کا مرقع تھیں اور صبر ان کی کتاب زندگی کا عنوان اوّل تھا۔ صوفیاء کرام نے بھی اپنی تعلیمات میں صبر کو نمایاں جگہ دی ہے، یوں کہا جائے تو غالباً غلط نہ ہوگا کہ صوفیاء کرام کی زندگی میں جو توکل، استقلال، ایثار، جفاکشی، سادگی اور مداومت عمل کی کیفیات پائی جاتی ہیں، یہ صبر کی مختلف صورتیں ہیں، کیونکہ تمام امور بخوشی اللہ کے سپرد کر دینا کمال درجے کا صبر ہی تو ہے، دنیوی موانع اور نفسانی مزاحموں کے مقابلے میں مستقل مزاجی صبر ہی ہے، تعیش اور تنعم کی زندگی کو خیر باد کہہ کر جفاکشی کی راہ اپنانا بھی صبر ہے، دنیا کی زیب و زینت سے صرف نظر کرتے ہوئے سادگی کی روش اختیار کرنا صبر نہیں تو کیا ہے؟ اپنا سب کچھ دوسروں کے لیے وقف کر دینا صبر ہی کی ایک شکل ہے، ماحول کی ناسازی اور شیطان کی وسوسہ اندازی کے علی الرغم اپنا کام کیے جانا صبر کی عمدہ مثال ہے، غرض صبر کو صوفیاء نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا، تصوف کے لٹریچر میں صبر کے سلسلے میں متعدد باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں مگر ان سب کی روح اور غایت ایک ہی ہے، شیخ عبداللہ انصاری صبر کے تین ارکان بتاتے ہیں۔

"مصیبت پر صبر کرنا کما قال اللہ اصبروا معصیت پر صبر کرنا (یعنی رک جانا) کما قال اللہ صابروا طاعت پر صبر کرنا کما قال اللہ رابطو" ۵ء

امام ابوبکر محمد بن اسحاق کلاباذی صبر کے متعلق رقمطراز ہیں۔

"صبر یہ ہے کہ تو صبر کے اندر بھی صبر کرے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تو صبر کرتے ہوئے بار بار یہ نہ دیکھے کہ بلا کب ٹلتی ہے اور کب کشائش ہوتی ہے؟"

حضرت جنید بغدادیؒ سے استفسار کیا گیا کہ صبر کسے کہتے ہیں؟ فرمایا۔

"ناک بھوں چڑھائے بغیر کڑوی چیز کا گھونٹ پی جانا صبر ہے" ۵ء

امام ابو القاسم القشیریؒ حضرت ابراہیم خواصؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

marfat.com

"کتاب و سنت کے احکام پر ثابت قدم رہنا صبر ہے"۔ ۵۸

صبر کا بالعموم یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ انسان صرف تنگی اور مصیبت کے وقت جزع و فزع نہ کرے، لیکن صوفیاء کی تصریحات سے جس طرح معلوم ہوا ہے وہ اسے ایک وسیع معنی اور مفہوم میں لیتے ہیں۔ شیخ محمد حسن مجددی فاروقی فرماتے ہیں۔

"صبر دو قسم ہے، ایک ان میں دوسرے سے افضل ہے، ایک مصیبتوں میں صبر کرنا ہے، یہ بھی اچھا ہے لیکن اس سے افضل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی کل حرام کی ہوئی چیزوں سے کیا جائے"۔ ۵۹

صوفیاء کرام کی ان تعلیمات کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کے اندر ضبط نفس، حدود کی رعایت، ثبات قدمی استقامت اور مستقل مزاجی کے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں اسلام بھی تو اپنے پیروکاروں کے اندر یہ صفات پیدا کرنا چاہتا ہے، صبر ظلم سہنے اور چپ رہنے کا نام نہیں، طاقتور کے مقابلے میں عاجزی کو صبر نہیں کہتے، صبر سراسر انضباطِ نفس ہے اور اسکا اظہار موقع و محل کے مطابق ہوتا رہتا ہے۔

---

marfat.com

فتوت

یہ درحقیقت فیاضی کا سب سے بڑا اور سب سے آخری درجہ ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھا جائے، خود بھوکا رہے دوسروں کو کھلائے، خود تکلیف اٹھائے اور دوسروں کو آرام پہنچائے۔

آج کے مادہ پرستانہ اور خود غرضانہ ماحول میں جس قدر اس تعلیم کو عام کرنے کی ضرورت ہے، شاید گذشتہ دور میں کبھی محسوس کی گئی ہو، آج ہوا و ہوس کا دور دورہ من و تو کا جھگڑا، مفادات کا چرچا "میرا حق، میرا مال، میرا کاروبار" کا غلغلہ اور "کچھ لو اور کچھ دو" کا نعرہ ہر سو گونج رہا ہے، انسان روٹی، پیٹ، نفس، مال، زر، دھن، دولت، مفاد، اور خواہش کا بندہ بن کر رہ گیا ہے، دل ہے کہ ان کے علاوہ کچھ سمجھتا ہی نہیں، دماغ ہے کہ بجز ان کے کچھ سوچتا ہی نہیں، زبان ہے کہ اس کے سوا بولتی ہی نہیں کان ہیں کہ ان کے بغیر کچھ سنتے ہی نہیں، آنکھ ہے کہ ان سے ہٹ کر کچھ دیکھتی ہی نہیں الله! قیامت سے پہلے قیامت کا سماں اور حشر سے پہلے حشر بپا ہے ایثار، قربانی، فتوت، ترجیح، سخاوت تو بھولی بسری باتیں ہو کر رہ گئی ہیں اب تو عدل انصاف، مساوات، برابری، تقسیم جیسی اصطلاحات بھی آثار قدیمہ بنتی چلی جا رہی ہیں ہر طرف "میں ہی ہوں" اور "میرا ہی میرا" کا شور برپا ہے، اس "سب کچھ میرا" کے فلسفے کو بروئے کار لانے کے لیے ہمسایوں کے حقوق تلف کیے جاتے ہیں، کسی بیوہ کے

marfat.com

سر سے دوپٹہ اتارا جاتا ہے، کسی یتیم کا آخری سہارا چھینا جاتا ہے، ایمان وضمیر کا سودا کیا جاتا ہے، قانون کو پامال کیا جاتا ہے، انصاف خریدا جاتا ہے، انسانیت کچلی جاتی ہے، خون بہایا جاتا ہے، غرض سب کچھ کیا جاتا ہے، آج اس تحفظ ذات اور مفاد خویش نے انسان کے دل سے رحم اور آنکھوں سے حیاء کو ختم کر دیا ہے، رشتوں کو تقدس اور دوستی کو خلوص سے عاری کر دیا ہے۔

ع ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے نوع انسان کو

اسلام نے حق طلبی پر فرض شناسی کو ترجیح دی ہے، لذت کیشی پر آرام رسانی کو فوقیت دی ہے، اسلام انسان کو سوداگر، تاجر یا پیشہ ور نہیں حضرت انسانؑ دیکھنا چاہتا ہے جس کے پہلو میں پتھر نہیں دھڑکتا دل ہو، دل میں جذبات کا سمندر موجزن ہو، آنکھوں میں مروّت کی لکیریں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی دوسروں کو آرام بہم پہنچانے میں گزری، برابر کا حق وصول کرنا کونسا کمال ہے، دوسروں کے لیے اپنے حق سے دستبردار ہو جانا اصل مقام انسانیت ہے، پھول کے بدلے پھول تو رسم دنیا ہے، پتھر کے جواب میں پھول برسانا معراجِ آدمیت ہے، "بھلا کر بھلا ہوگا" تو فقیروں کی صدا ہے، مردانِ خدا "سب کا بھلا" مانگتے ہیں، انصار مدینہ کے دیگر اوصاف کے ساتھ ساتھ خدا تعالےٰ نے اُن کے ایثار و قربانی کے وصف کو سراہا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ویؤثرون علیٰ انفسھم ولوکان بھم خصاصۃٌ

(اور اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو انہیں اپنے سے مقدم رکھتے ہیں[1]

تصوف کا سارا دار و مدار "ترک خویش" پر ہے، صوفیاء "لینے" کے مفہوم ہی سی واقف نہیں، وہ تو "دینے" کے عادی رہے ہے، انہیں "مخدوم" نہیں "خادم" بننے میں خوشی ہوتی تھی، انہیں حقیقی راحت دوسروں کو راحت پہنچا کر ہوتی تھی، سرمایہ دلرانہ

marfat.com

جیسے بے رحم نظام کی ناکامی کے بعد سوشلزم اور کمیونزم جیسے بے جوڑ اور غیر فطری نظام کا مقابلہ آج اگر ہو سکتا ہے تو اسی فتوت اور ایثار کی تعلیم کو اس کی روح کے ساتھ عام کرنے سے ہو سکتا ہے، اعلیٰ ہمتی، جواں مردی، بلند ظرفی، سیر چشمی، دریا دلی، اور فراخ حوصلگی کا تعلق اسی فتوت اور ایثار سے ہے، آج جو پرلے درجے کی خست، حرص، خود غرضی، ہوس پرستی، اور تنگدلی پیدا ہو چکی ہے، اس کا توڑ یہی فتوت اور ایثار کا جذبہ ہے۔

صوفیاء کرام نے اسے اپنے ہاں کتنی اہمیت دی ہے اس کا اندازہ اُنکی کتابوں کے مختلف اقتباسات سے ہو سکتا ہے۔

امام ابوالقاسم القشیریؒ نے مختلف صوفیاء کے اقوال کے ذریعے اس کی تشریح و توضیح کی ہے۔

امام ابوالقاسم قشیریؒ خود ہی فرماتے ہیں۔

"فتوت دراصل یہ ہے کہ انسان ہمیشہ دوسرے کے کاموں میں لگا رہے"۔[۱۷]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے حوالے سے شیخ ابو علی دقاقؒ فرماتے ہیں :-

"یہ ایسا کمال ہے جو کماحقہ آپ کو حاصل ہے، قیامت میں ہر شخص "نفسی نفسی" اور آپ "امتی امتی" فرمائیں گے"۔[۱۸]

انہی شیخ ابو علی دقاقؒ سے پوچھا گیا فتوت کیا ہے؟

"انسان اس بات میں قطعاً امتیاز نہ کرے کہ اس کے ہاں ولی کھانا کھا رہا ہے یا کافر؟"[۱۹]

موجودہ دور میں خویش پروری اور اقربا نوازی کے مرض کا علاج بجز اس کے کیا ہو سکتا ہے جو اوپر شیخ دقاقؒ نے تجویز فرمایا کہ انسان فیض رسانی میں اپنے اور

marfat.com

پرائے کی تمیز سے بالا ہو جائے، ایک اور مقام پر شیخؒ فرماتے ہیں۔

"فتوت یہ ہے کہ تو دس آدمیوں کو دعوت دے تو نو یا گیارہ آجائیں تو تجھ میں ناراضگی پیدا نہ ہو۔" ؎

اسی ضمن میں شیخ ابو القاسم قشیریؒ نے ایک عبرت آموز اور دلچسپ واقعہ لکھا ہے جہاں فتوت اپنے نقطۂ عروج پر پہنچی ہوئی نظر آتی ہے، یہ ایک ملاقات کا قصہ ہے جو امام جعفر صادقؓ اور شفیق بلخیؒ کے درمیان ہوئی۔

"شفیق بلخیؒ نے امام جعفر صادقؓ سے پوچھا فتوت کسے کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا لو وجد نا شکرنا (اگر کچھ مل جاتا ہے تو شکر کرتے ہیں) اور لو فقدنا صبرنا (اگر نہیں ملتا تو بیٹھ رہتے ہیں، آپ نے فرمایا، ہمارے ہاں مدینہ میں کتوں کا یہی شیوہ ہے کہ کچھ مل جاتا ہے تو کھا لیتے ہیں نہیں ملتا تو چپ ہو رہتے ہیں، شفیق بلخیؒ نے پوچھا آپ فتوت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ فرمایا لو فقدنا شکرنا (اگر کچھ نہیں ملتا تو شکر کرتے ہیں) اور لو وجدنا اثرنا (اگر مل جاتا ہے تو ایثار کر دیتے ہیں)" ؎

اسی سلسلے کی ایک سنہری کڑی کے طور پر محمد بن الفضلؒ کا قول ملاحظہ فرمائیے زاہد اور مرد خدا کا فرق بیان کرتے ہیں۔

"زاہد اس وقت ایثار کرتے ہیں جب غنی ہوں اور جواں مردوں کا ایثار تب ہوتا ہے جب خود حاجتمند ہوں۔" ؎

متذکرہ صدر اقوال اور تعلیمات بلاشبہ ایک انسان کو بے لوث، خلوص کا پیکر ایثار کا پتلا اور دریا دل بنانے میں کافی حد تک معاون ثابت ہو سکتی ہیں، اگر ان باتوں کو عام رواج دیا جائے اور انہیں بار بار ذہن نشین کرایا جائے تو اس سے

marfat.com

انسان کنج خمولی میں سر بجیب بیٹھ کر زندگی گذارنے والا، ترک و تجرد کا متوالا، عافیت کوش اور حجرہ نشین بنتا ہے یا سراپا عمل بن کر میدان میں نکل آتا ہے اور خدا کے حقوق کے ساتھ ساتھ بندوں کے حقوق ادا کرنے میں سرگرم عمل ہو جاتا ہے بس یہی تصوف ہے اور کچھ بھی نہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ایسے تصوف پر کوئی شخص کم از کم بقائمی ہوش و حواس اعتراض نہیں کر سکتا۔

---

marfat.com

اُن کی باتوں میں گلوں کی خوشبو

شیخ جامیؒ فرماتے ہیں:۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد　　　بسا کیں دولت از گفتار خیزد

حقیقت بھی یہی ہے کہ انسانی سیرت پر کردار و گفتار دونوں اثر انداز ہوتے ہیں، وہ بات تیر بن کر دل میں کھب جاتی ہے جو دل کی گہرائیوں سے نکلی ہو، گفتگو اگر حکمت سے لبریز، مٹھاس سے معمور، دل دردمند کی ترجمان اور حسن بیان سے بھرپور ہو تو ایک ایک حرف اپنا اثر چھوڑتا ہے، صحابہ کرام کی کردار سازی میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ ایمان افروز کا اثر تھا وہاں آپ کے بیان فیض ترجمان کی تاثیر کا بھی خاصہ حصہ تھا، چھوٹی چھوٹی مگر حکمت و موعظت سے لبریز باتیں، تاثیر، کشش اور کیف میں رچے جملے، اور معارف و حقائق کے خزینے دامن میں لیے ہوئے مختصر اقوال بلاشبہ صحابہ کرام کی سیرتوں پر بے پناہ اثرات مرتب کرتے تھے، اُن سے جہاں ایمان تازہ ہوتا وہاں عرفان کو بھی غذا ملتی، ایک طرف اگر عقل کی گتھیاں سلجھ رہی ہوتیں تو دوسری جانب ذوق و وجدان کی پرورش بھی ہوتی رہتی، گفتار کی شیرینی اور بیان کی حلاوت حلقوم میں اترتی محسوس ہوتی اور دل کی دنیا جذب و شوق سے معمور ہو جاتی۔ جب ہم صوفیاء کرام کی مجالس و محافل کے بارے میں کچھ پڑھتے اور ان کے ملفوظات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی محفل و مجلس ایسا چمنستان نظر آتی ہے جس میں ہر گل اپنا

marfat.com

رنگ اور اپنی مہک رکھتا ہے، جس کا رنگ آنکھوں کو سرور بخشتا اور خوشبو مشام جان کو معطر رکھتی ہے، جب بزرگوں کی محفلیں عروج پر پہنچتیں تو دلکش مثالوں اور حکایتوں کے ساتھ ساتھ زندگی کے عمیق ترین حقائق چٹکیوں میں حل ہوتے جاتے، محفل پر کبھی جذبِ جنون طاری ہوتا کبھی عقل و خرد کی جلوہ آرائی، کبھی ایمان و عرفان کی اور کبھی جنت کی شادابیوں کا ذکر اور کبھی جہنم کی وادیوں کا تذکرہ، محفل میں رحمت و شفقتِ حق کا ذکر آتا تو چہرے تمتما اُٹھتے، عذاب و عتاب کی بات چلتی تو آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں، احترامِ انسانیت کا موضوع چھڑتا تو موتی لٹتے، تعلیمِ آدمیت کا مسئلہ آتا تو دریا بہتے، خدا کے عدل پر لب کشائی ہوتی تو چیخیں نکل جاتیں، اس کے فضل پر زبان کھلتی تو باچھیں کھل جاتیں، غیرتِ فقر کا مضمون نوکِ زبان ہوتا تو بوریہ نشینوں اور خرقہ پوشوں کے سر میں سکندر کا دماغ آجاتا خدمتِ خلق کی بحث نطق آشنا ہوتی تو پندار و ناموس کے آبگینے چھنا کے سے ٹوٹ جاتے، "مع اللہ" کا تصور پیش ہوتا تو درمیان میں سے مخلوق نکل جاتی "مع الخلق" پر اظہار خیال ہوتا تو نفس غائب ہو جاتا، صوفیاء کرام کی باتیں ایجاز و اختصار کا بہترین مرقع ہوتی تھیں، قطرے میں دریا اور ذرے میں صحرا کو انہوں نے سمو کر دکھایا، صوفیاء کرام کی مجلسوں میں اپنوں اور غیروں کی یکجائی کا عجب سماں نظر آتا، نہ کسی پر تنقید نہ کسی پر تعریض، گفتگو میں نہ مناظرانہ پن اور نہ کسی کی دل آزاری کا شائبہ، بات وہی کہی جو ہر ایک کے دل کی تھی، دل سے نکلی دل پر بیٹھی، چلہ کھینچنے سے پہلے کھب گئی، کوئی ویران دل لے کر بیٹھا، آباد دل لے کر اٹھا، خالی ہاتھ پہنچا دامن بھر کر گیا، تھکا ماندہ آیا، ہشاش بشاش رخصت ہوا، صوفیا کی مجلس گویا صحرا کے پیادہ پا مسافروں کے لیے گھنے درخت کی ٹھنڈی چھاؤں ہوتی تھی،

صوفیاء کس دلنشین انداز میں لوگوں کی اصلاح تربیت کرتے تھے، ان کے ہاں بیٹھنے والے کس قسم کے انسان بن کر نکلتے ہوں گے اور محافل و مجالس کیسی ایمان

marfat.com

افروز ہوتی ہوں گی، جہاں احترامِ انسانیت، خوفِ خدا، خدمتِ خلق، محبت، تقویٰ، اخلاص، عجز و نیاز، ایثار، توکل اور حسنِ اخلاق کے چرچے ہوتے تھے، ایسی ہی چند محافل کی جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

دہلی میں خانوادۂ چشت کے ممتاز رہنما کا دربار سجا ہے، بڑے چھوٹے، ایک ہی مجلس میں برتری اور کمتری کے احساس سے بالا ہو کر بیٹھے ہیں، ستاروں کے اس ہالے میں خواجہ نظام الدین دہلویؒ چاند بن کر محفل آرا ہیں اور فرما رہے ہیں:۔

"ایک شخص نے خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی خدمت میں چھری پیش کی، فرمایا مجھے چھری نہ دو، مجھے سوئی لا دو۔ میں کاٹتا نہیں جوڑنے آیا ہوں"۔ [۱]

یہ ہے "برائے وصل کردن آمدی" کی تفسیر،

"علم و عمل کے باہم لازم و ملزوم ہونے اور ان کی اہمیت و ضرورت کتنی ہے اسے شیخ بہاؤالدین نقشبندؒ نے کس خوبصورتی سے واضح کیا، مجلس کی ایک جھلک اور گفتگو کا ایک حصہ ملاحظہ کیجئے۔

"تو شمع کی طرح بن، تو شمع کی طرح نہ بن، شمع کی طرح بن بایں معنیٰ کہ دوسرے کو روشنی پہنچائے اور شمع کی طرح نہ بن بایں معنیٰ کہ تو خود تاریکی میں رہے"۔ [۲]

توکل اور توکل کی روح کیا ہے؟ حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں:۔

"ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کثیر العیال ہونے کی شکایت کی، فرمایا ان افراد کو گھر سے نکال دو جن کا رزق اللہ کے ذمہ نہیں"۔ [۳]

عجیب و غریب افعال کے صدور اور خرقِ عادت واقعات کے ظہور ہی کو

marfat.com

صرف کرامت سمجھا جاتا ہے اور اسے عام ذہن معیار ولایت قرار دیتے ہیں مگر اس الجھن کو شیخ بہاء الدین نقشبندؒ نے بڑے حسن کارانہ انداز میں سلجھایا ہے، لوگوں نے آپ سے کرامت طلب کی تو فرمایا :۔

"یہی کرامت کیا کم ہے کہ اتنے گناہوں کے باوجود ہم روئے زمین پر چل پھر رہے ہیں"۔ ؎

صوفیا کے ہاں "خود بینی" کے بجائے "خود شکنی" کا رواج زیادہ ہوتا ہے، ہیچمدانی گری نسبت کی بہ نسبت "ہیچ میرزی" کا چلن عام ہے، اس ضمن میں خواجہ نظام الدین دہلویؒ کی مجلس کا ایک گوشہ پیش نظر رکھیے، آپ فرمار ہے ہیں۔

"جسے دیکھو اُسے اپنے سے بہتر سمجھو اگرچہ تم اطاعت گزار ہو اور وہ گنہ گار ہو، ہو سکتا ہے کہ یہ تمہاری آخری اطاعت اور اسکا آخری گناہ ہو تم گنہ کار بن جاؤ اور وہ نیکو کار بن جائے"۔ ؎

شعلہ و شبنم کی یکجائی، آتش شوق اور باران اشک کی ہم آغوشی جیسی مجازی کیفیت کو حقیقت کا روپ شیخ ابوبکر شبلیؒ نے کیسے دیا؟ ملفوظ ملاحظہ ہو،

آپ مجلس میں صدر نشین تھے، قریب ہی گیلی لکڑیاں جل رہی تھیں ایک طرف آگ تھی، دوسرے سرے سے پانی رس رہا تھا، آپ حاضرین مجلس کی طرف متوجہ ہوئے، فرمایا :۔

"اگر یہ بات سچ ہے کہ تمہارے دل آتش شوق میں جل رہے ہیں۔ تو تمہاری آنکھوں میں آنسو رواں کیوں نہیں ہوتے؟" ؎

لوگ نہ جانے عقل و دولت کسے کہتے ہیں؟ اس کی کیا نشانی ہے؟ اس مسئلہ میں شیخ ابو علی محمد بن عبدالوہابؒ کا نقطہ نظر نصیحت آموز بھی ہے اور بصیرت افروز بھی، فرماتے ہیں :۔

marfat.com

"اُف ہے دنیا کے کاموں پر جب وہ اُمنڈ کر آجائیں اور اُف ہے دُنیا کی حسرتوں پر جب وہ جاتی رہیں، عقلمند ایسی چیز کی طرف ہرگز توجہ نہیں دیتا، کہ آئے تو مشغولیت کا سبب ہو اور جائے تو حسرت کا۔" ۷ے

غیبت زنا سے سخت، مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف، گِلہ اخلاقی پستی کی انتہا، لیکن یہ سب کچھ بدگوئی میں شامل ہے، مگر بدخواہی، شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں :۔

"بُرا کہنا بُرا ہے مگر بُرا چاہنا اس سے بھی بدتر ہے"۔ ۸ے

اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرو: یہ قرآن مجید کا حکم ہے کتنا خرچ کرو ؟ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شرح مقرر کر دی، رہے صدقاتِ نافلہ اُن کی صرف ترغیب ملتی ہے، مگر اس اہم ترین مسئلہ کو جس نے پوری دنیا کا سکون تلپٹ اور دماغ چاٹ رکھا ہے، صوفیائے کرام کس نظر سے دیکھتے ہیں ؟ حضرت ابوبکر شبلی کا رنگ ملاحظہ ہو، پوچھنے والے نے پوچھا۔

"زکوٰۃ کب اور کتنی واجب ہے ؟ فرمایا مذہب کی فقہ کی رو سے یا مذہب فقراء کی نظر میں ؟ سائل نے کہا دونوں طرح سے ارشاد فرمائیے جواب ملا، فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ سال گزرنے پر سَو درہم میں سے ڈھائی روپے نکال دو، اور فقراء کے مذہب میں یہ ہے کہ جو کچھ مال و دولت ہو، سب خدا کی راہ میں لٹا دو"۔ ۹ے

انسان فطرتاً مدنی الطبع ہے، مل جل کر رہتا اور لو اور دو کے اصول پر عمل کرتے ہوئے زندگی بسر کرتا ہے، اس کے کچھ فرائض ہیں اور کچھ حقوق، انسانوں کی بستی میں مفادات ٹکراتے بھی ہیں اور جھگڑے بھی پیدا ہوتے ہیں، مگر صوفیائے کرام انسان کو زندگی گذارنے کا کیا ڈھنگ سکھاتے ہیں ؟ تجارتی بنیادوں پر زندگی ؟ کچھ لو اور کچھ دو کے اصولوں پر

marfat.com

زندگی؟ جیو اور جینے دو کی پالیسی والی زندگی؟ تحفظ خویش کے نظریہ کی زندگی؟ نہیں، یوں نہیں، بلکہ صوفیا کرام ترک و ایثار اور مروت، اخوت سے معمور زندگی کا درس دیتے ہیں، "بھلا کر بھلا ہوگا" کے بجائے "سب کا بھلا" ان کا نعرۂ مستانہ ہوتا ہے "دوستوں سے گلہ" ان کا شیوہ نہیں اور شکایتِ زمانہ" ان کا شعار نہیں، شیخ جنید بغدادیؒ اس نظریے کی یوں ترجمانی فرماتے ہیں :۔

"کوئی شخص اس وقت تک عارف نہیں کہلا سکتا جب تک کہ وہ زمین کی طرح نہ ہو جائے کہ نیک و بد اسے روندتے ہیں اور بادل کی طرح نہ ہو جائے جو ہر چیز پر سایہ کرتا ہے اور سورج کی طرح نہ ہو جائے جو ہر ذرے کو روشن کرتا ہے اور بارش کی طرح نہ ہو جائے جو ہر چیز کو سیراب کرتی ہے"۔ ا

تصوف کا دستور اور اہل تصوف کا شروع سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ہر کام میں مقصدیت کے متلاشی ہوتے ہیں، اُن کے نزدیک ایسا علم محض الفاظ کا گورکھ دھندہ ہے جو عمل سے خالی ہے، وہ الفاظ و حروف کے رٹنے کو صرف دماغ سوزی قرار دیتے ہیں، عمل کے لیے تو علم ضروری ہوتا ہی ہے مگر علم کے لیے عمل اس سے بھی زیادہ ضروری ہے، ورنہ علم بے معنی، خیالات کا ناٹک اور افکار کی شعبدہ بازی بن جاتا ہے، اسی نظریے کو ایک مردِ حق آگاہ نے یوں واضح کیا۔

"خواجہ نظام الدین دہلویؒ نے مکارم اخلاق کے بارہ میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا، "شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ اور بو علی سیناؒ کی ملاقات ہوئی، رخصت ہونے سے قبل بو علی سیناؒ نے ایک صوفی سے جو حضرتِ شیخ کے ملازموں سے تھا یہ فرمائش کی کہ جب میں حضرت شیخؒ کے یہاں سے رخصت ہو جاؤں تو پھر وہ جو کچھ میرے بارے میں کہیں تم مجھے لکھ بھیجنا

marfat.com

بوعلی سینا چلے گئے مگر حضرت شیخؒ نے ان کا کوئی ذکر نہ کیا، اُن کے بارے میں اچھی یا بری کسی قسم کی رائے کا اظہار نہ فرمایا، چنانچہ ایک روز اُس صوفی نے پوچھ ہی لیا کہ بوعلی سینا کیسا آدمی ہے؟ حضرتِ شیخ نے جواب دیا وہ ایک فیلسوف شخص ہے، طبیب ہے بڑا عالم بھی ہے البتہ مکارم اخلاق کا مالک نہیں (اما مکارمِ اخلاق ندارد) اس صوفی نے یہ بات بوعلی سیناؒ کو لکھ بھیجی، بوعلی سیناؒ نے حضرت شیخ کی خدمت میں کچھ تحریر کیا، جس میں یہ بھی مذکور تھا کہ میں نے اتنی کتابیں مکارم اخلاق کے بارہ میں لکھی ہیں، پھر حضرت شیخ یہ کیوں کہتے ہیں کہ میں مکارم اخلاق کا مالک نہیں، حضرتِ شیخؒ نے تبسم فرمایا اور گویا ہوئے، میں نے تو یہ نہیں کہا کہ بوعلی سیناؒ مکارم اخلاق جانتا نہیں (من نگفتہ ام کہ بوعلی مکارم اخلاق نداند) میں نے تو یہ کہا ہے کہ وہ مکارمِ اخلاق کا مالک نہیں۔ (مکارمِ اخلاق ندارد) الیہ ا

روحِ تصوف

۱۔ تاریخ تصوف : رئیس احمد جعفریؒ ص ۲۳۱ ، ص ۲۳۲

۲۔ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ : پروفیسر نور بخش توکلی، ص ۴۶۴ مطبوعہ نوری بک ڈپو، لاہور،

۳۔ تجدیدِ تصوف و سلوک : مولانا عبد الباری ندوی، ص ۱۸، ۱۹ مطبوعہ لکھنؤ،

۴۔ مقدمہ ابن خلدون، ترجمہ سعد حسن خان یوسفی ص ۴۴۶ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

۵۔ الکشف عن مہمات التصوف : مولانا اشرف علی تھانویؒ ؛ ص ۳۸ مطبوعہ سجاد پبلشرز لاہور۔

۶۔ تعرف، محمد بن اسحاق کلاباذیؒ : ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص ۴۴ مطبوعہ المعارف لاہور،

۷۔ تاریخ تصوف : پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ ص ۳۶۹ مطبوعہ علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف لاہور۔

۸۔ تعرف، محمد بن اسحاق کلاباذیؒ : ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص ۱۳۸ مطبوعہ المعارف لاہور۔

۹۔ ایضاً ص ۱۳۸

۱۰۔ ایضاً ص ۱۳۸

۱۱ علم تصوف : عباد اللہ اختر ص ۲۳ مطبوعہ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور۔

۱۲۔ رسالہ قشیریہ : امام ابوالقاسم قشیریؒ : ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص ۴۳۳ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

۱۳۔ ایضاً " " " " " " " "

marfat.com

۱۴۔ رسالہ قشیریہ: امام ابوالقاسم قشیریؒ: ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص ۴۲۳ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

۱۵۔ ایضاً 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۱۷۔ ایضاً 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۱۸ ایضاً 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۱۹۔ ایضاً 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۲۰۔ ایضاً 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۲۱۔ کشف المحجوب: سید علی الہجویریؒ: ترجمہ: میاں طفیل محمد ص ۹۳ مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز لاہور۔

۲۲۔ ایضاً 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۲۳۔ ایضاً 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۲۴۔ کشف المحجوب: سید علی الہجویریؒ: ترجمہ سید ابوالحسنات ص ۱۳۱ مطبوعہ المعارف لاہور۔

۲۵ فتوح الغیب: شیخ عبدالقادر جیلانیؒ: ترجمہ سید محمد فاروق القادری، ص ۱۳۱ مطبوعہ المعارف۔ لاہور۔

۲۶۔ آداب المریدین: شیخ ضیاء الدین سہروردی: محمد عبدالباسط ص ۳۵ مطبوعہ المعارف لاہور

۲۷۔ ایضاً 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۳۵ 〃 〃 〃 〃

۲۸۔ رسالہ قشیریہ: امام ابوالقاسم قشیری: ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص ۴۳ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

۲۹۔ ایضاً 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

marfat.com

۳۰۔ رسالہ قشیریہ : امام ابوالقاسم قشیریہ : ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص۴۳۰ مطبوعہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد۔

۳۱۔ ایضاً ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″

۳۲۔ ایضاً ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″

۳۳۔ ایضاً ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″

۳۴۔ تعرف ؛ محمد بن اسحاق کلا باذیؒ۔ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، ص۴۳ مطبوعہ للعارف لاہور۔

۳۵۔ ایضاً ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″

۳۶۔ ایضاً ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″

۳۷۔ ایضاً ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″

۳۸۔ کشف المحجوب : سید علی الہجویریؒ : ترجمہ میاں طفیل محمد ص۹۲ مطبوعہ اسلامک پبلیکشنز لاہور۔

۳۹۔ عوارف المعارف ؛ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ترجمہ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔

---

marfat.com

شریعت و طریقت

۱۔ اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش ص۴۴ مطبوعہ انجمن خدام القرآن لاہور۔

۲۔ مدارج : شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ : ترجمہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ص۶۰ مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور

۳۔ ایضاً ۔ ۔ ص۶۲

۴۔ رسالہ قشیریہ : شیخ ابوالقاسم قشیریؒ : ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص۶۲ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

۵۔ ایضاً ص۶۳

۶۔ ایضاً ص۶۳

۷۔ مکتوباتِ صدی : شیخ یحییٰ منیری : ترجمہ شاہ نجم الدین فردوسی ص۳۰۱

۸۔ صدمیدان : شیخ عبداللہ انصاریؒ : ترجمہ پروفیسر افضل فقر ص۱۵ مطبوعہ المعارف لاہور۔

۹۔ مکتوباتِ صدی : شیخ یحییٰ منیریؒ : شاہ نجم الدین فردوسی ص۳۰۲

۱۰۔ ایضاً ص۲۱۳

۱۱۔ عوارف المعارف : شیخ شہاب الدین سہروردیؒ : ص۸۸ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی

۱۲۔ رسالہ قشیریہ : شیخ ابوالقاسم قشیری : ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص۶۰ مطبوعہ ادارہ تحقیقات، اسلامی، اسلام آباد۔

marfat.com

۱۳۔ رسالہ قشیریہ؛ شیخ ابوالقاسم قشیری: ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص۶۳ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

۱۴۔ ایضاً ص۶۴

۱۵۔ ایضاً ص۶۵

۱۶۔ تاریخ تصوف؛ پروفیسر یوسف سلیم چشتی ص۲۰۵ مطبوعہ علماء اکیڈمی اوقاف لاہور،

۱۷۔ ایضاً ص۱۹

۱۸ فوائد الفواد؛ خواجہ نظام الدین دہلوی، مرتبہ، خواجہ حسن دہلویؒ، ترجمہ، پروفیسر محمد سرور مطبوعہ محکمہ اوقاف لاہور

۱۹۔ رسالہ قشیریہ؛ شیخ ابوالقاسم قشیریؒ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص۴۶ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

۲۰۔ عوارف المعارف؛ شیخ شہاب الدین سہروردی مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔

marfat.com

کشف و کرامت

۱۔ فوائد الفواد، خواجہ حسن دہلویؒ، ترجمہ پروفیسر محمد سرور ص ۲۵۱ مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب (لاہور)

۲۔ مکتوبات مجددؒ: شیخ احمد سرہندیؒ، ترجمہ مولانا سعید احمد نقشبندی: دفتر اول ص ۲۱۲ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔

۳۔ انفاس العارفین، شاہ ولی اللہ: ترجمہ سید محمد فاروق القادری ص ۵ مطبوعہ المعارف لاہور۔

۴۔ رسالہ قشیریہ: امام ابوالقاسم القشیریؒ۔ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص ۴۲ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

۵۔ مکتوبات مجددؒ: شیخ احمد سرہندیؒ: ترجمہ مولانا سعید احمد نقشبندی ص ۲۹۴ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔

۶۔ فوائد الفواد: خواجہ حسن دہلویؒ: ترجمہ پروفیسر محمد سرور ص ۲۷ مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور۔

۷۔ انفاس العارفین: شاہ ولی اللہ دہلویؒ ترجمہ سید محمد فاروق القادری ص ۷ مطبوعہ المعارف لاہور۔

marfat.com

اشاعتِ اسلام اور صوفیاء کرام

۱۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر: مولانا ابوالحسن علی ندوی ص۶۳ تا ص۶۶ مطبوعہ مجلس نشریاتِ اسلام کراچی۔

۲۔ دعوت اسلام: پروفیسر آرنلڈ، ترجمہ شیخ عنایت اللہ ص۲۷۷ مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور۔

۳۔ مقالات دینی وعلمی: پروفیسر محمد شفیع ص۹۴ مطبوعہ احمد ربانی ریلوے سروس پاکستان

۴۔ سیر العارفین: حامد بن فضل اللہ جمالی، ترجمہ محمد ایوب قادری ص۴۵ مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور۔

۵۔ ایضاً " " " " " " " " "

۶۔ فوائد الفواد: خواجہ نظام الدین دہلویؒ: ترجمہ پروفیسر محمد سرور، ص۱۷۲ مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور۔

۷۔ سیر الاولیاء بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت: مولانا ابوالحسن علی ندوی ص۷۲ مطبوعہ مجلس نشریاتِ اسلام کراچی۔

۸۔ دعوت اسلام: پروفیسر آرنلڈ، ترجمہ شیخ عنایت اللہ: ص۲۷۸ مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور۔

۹۔ ایضاً " " " " ص۲۷۹ " " "

۱۰۔ ایضاً " " " " " " " "

۱۱۔ مقالاتِ دینی وعلمی: پروفیسر محمد شفیع ص۹۵ مطبوعہ احمد ربانی ریلوے سروس پاکستان۔

۱۲۔ آبِ کوثر: ڈاکٹر شیخ محمد اکرام ص۱۹۴ مطبوعہ فیروز سنز لاہور۔

marfat.com

۱۳۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت: پروفیسر محمد ایوب قادری، ص ۶۷ مطبوعہ ادارہ تحقیق و تصنیف کراچی۔
۱۴۔ تاریخ دعوت وعزیمت: مولانا ابوالحسن علی ندوی، ص ۲۵۹ ج ا مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی۔
۱۵۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، مولانا ابوالحسن علی ندوی ص ۳۴۴ مطبوعہ مجلس نشریاتِ اسلام کراچی۔
۱۶۔ رودِ کوثر۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام ص ۸۸ مطبوعہ فیروز سنز لاہور۔
۱۷۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، مولانا ابوالحسن علی ندوی ص ۳۴۵ مطبوعہ مجلس نشریاتِ اسلام کراچی۔
۱۸۔ تذکرہ مشائخِ قادریہ۔ محمد دین کلیم ص ۱۰۷ مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور۔

marfat.com

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی

۱۔ تاریخ مشائخ چشت، پروفیسر خلیق احمد نظامی ص۷۵، ۷۶ مطبوعہ دار المؤلفین اسلام آباد۔
۲۔ ایضاً ″ ″ ″ ص۷۶
۳۔ تاریخ دعوت و عزیمت، مولانا ابوالحسن علی ندوی: ج ۱ ص ۲۷۹ مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی۔
۴۔ ایضاً ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″
۵۔ فیوض یزدانی: مجلس ص۵۱
۶۔ تاریخ دعوت و عزیمت، مولانا ابوالحسن علی ندوی، ج ۳ ص ۱۶۳۔ ص ۱۶۴ مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی۔
۷۔ آبِ کوثر: ڈاکٹر شیخ محمد اکرام: ص۴۱۲ مطبوعہ فیروز سنز لاہور۔
۸۔ ایضاً ″ ″ ″ ″ ″
۹۔ ایضاً ″ ″ ″ ص۴۵۸ ″ ″
۱۰۔ ایضاً ″ ″ ″ ″ ″ ″
۱۱۔ تاریخ مشائخ چشت، پروفیسر خلیق احمد نظامی ص۲۲ مطبوعہ دار المؤلفین اسلام آباد۔
۱۲۔ رودِ کوثر، ڈاکٹر شیخ محمد اکرام ص۸۸ مطبوعہ فیروز سنز لاہور۔
۱۳۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت، پروفیسر محمد ایوب قادری ص۶۶ ادارہ تحقیق و تصنیف کراچی۔
۱۴۔ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ: نور بخش توکلی ص۲۷۳۔ ص۲۷۴ مطبوعہ نوری بکڈپو لاہور۔

marfat.com

فقرِ غیور

۱۔ الشعراء : ۱۰۵ تا ۱۰۹

۲۔ الشعراء : ۱۲۳ تا ۱۲۷

۳۔ الشعراء : ۱۴۱ تا ۱۴۵

۴۔ الشعراء : ۱۶۰ تا ۱۶۴

۵۔ الشعراء : ۱۸۰

۶۔ یٰسین : ۲۱ - ۲۲

۷۔ الشوریٰ : ۲۳

۸۔ معارف الحدیث : مولانا محمد منظور نعمانی ج ۲ ص ۱۰۹

۹۔ خطۂ پاک اوچ : شہاب دہلویؒ، حاشیہ بحوالہ اخبار الاخیار، ص ۲۶۵ مطبوعہ اردو اکیڈمی بہاولپور۔

۱۰۔ فوائد الفواد، خواجہ نظام الدین دہلویؒ : ترجمہ پروفیسر محمد سرور ص ۲۷۵ مطبوعہ محکمہ اوقاف لاہور۔

۱۱۔ سیر العارفین : حامد بن فضل اللہ جمالیؒ : ترجمہ محمد ایوب قادری ص ۲۸ مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور۔

۱۲۔ فوائد الفواد : خواجہ نظام الدین دہلویؒ : ترجمہ پروفیسر محمد سرور ص ۲۱۸-۲۱۹ مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور۔

۱۳۔ تاریخ مشائخ چشت : خلیق احمد نظامی ص ۱۹۳ مطبوعہ دار المؤلفین اسلام آباد۔

۱۴۔ " " " " ص ۱۴۸

marfat.com

۱۵۔ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ: نور بخش توکلی ص۲۹ مطبوعہ مکتبہ نوری بکڈپو لاہور۔
۱۶۔ ایضاً " " " " ص۲۹۱ " " " " " " "
۱۷۔ ایضاً " " " " ص۲۹۱ " " " " " " "
۱۸۔ ایضاً " " " " ص۲۷۶ " " " " " " "
۱۹۔ تذکرہ شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی: مولانا ابوالحسن علی ندوی، ص۶۶ مطبوعہ مجلس نشریاتِ اسلام کراچی۔
۲۰۔ ایضاً " " " " " ص۶۹ " " " " " "

---

marfat.com

تاج شہی فقر کے قدموں پر

۱۔ خطۂ پاک اوچ، شہاب دہلوی ص ۲۷۵ مطبوعہ اردو اکیڈمی بہاول پور۔
۲۔ آبِ کوثر، ڈاکٹر شیخ محمد اکرام، ص ۲۶۷ مطبوعہ فیروز سنز لاہور۔
۳۔ ایضاً " " " " " "
۴۔ سیر العارفین: حامد بن فضل اللہ جمالیؒ ترجمہ: محمد ایوب قادری ص ۲۶-۲۷ مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ۔
۵۔ ایضاً " " " " ص ۲۰۱ " " "
۶۔ ایضاً " " " " ص ۲۰۳ " " "
۷۔ ایضاً " " " " ص ۲۴۱ " " "
۸۔ رودِ کوثر، ڈاکٹر شیخ محمد اکرام ص ۸۸ مطبوعہ فیروز سنز لاہور۔
۹۔ ایضاً " " " " " "
۱۰۔ ایضاً " " ص ۸۹ " "
۱۱۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مولانا ابوالحسن علی ندوی ص ۳۴۵ مطبوعہ مجلس نشریاتِ اسلام کراچی
۱۲۔ انفاس العارفین: شاہ ولی اللہ دہلویؒ: ترجمہ سید محمد فاروق القادری ص ۵۵ مطبوعہ المعارف لاہور۔
۱۳۔ ایضاً " " " ص ۶۳ " " "
۱۴۔ تذکرہ مشائخ قادریہ، محمد دین کلیم، ص ۱۷۵ مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور۔
۱۵۔ تذکرہ شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی: مولانا ابوالحسن علی ندوی ص ۷ مطبوعہ مجلس نشریاتِ اسلام کراچی۔

marfat.com

توکل

۱۔ یونس : ۸۴

۲۔ المائدہ : ۲۳

۳۔ یونس : ۷۱

۴۔ الاعراف : ۸۹

۵۔ یونس : ۸۴

۶۔ الشعراء : ۲۱۷

۷۔ الرعد : ۳۰

۸۔ ہود : ۸۸

۹۔ آل عمران : ۱۵۸

۱۰۔ رسالہ قشیریہ امام ابوالقاسم قشیریؒ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، صـ ۲۶۳ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

۱۱۔ تعرف : محمد بن اسحاق کلابازیؒ : ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن صـ ۱۵۵ مطبوعہ المعارف لاہور

۱۲۔ ایضاً " " " " " " " "

۱۳۔ ایضاً " " " " " صـ ۱۵۶ " "

۱۴۔ رسالہ قشیریہ، ابوالقاسم قشیریؒ، ترجمہ پیر محمد حسن صـ ۲۶۳ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

۱۵۔ ایضاً " " " " صـ ۲۶۴ " " "

۱۶۔ منہاج العابدین : امام غزالیؒ، ترجمہ مولانا سعید احمد نقشبندی صـ ۸۳ مطبوعہ

marfat.com

مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۔

۱۷۔ ایضاً 〃 〃 〃 〃 صـ۸۳ 〃 〃 〃 〃 〃

۱۸۔ کیمیائے سعادت امام غزالیؒ ترجمہ مجید یزدانی صـ۱۰۸۲ مطبوعہ ناشرانِ قرآن لاہور ۔

۱۹۔ رسالہ قشیریہ: ابوالقاسم قشیریؒ ترجمہ پیر محمد حسن صـ۲۶۹ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

۲۰۔ ایضاً 〃 〃 〃 〃 〃 صـ۲۶۷ 〃 〃 〃 〃

۲۱۔ فتوح الغیب، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ترجمہ سید محمد فاروق القادری صـ۳ مطبوعہ المعارف لاہور ۔

۲۲۔ رسالہ قشیریہ: ابوالقاسم قشیریؒ، ترجمہ پیر محمد حسن صـ۲۶۷ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد،

۲۳۔ ایضاً 〃 〃 〃 〃 صـ۲۷۰ 〃 〃 〃 〃 〃

۲۴۔ کیمیائے سعادت: امام غزالیؒ، ترجمہ مجید یزدانی صـ۱۰۸۸ مطبوعہ ناشرانِ قرآن لاہور ۔

۲۵۔ ایضاً 〃 〃 〃 〃 صـ۱۰۷۶ 〃 〃 〃

۲۶۔ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، نور بخش توکلیؒ صـ۵۲ مطبوعہ مکتبہ نوری بکڈپو لاہور ۔

۲۷۔ کیمیائے سعادت: امام غزالیؒ ترجمہ مجید یزدانی صـ۱۰۷۶ مطبوعہ ناشرانِ قرآن لاہور ۔

۲۸۔ صدِ میدان: شیخ عبداللہ انصاریؒ: ترجمہ پروفیسر افضل فقیر صـ۵۵ مطبوعہ المعارف لاہور ۔

marfat.com

فقر

۱۔ کشف المحجوب: سید علی الہجویریؒ: ترجمہ ایف ڈی گوہر صـ۸۴
۲۔ ایضاً " " " " صـ۸۶
۳۔ آداب المریدین: شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ: ترجمہ محمد عبدالباسط صـ۱۹ مطبوعہ المعارف لاہور۔
۴۔ تعرّف، محمد بن اسحٰق کلاباذیؒ: ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن صـ۱۴۶ مطبوعہ المعارف لاہور
۵۔ رسالہ قشیریہ: ابوالقاسم القشیریؒ: ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن صـ۴۲۶ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔
۶۔ تعرّف: محمد بن اسحاق کلاباذیؒ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن صـ۱۴۶ مطبوعہ المعارف لاہور
۷۔ کشف المحجوب۔ سید علی الہجویری، ترجمہ ایف، ڈی گوہر صـ۸۶
۸۔ رسالہ قشیریہ، ابوالقاسم القشیریؒ: ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن صـ۴۱۹ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔
۹۔ ایضاً " " " " صـ۴۱۸ " "
۱۰۔ ایضاً " " " " صـ۴۱۶ " "
۱۱۔ تعرّف: محمد بن اسحاق کلاباذی، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن صـ۱۴۷ مطبوعہ المعارف لاہور
۱۲۔ رسالہ قشیریہ: ابوالقاسم قشیریؒ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن صـ۴۱۹ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

marfat.com

توبہ

۱۔ صدمیدان: شیخ عبداللہ انصاریؒ: ترجمہ پروفیسر افضل فقیر ص۱۷ مطبوعہ المعارف لاہور
۲۔ النساء : ۱۱۷
۳۔ النحل : ۱۱۹
۴۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب الاستغفار والتوبہ، ص۵۱۰ مطبوعہ رحمانیہ لاہور۔
۵۔ صدمیدان: شیخ عبداللہ انصاریؒ: ترجمہ پروفیسر افضل فقیر ص۱۷ مطبوعہ المعارف لاہور۔
۶۔ تعرّف: امام ابواسحاق کلاباذیؒ: ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص۱۴۰ مطبوعہ المعارف لاہور۔
۷۔ ایضاً " " " " ص۱۴۰ " " "
۸۔ ایضاً " " " " ص۱۴۱ " " "
۹۔ رسالہ قشیریہ: امام ابوالقاسم قشیریؒ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص۱۶۰ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد،
۱۰۔ تعرّف: امام ابواسحاق کلاباذیؒ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، ص۱۴۱ مطبوعہ المعارف لاہور۔
۱۱۔ رسالہ قشیریہ، امام ابوالقاسم قشیری، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص۱۶۰ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔
۱۲۔ ایضاً " " " " " " " "
۱۳۔ ایضاً " " " " ص۱۶۱ " "

marfat.com

تقویٰ

۱۔ المائدہ : ۲

۲۔ رسالہ قشیریہ : ابوالقاسم قشیریؒ ؛ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص۹۸ مطبوعہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد۔

۳۔ عوارف المعارف ؛ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ص مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔

۴۔ رسالہ قشیریہ : ابوالقاسم قشیریؒ ؛ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص۴۳۳ مطبوعہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد۔

۵۔ بخاری و مسلم۔

۶۔ مشکوٰۃ۔

۷۔ فتوح الغیب : شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ؛ ترجمہ سید محمد فاروق القادری ص۸۶ مطبوعہ المعارف لاہور۔

۸۔ رسالہ قشیریہ : امام ابوالقاسم قشیری۔ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص۲۰۷ مطبوعہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد۔

۹۔ کیمیائے سعادت ؛ امام غزالیؒ ؛ ترجمہ محمد یزدانی ص۹۲۸۔ مطبوعہ ناشرانِ قرآن لاہور۔

۱۰۔ رسالہ قشیریہ : امام ابوالقاسم قشیریؒ : ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص۲۱۲ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

۱۱۔ تعرف ؛ ابواسحاق کلاباذیؒ ؛ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص۱۴۹ مطبوعہ المعارف لاہور۔

marfat.com

۱۲۔ کیمیائے سعادت، امام غزالیؒ: ترجمہ مجید یزدانی ص۹۳۱ مطبوعہ ناشرانِ قرآن لاہور۔

۱۳۔ رسالہ قشیریہ: امام ابوالقاسم القشیریؒ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص۲۰۶ مطبوعہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد۔

۱۴۔ کیمیائے سعادت، امام غزالیؒ، ترجمہ مجید یزدانی ص۹۴۴ مطبوعہ ناشرانِ قرآن لاہور۔

۱۵۔ رسالہ قشیریہ: امام ابوالقاسم قشیریؒ: ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص۳۱ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

۱۶۔ صدمیدان: شیخ عبداللہ انصاری: ترجمہ پروفیسر افضل فقیر ص۷۷ مطبوعہ المعارف لاہور۔

marfat.com

اخلاص

۱۔ البقرہ : ۲۶۴

۲۔ مشکوٰۃ : باب الصدقۃ۔

۳۔ فتوح الغیب، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ؛ ترجمہ سید محمد فاروق القادری: ص ۱۶۷ مطبوعہ المعارف لاہور۔

۴۔ صدِ میدان: شیخ عبداللہ انصاریؒ: ترجمہ پروفیسر افضل فقیر: ص ۶۱-۶۲ مطبوعہ المعارف لاہور۔

۵۔ تعرف: ابواسحاق کلاباذیؒ: ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص ۱۵۲ مطبوعہ المعارف لاہور۔

۶۔ رسالہ قشیریہ: ابوالقاسم القشیریؒ؛ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص ۳۳۳ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

۷۔ ایضاً " " " " ص ۳۳۱ " " " " "

۸۔ ایضاً " " " " ص ۳۳۲ " " " " "

۹۔ تعرف: ابواسحاق کلاباذیؒ، ترجمہ، ڈاکٹر پیر محمد حسن ص ۱۵۳ مطبوعہ المعارف لاہور۔

۱۰۔ رسالہ قشیریہ: ابوالقاسم القشیریؒ؛ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص ۳۳۳ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

---

marfat.com

صبر

۱۔ آلِ عمران : ۱۸۶

۲۔ البقرہ : ۱۷۷

۳۔ آل عمران : ۱۴۲

۴۔ آل عمران : ۱۲۰

۵۔ صدمیدان : شیخ عبداللہ انصاریؒ : ترجمہ پروفیسر افضل فقیر، ص۲۹ مطبوعہ المعارف لاہور۔

۶۔ تعرّف : ابواسحاق کلاباذیؒ : ترجمہ : ڈاکٹر پیر محمد حسن، ص۱۴۳ مطبوعہ المعارف لاہور،

۷۔ رسالہ قشریہ : ابوالقاسم قیشریؒ ، ترجمہ : ڈاکٹر پیر محمد حسن ص۲۹۶ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد۔

۸۔ ایضاً

۹۔ طریق النجات : شیخ محمد حسن مجددی فاروقیؒ : ص۱۴۸

marfat.com

فتوّت

۱۔ الحشر: ۱

۲۔ رسالہ قشیریہ: امام ابوالقاسم قشیریؒ: ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص۳۵۴ مطبوعہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد۔

۳۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص۳۵۵ 〃 〃 〃 〃

۴۔ ایضاً 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص۳۵۶ 〃 〃 〃 〃

۵۔ ایضاً 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص۳۵۷ 〃 〃 〃 〃

۶۔ ایضاً 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص۳۶۰ 〃 〃 〃 〃

۷۔ ایضاً 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص۹۴ 〃 〃 〃 〃

marfat.com

اُن کی باتوں میں گلوں کی خوشبو

۱۔ فوائد الفواد: خواجہ نظام الدین دہلوی، ترجمہ پروفیسر محمد سرور ص ۴۲۳ مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور۔

۲۔ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ: نور بخش توکلی، ص ۱۲۷ مکتبہ نوری بکڈپو لاہور۔

۳۔ رسالہ قشیریہ: امام ابو القاسم قشیری، ترجمہ پیر محمد حسن ص مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد۔

۴۔ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ: نور بخش توکلی: ص ۱۳۱ مطبوعہ نوری بکڈپو لاہور۔

۵۔ فوائد الفواد: خواجہ نظام الدین دہلوی، ترجمہ پروفیسر محمد سرور ص ۱۶۶ مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور۔

۶۔ تذکرہ مشائخ قادریہ، محمد دین کلیم ص ۸۷ مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور۔

۷۔ رسالہ قشیریہ: امام ابو القاسم قشیری، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص ۸۶ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

۸۔ فوائد الفواد، خواجہ نظام الدین دہلوی، ترجمہ پروفیسر محمد سرور ص ۲۱۲ مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور۔

۹۔ مکتوبات صدی، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، ترجمہ شاہ نجم الدین فردوسی، ص ۳۵۰

۱۰۔ رسالہ قشیریہ: امام ابو القاسم قشیری، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

۱۱۔ فوائد الفوائد: خواجہ نظام الدین دہلوی، ترجمہ پروفیسر محمد سرور ص ۳۶۱ مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور۔

marfat.com

اشاریہ

الف

آدم علیہ السلام ۱۸۳،
آدم، بنوری، شیخ، ۱۴۸،
آرنلڈ، پروفیسر، ۹، ۹۹، ۱۰۰،
ابراہیم (علیہ السلام) ۵۰،
ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ، ۱۶۳،
ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ، ۱۹۳،
ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ، دقاق شیخ، ۱۶۴،
ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ، عادل، ۱۴۷،
ابلیس، ۱۸۳،
ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، امام، ۸۳،
ابن خلدون، علامہ، ۴۴،
ابن خلکان، ۷۸،
ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ، محی الدین، شیخ، ۱۷،
ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ، شیخ۔ ۴۷،
ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ، گازرونی، ۱۰۲،
ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ، طمستانی، ۶،
ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ، کتانی، ۴۸، ۱۶۶، ۱
ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن اسحاق، ۱۷، ۵۱، ۵۳، ۷۷، ۷۸، ۱۶۰، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۹۴،

marfat.com

ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ، دراق، شیخ، ۱۶۷،

ابوتراب رحمۃ اللہ علیہ، نخشبی، ۱۵۳،

ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ، حداد: ۱۶۱،

ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ، شیخ: ۱۷۵،

ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ، شیخ: ۴۹،

ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ، سیروانی، شیخ: ۵۳، ۱۷۹،

ابوالحسن علی، ندوی مولانا: ۱۴۰، ۱۶،

ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ، قوشنجی: ۷۵،

ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ، مزین: ۴۹،

ابوالحسین رحمۃ اللہ علیہ، دراج شیخ: ۱۷۰،

ابوالحسین رحمۃ اللہ علیہ، نوری، شیخ: ۸، ۴۷، ۴۹، ۵۳، ۶۱، ۱۶۷،

ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ، ابوالخیر، شیخ: ۲۰۵،

ابوسہل، رحمۃ اللہ علیہ، صعلوکی، شیخ: ۸، ۴۹،

ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ، حیری، شیخ: ۵۶،

ابوالعلاء رحمۃ اللہ علیہ، امیر شیخ: ۷۰،

ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ، احمد، شیخ: ۵۷،

ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ، دقاق، شیخ: ۱۶۱، ۱۶۹، ۱۷۴، ۱۹۷،

ابوعلی، محمد بن عبدالوہاب: ۲۰۳،

ابوعمر رحمۃ اللہ علیہ، امام: ۱۶۱،

ابوعمر رحمۃ اللہ علیہ، دمشقی: ۱۸۳،

ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ، شیخ: ۱۴۵،

ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ، دمشقی: ۵۷،

ابومحمد رحمۃ اللہ علیہ، رویم البغدادی۔ ۱۸۸،

marfat.com

ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ ، لیسین ، شیخ : ۱۷۰ ،

ابو نعیم : ۱۶ ،

ابو الوفار ، یحییٰ ، قاضی : ۱۱۴ ،

ابو یعقوب رحمۃ اللہ علیہ ، سوسی : ۵۴ ، ۱۸۹ ،

احرار رحمۃ اللہ علیہ ، عبید اللہ ، خواجہ : ۶۶ ، ۱۴۷ ،

احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ، امام : ۲۳ ،

احمد بن یحییٰ الجلاء رحمۃ اللہ علیہ : ۱۷۰ ،

احمد خان بہمنی ، سلطان : ۱۴۷ ،

احمد رحمۃ اللہ علیہ ، سرہندی ، شیخ : ۴۲ ، ۱۲۲ ،

احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ ، سید : ۱۰۲ ،

احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ : ۱۸۴ ،

اسحاق (علیہ السلام) : ۵۰ ،

اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ ، شیخ : ۹۹ / ۱۰۲ ،

اشرف ، جہانگیر ، سمنانی ، شیخ : ۱۴۳ ،

اشرف علی ، تھانوی ، مولانا : ۴۵ ،

افضل خان : ۱۲۳ ،

اقبال رحمۃ اللہ علیہ ، علامہ : ۶۴ ،

اکبر ، بادشاہ : ۱۱۴ ، ۱۲۲ ، ۱۴۷ ، ۱۴۸ ،

اکرام ، محمد ، ڈاکٹر ، شیخ : ۱۰۲ ، ۱۴۳ ،

التمش ، شمس الدین ، سلطان : ۱۱۹ ، ۱۲۲ ، ۱۳۴ ، ۱۴۴ ، ۱۴۶ ،

امیر حسن رحمۃ اللہ علیہ علا سجزی : ۷۲ ،

امیر محمد خان ، امیر الدولہ : ۱۴۱ ،

انس رضی اللہ عنہ ، حضرت : ۱۷۲ ، ۱۷۹ ،

marfat.com

ایوب (علیہ السلام) : ۵۰ ، ۱۶۶ ،

ب

بابر، ظہیر الدین، سلطان : ۱۲۱ ،
بدر الدین رحمۃ اللہ علیہ، اسحاق، خواجہ : ۷۳ ،
برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ، بلخی، شیخ : ۱۴۳ ، ۱۴۴ ،
برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ : شیخ : ۱۱۷ ،
برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ : غریب، شیخ : ۱۰۱ ،
برہان الدین، مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ : ۱۴۳ ، ۱۴۴ ،
بسطامی رحمۃ اللہ علیہ، بایزید، شیخ : ۵۷ ، ۶۷ ، ۱۶۳ ،
بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ : ۲۳ ،
بلبن، غیاث الدین، سلطان : ۱۳۶ ، ۱۴۴ ،
بلند اقبال، شہزادہ : ۱۴۹ ،
بو شنجی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ : ۱۷۵ ،
بو علی، سینا : ۲۰۵ ،
بو علی رحمۃ اللہ علیہ، قلندر : ۱۰۳ ،
بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ، زکریا : ۱۱۹ ، ۱۲۰ ، ۱۴۴ ،
بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ، نقشبند : ۱۷۸ ، ۲۰۲ ، ۲۰۳ ،
بہمن یار خان : ۱۴۹ ،

ت

ترک، نور، شیخ : ۱۳۳ ،
تستری رحمۃ اللہ علیہ، شیخ : ۴۶ ، ۵۴ ، ۶۰ ، ۱۶۰ ، ۱۸۹ ،

marfat.com

تغلق ، فیروز ، سلطان : ۱۱۷ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹ ، ۱۴۷ ،

تغلق ، محمد ، سلطان : ۱۱۷ ، ۱۲۰ ،

تلنگی خان ، : ۱۱۹ ،

توکل رحمۃ اللہ علیہ ، انبالوی شاہ : ۱۳۹ ،

ج

جالینوس : ۶۶ ،

جامی رحمۃ اللہ علیہ ، عبدالرحمٰن ، ملّا : ۱۷ ، ۲۰۰ ،

جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ ، مرزا ، : ۱۳۸ ،

جبرائیل علیہ السلام : ۴۱ ،

جریری رحمۃ اللہ علیہ ، ابو محمد ، شیخ : ۸ ، ۴۸ ،

جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ ، امام : ۱۹۸ ،

جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ ، بخاری ، سید : ۱۰۲ ،

جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ ، تبریزی : ۱۰۳ ، ۱۴۶ ،

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ، شیخ : ۶ ، ۴۶ ، ۴۷ ، ۵۲ ، ۶۰ ، ۶۱ ، ۶۲ ، ۶۷ ، ۱۶۱ ، ۱۸۴ ، ۱۸۵ ، ۱۹۳ ، ۲۰۵ ،

جنید بن محمد رحمۃ اللہ علیہ ، شیخ : ۱۷۳ ، ۱۷۵ ،

جہانگیر ، نورالدین ، بادشاہ : ۱۴۸ ،

ح

حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ ، شیخ : ۱۸۳ ،

حارث المحاسبی رحمۃ اللہ علیہ : ۶۲ ، ۶۷ ، ۹۲ ،

حامد بن فضل اللہ ، جمالی : ۱۳۴ ، ۱۴۵ ، ۱۴۷ ،

marfat.com

حذیفہ رحمۃ اللہ علیہ ، مرعشی : ۱۸۸ ،

حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ مولانا : ۱۰۱ ،

حسن رحمۃ اللہ علیہ ، بصری ، خواجہ : ۲۹ ،

حسن رحمۃ اللہ علیہ ، دہلوی ، خواجہ : ۷۲ ،

حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ ، شیخ : ۵۳ ،

حسین رحمۃ اللہ علیہ ، شاہ : ۱۴۷ ،

حصری رحمۃ اللہ علیہ ، شیخ : ۵۰ ،

حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ ، ناگوری ، شیخ : ۱۳۷ ،

خ

خراز رحمۃ اللہ علیہ ، ابوسعید ، شیخ : ۵۷ ، ۷۷ ، ۹۲ ، ۱۵۹ ،

خسرو رحمۃ اللہ علیہ ، امیر : ۷۲ ،

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ : ۴۸ ،

خواص ، خان : ۱۲۲ ،

خورشید ، جاہ ، نواب : ۱۴۰ ،

ذ

ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ ، مصری ، شیخ : ۵۴ ، ۱۷۵ ، ۱۸۱ ، ۱۸۸ ،

ر

رضیہ سلطانہ : ۱۳۳ ، ۱۳۴ ،

رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ ، ملتانی ، شاہ : ۱۲۱ ، ۱۴۴ ، ۱۴۶ ،

رود باری رحمۃ اللہ علیہ ، ابوعلی ، شیخ : ۴۹ ، ۵۷ ،

marfat.com

رؤف احمد، مجددی، شیخ : ۱۰۵،

ز

زبیر رحمۃ اللہ علیہ، سرہندی، خواجہ : ۱۴۸،
زکریا علیہ السلام، حضرت : ۵۰،
زین الدین رحمۃ اللہ علیہ، شیخ : ۱۱۶، ۱۱۷،

س

سراج رحمۃ اللہ علیہ، ابونصر، شیخ : ۱۷، ۷۷، ۷۸،
سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ، عثمان، مولانا : ۱۰۱،
سرسید، احمد خان : ۱۰۵، ۱۴۱،
سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ : ۶۲، ۱۸۴، ۱۸۵،
سعد الدین رحمۃ اللہ علیہ، حمویہ : ۶۸،
سعدی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ : ۱۹،
سعد اللہ، خان : ۱۴۸،
سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ : ۱۱۳،
سلمان رضی اللہ عنہ، فارسی : ۴، ۱۴۲،
سلیم : ۱۴۸،
سلیم رحمۃ اللہ علیہ، چشتی : ۱۴۸،
سلیمان علیہ السلام، حضرت : ۱۶۶،
سمنون رحمۃ اللہ علیہ، شیخ : ۴۸،
سیف الدین : ۱۲۴،
سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ، حمویہ : ۶۸،

marfat.com

ش

شاہ جہان : ۱۲۳، ۱۴۹،
شبلی رحمۃ اللہ علیہ، ابوبکر، شیخ : ۵۲، ۱۶۲، ۱۶۸، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴،
شعرانی رحمۃ اللہ علیہ، عبدالوہاب : ۱۷،
شعیب علیہ السلام : ۱۳۰، ۱۵۶، ۱۵۷،
شفیق رحمۃ اللہ علیہ، بلخی، خواجہ : ۱۹۸،
شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ، سہروردی، شیخ : ۱۷، ۲۹، ۵۱، ۶۳، ۷۷، ۸۱،
شہرستانی : ۷۸،
شیخ اکبر، محی الدین : ۸۸،

ص

صالح علیہ السلام : ۱۲۹،
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت : ۸۰،

ض

ضیاء الدین، برنی، پروفیسر : ۱۰۳،
ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ، سہروردی، شیخ : ۵۱، ۷۷، ۱۶۶،

ع

عارف، ارشاد احمد، سید : ۳۳،
عالمگیر، اورنگ زیب : ۱۲۳، ۱۲۷،
عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدہ : ۱۳۱،
عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ، محدث دہلوی، شیخ : ۴۱، ۵۵، ۱۳۳،

marfat.com

عبدالحکیم، سیالکوٹی، مُلا : ۱۴۸، ۱۴۹،

عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ، درّانی : ۱۶۳، ۱۶۴،

عبدالرحمان السلمی رحمۃ اللہ علیہ : ۱۷،

عبدالرحمان، مفتی : ۱۲۳،

عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ : ۲۰،

عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ، شاہ : ۱۴۸،

عبدالقادر، جیلانی، شیخ : ۱۷، ۲۹، ۵۰، ۷۷، ۹۱، ۹۳، ۱۰۵، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۳۲، ۱۶۴، ۱۸۰، ۱۸۷،

عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ انصاری، شیخ : ۱۷، ۵۹، ۷۷، ۱۶۳، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۸۵، ۱۸۷، ۱۹۳،

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، : ۱۸۰،

عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ، جبائیؒ : ۱۰۶،

عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ، سیّد : حافظ : ۷۷،

عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ، برہان پوری، شیخ : ۱۳۷،

عبدالنّبی، صدر الصدور، شیخ : ۱۰۴، ۱۳۲، ۱۴۷،

عطار رحمۃ اللہ علیہ، فرید الدین، شیخ : ۱۷، ۷۹، ۱۱۱،

علاؤالدین، سلطان : ۱۰۳، ۱۴۵، ۱۴۷،

علی رحمۃ اللہ علیہ : شیخ : ۸۸،

علی بن الموفق رحمۃ اللہ علیہ : ۱۸۹،

علی رضی اللہ عنہ، المرتضیٰ : ۱۶۸، ۱۸۷،

علی رحمۃ اللہ علیہ، الہجویری، شیخ : ۷، ۱۷، ۲۹، ۴۹، ۷۷، ۸۴، ۹۳، ۹۸، ۱۶۶،

عمار رضی اللہ عنہ، حضرت : ۴،

عمر بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ، المکی : ۹،

عمر رضی اللہ عنہ، فاروق۔ حضرت ۸۰، ۱۱۳، ۱۸۰،

عیسیٰ علیہ السلام : ۵۰،

marfat.com

غ

غزالی رحمۃ اللہ علیہ، امام : ۷۷، ۹۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۶۲، ۱۷۲، ۱۷۴، ۱۸۳،

غلام علی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ : ۱۰۴، ۱۴۱،

ف

فاروق القادری، محمد، سیّد : ۲۶،

فضل رحمان، گنج مراد آبادی، شاہ : ۱۴۰، ۱۵۰،

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ : ۱۱۱، ۱۱۲،

فیروز جنگ، خان : ۱۳۸،

ق

قرشی، ابوعبداللہ : ۱۶،

قزوینی رحمۃ اللہ علیہ، ابوعلی، شیخ : ۸، ۴۸،

قشیری رحمۃ اللہ علیہ، ابوالقاسم، شیخ : ۱۷، ۴۸، ۵۱، ۵۷، ۷۷، ۷۸، ۸۳، ۹۲،
۹۳، ۱۵۸، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۸۴، ۱۹۳، ۱۹۷، ۱۹۸،

قطب الدین، سلطان : ۱۴۵، ۱۴۶،

قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ، کاشانی، شیخ : ۱۴۴،

ک

کاکی رحمۃ اللہ علیہ، بختیار، خواجہ : ۷۳–۱۰۰، ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۴۴،

کشلو، خان : ۱۳۰،

کلیم اللہ رحمۃ اللہ علیہ، دہلوی : ۷،

کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ، مولانا : ۱۰۱،

marfat.com

گ

گب، ایچ، آر : ۱۰،
گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، فرید الدین، شیخ : ۲۹، ۶۲، ۷۳، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۳۳،
۱۳۶، ۱۴۴، ۱۴۸، ۲۰۲،
گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، عبدالقدوس، شیخ : ۱۲۱، ۱۲۲،
گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ، محمد، شیخ : ۱۴۷،
گیلانی، خورشید احمد، سید : ۲۳، ۲۶، ۲۹، ۳۳،

ل

لودھی، سکندر : ۱۲۱،
لوط، علیہ السلام : ۱۲۹،

م

مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام : ۴۲،
محب اللہ رحمۃ اللہ علیہ، امروہی : ۱۴۰،
محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ، نجدی : ۱۴،
محمد بن علی قصاب رحمۃ اللہ علیہ : ۴۸،
محمد بن الفضل رح : ۱۹۸،
محمد صلی اللہ علیہ وسلم : ۲۵، ۵۰، ۱۱۲،
محمد بن محمد رحمۃ اللہ علیہ : ۸۹،
محمد حسن، رحمۃ اللہ علیہ، مجددی، شیخ : ۱۹۴،
محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ، بہمنی، سلطان : ۱۱۹،
محمد شاہ، غازی، سلطان : ۱۱۷،
محمد شفیع، ڈاکٹر : ۹۷، ۱۰۱،
محمد موسیٰ، حکیم، امرتسری : ۲۴،

marfat.com

معصوم رحمۃ اللہ علیہ، محمد، سرہندی : ۱۰۴، ۱۲۳، ۱۲۴،

معین الدین رحمۃ اللہ علیہ، چشتی۔ خواجہ : ۲۹، ۷۳، ۹۹، ۱۰۱، ۱۴۴،

مغاذلی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ : ۱۷۴،

مقتضی لامر اللہ، خلیفہ : ۱۱۴،

مقداد رضی اللہ عنہ، حضرت : ۴،

مکی رحمۃ اللہ علیہ، ابوطالب، شیخ : ۱۷، ۷۷، ۷۸،

ملک شاہ، سلجوقی : ۱۱۳،

منصور رحمۃ اللہ علیہ، حلاج : ۸۱،

منصور، خلیفہ : ۱۱۲،

موسیٰ علیہ السلام : ۵۰، ۱۵۶،

میاں میر رحمۃ اللہ علیہ، قادری : ۱۴۹،

میر خورد رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ : ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۴۹،

ن

ناصر الدین، قباچہ : ۱۱۹،

نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ، چراغ دہلوی ؛ ۷، ۶۸، ۷۳، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۴۷،

نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ، اولیاء، خواجہ : ۸، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۹، ۶۲، ۶۶، ۶۸، ۷۲، ۷۳، ۹۸، ۱۰۱، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۴۷، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۵،

نظام الملک، نواب : ۱۳۹،

نعمان، میر : ۱۲۳،

نوح علیہ السلام : ۱۵۶، ۱۵۸،

نور بخش رحمۃ اللہ علیہ، توکلی، پروفیسر : ۱۳۹،

نور الدین، سلطان : ۱۲۳،

نور الدین رحمۃ اللہ علیہ، مبارک، شیخ : ۱۲۲،

marfat.com

و

ولی اللہ، محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ : ۱۰، ۶۶، ۷۰، ۱۴۸،
وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ : ۱۶۲،

ھ

ہارون الرشید، خلیفہ : ۱۱، ۱۱۲،
ہارونی رحمۃ اللہ علیہ، عثمان، خواجہ : ۷۳،
ہاشم رحمۃ اللہ علیہ، گجراتی، پیر : ۱۴۷،
ہمایوں، نصیر الدین، سلطان : ۱۴۷،
ہنٹر، ولیم، سر، : ۹۶،
ہود علیہ السلام : ۱۲۹،
ہیبت خان شیروانی، ۱۲۲،

ی

یافعی رحمۃ اللہ علیہ : ۷۸،
یحییٰ (علیہ السلام) ۵۰،
یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ : ۱۶۰،
یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ، منیری، شیخ : ۵۸، ۵۹،

---

marfat.com